لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
سیرت
رسول اللہ ؐ
پروفیسر سید نواب علی
مکتبۂ افکار
رابسن روڈ کراچی

سیرت

رسول اللہ

سیرت کے قدیم ماخذ، آنحضرت صلعم کی
حیاتِ طیبہ کے مستند حالات، مستشرقینِ
یورپ کے حملوں کا مدلّل جواب اور اسلام کے
بنیادی عقائد پر ایک جامع اور تحقیقی کتاب!

سلسلۂ مطبوعات مکتبۂ افکار

(۱۹)

قیمت

بارہ روپے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ
مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

کتاب مستطاب

سیرتِ رسول اللہؐ

مؤلفہ
پروفیسر سید نواب علی
(سابق وزیر تعلیمات ریاست جوناگڑھ)

مکتبۂ افکار
رابسن روڈ کراچی
فون : ۷۳۹۹۳

کتابت ـــــــ منیر احمد

طباعت مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ـــــــ ایک ہزار

پہلا ایڈیشن : ۱۹۳۱ء

دُوسرا ایڈیشن : ۱۹۶۶ء

فہرس

ولادت باسعادت

آنحضرت کا نسب نامہ، قصی کے حالات، ہاشم اور امیہ کی ۶۸-۸۳
مخالفت جس کا اثر اُن کے خاندان میں مدتوں رہا، عبد مناف
عبد المطلب، ولادتِ باسعادت، آنحضرت کے ابتدائی حالات،
سفر شام، حضرت خدیجہ سے عقد، ابن اسحاق کا بیان۔

نزولِ وحی سے ہجرت تک

کائنات ایک قفلِ ابجد، نیوٹن، گوتم، حضرت ابراہیم، کوہ طور ۸۴-۱۵۵
کا نظارہ، حضرت مسیح پر روح کا نزول: ابن اسحاق کی روایت
نزولِ وحی، ابن اسحاق کی روایت متعلق نزول وحی، وحی کی
کیفیت، فطرۃ الوحی، آغازِ رسالت کی تاریخ، تبلیغ دین،
سورۂ فاتحہ کے لطائف، تبلیغ مشکلات، ایمان حضرت حمزہ،
قریش کی میٹھی چھری، قریش کی دھمکی، مسلمانوں پر ظلم و ستم،
ہجرت حبشہ، حضرت جعفر کی تقریر، ایک ذاتی واقعہ، ایمان
حضرت عمرؓ، قرآن میں پہلا سجدہ، سورۂ والنجم کے متعلق
ایک جھوٹی روایت، سورۂ عبس، طریق جاہلیت اور دین اسلام
کا تصادم، شعرائے جاہلیت، سورۂ فرقان کے لطائف، شعب
ابوطالب، عام الحزن، حضرت ابوطالب کا ایمان اور اس پر
تبصرہ، سورۂ کوثر، سفر طائف، رویت آیات، واقعۂ اسریٰ،
قبائل میں تبلیغ اسلام، بحث جنات، جن کے مختلف معنی،
ابن اسحاق کی روایت متعلقہ جنات، مکہ، یثرب میں نور اسلام،

مدینہ میں اعلائے کلمۃ اللہ

آغاز غزوات

غزوۂ بدر الکبرےٰ

غزوۂ اُحد

رجیع اور بیر معونہ کے حادثے

غزوۂ بنی نضیر

ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ احزاب

صلح حدیبیہ

شاہان عالم کو دعوت اسلام

غزوۂ خیبر

غزوۂ تبوک

حج بیت اللہ

رومی خطرے کا انسداد
اور
آخری وصیتیں

مرقع رسالت

پروفیسر سید نواب علی

رخصت ہوگئی اور محض جذباتی عقیدت رہ گئی جس کا مظہر ہماری آج کی میلاد کی محفلیں ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں یورپ کے مستشرقین رسول اللہ کی سیرت اور اسلامی تاریخ کے اصلی ماخذ سے عربی زبان کے واسطہ سے علمی طریقہ پر واقف ہوئے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اُن کی ان کتنک اور منظم کوششوں سے بہت سے ماخذ پہلی بار طلیہ طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آئے۔ دوسری طرف مسلمان یورپ کے علوم جدیدہ سے باخبر ہوئے۔ سیاسی اقتدار کا سہارا لے کر یہودی اور عیسائی مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر حملے کئے اور تلاش کر کر کے مجروح اور ناقابل اعتماد روایتوں کو بطور سلاح استعمال کیا۔ ادھر مظلوم و مقہور مسلمانوں کی حمیت کو کچھ ایسی خوش قسمتی سے اس وقت تک ہمارے یہاں عربی و اسلامی علوم کی روایت باقی تھی، اور وہ مسلمان جو برصغیر میں یورپی علوم کی جدید درس گاہوں سے وابستہ تھے وہ ابھی تک اپنی تاریخ و ثقافت کے سرچشموں سے جُدا نہیں ہوئے تھے۔ بالکل طبعی امر تھا کہ مستشرقین کے نشتر اس طبقہ کو لگے جو علوم جدیدہ کا قدردان تھا لیکن دین سے برگشتہ نہ تھا۔ اس پس منظر میں برصغیر کی دو اہم شخصیتیں تھیں جنہوں نے سیرت کی نمایاں خدمت کی اور امت اسلامیہ ہند کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔

ایک شخصیت شبلی کی ہے اور دوسری پروفیسر نواب علی کی۔ شبلی قدیم درسگاہوں کی گود میں پلے اور علی گڑھ کی فضا میں نئے دور کے تقاضوں سے آشنا ہوئے۔ پروفیسر نواب علی علوم جدیدہ بالخصوص مستشرقین کے کاموں سے براہ راست واقف تھے، علم موازنۂ ادیان سے انہیں گہری دلچسپی تھی اور مشرقی آداب و اسلامی علوم میں

کا من دسترس رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ایمان اور خلوص نیت جسے وہ اسلامی علوم کی خدمت کے لئے شرط اولین سمجھتے تھے ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ انہوں نے وہ کام کیا جس کے لئے عموماً ایک ادارہ درکار ہوتا ہے۔ شبلی کی سیرت النبی اور پروفیسر نواب علی کی سیرت رسول اللہؐ دونوں ایک ہی جذبہ کے تحت اور ایک ہی خاکہ کے مطابق ذرا آگے پیچھے لکھی گئی ہیں۔ شبلی کے یہاں انشا کی چاشنی ہے تو نواب علی کے یہاں تحقیق کا پہلو راجح ہے۔

سیرت رسول اللہؐ پہلی بار سنہ ۱۹۳۱ء میں طبع ہوئی۔ اس وقت خاصی مشہور ہوئی اور برسہا برس یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل رہی۔ در اصل حجم مواد اور طرز نگارش کے لحاظ سے یہ کتاب خاص طور پر تعلیم گاہوں کے نوجوانوں کے لئے موزوں ہے۔ افسوس کہ کچھ عرصے سے یہ گراں قدر اور مفید کتاب بالکل ہی بھلا دی گئی تھی۔ آج ہم اس زمانے میں ہیں جب قومی تنزل نے یہی اجرت پر لکھوائے جاتے ہیں جس طرح ٹھیکہ پر عمارتیں بنوائی جاتی ہیں اسی طرح کتابیں بھی نئی نئی لکھوائی جاتی ہیں۔ کاش کوئی سمجھے کہ ایک اچھی کتاب کا رتبہ پروفیسر نواب علی کے لفظوں میں دنیا کی دولت سے ہے۔

آخر میں ایک بات اور قابل غور ہے۔ مستشرقین آج بھی ہمارے عربی مآخذ کھنگال رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ علمی انداز میں اسلام پر حملے کر کے ہمارے نوجوانوں کے یقین کو متزلزل کر رہے ہیں۔ آئے دن شور اٹھتا ہے وہ حکومت سے مطالبہ ہوتا ہے کہ کتابیں ضبط کرے اور ڈرامہ ممنوع کرے لیکن اب نہ قدیم درسگاہوں

دیباچہ

گذشتہ صدی میں علوم جدیدہ کے روز افزوں انکشافات نے جب یورپ
میں مذہب عیسوی کی بنیادیں ہلانا شروع کردیں تو سیرت حضرت مسیح پر سب سے
پہلے جرمنی کے ایک عالم اسٹراس نے سنہ ۱۸۳۵ء میں ایک کتاب لکھی جس میں ملحد
[illegible] حضرت مسیح کے حالات مندرجہ اناجیل اربعہ کو ناقدانہ
حیثیت سے پیش کرکے دعویٰ کیا کہ چونکہ آپ کی ولادت معجزات اور صعود وغیرہ
سب مافوق العادت اور قانون فطرت کے خلاف ہیں اس لئے بجائے اس کے
کہ ان کو تاریخی تسلیم کریں [illegible] شاعریت پر محمول کرنا چاہئے اسٹراس کے
اس دعوے نے دنیائے مسیحیت میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ
جب سنہ ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی معرکۃ الآرا تصنیف اوریجن آف دی اسپیشیز
شائع ہوئی تو وہ جو ابن اللہ اور ثالث ثلاثہ تسلیم کیا جاتا تھا سلسلۂ ارتقاء سے وابستہ
نظر آنے لگا۔ توراۃ و اناجیل داستان پارینہ قرار دی گئیں عقل و نقل کا ہنگامہ
گرم ہوگیا اور دہریت اور الحاد کی زہریلی ہوائیں چلنے لگیں۔

؎ دیکھو [illegible] دی نائنٹینتھ سنچری [illegible]
[illegible] جلد ۱۴ مضمون پروفیسر [illegible]

ہندوستان میں اس وقت مغلیہ سلطنت کے چراغ گل ہو جانے سے مسلمانوں کی خود مختارانہ حکومت اور سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ اسلام کے دینی تفوق کے مٹانے کی کوشش مبلغین مسیحیت کی طرف سے شروع ہو چلی تھی جس میں سر ولیم میور نے سب سے پہلے نمایاں حصّہ لیا۔ اور اسپرنگر کے طرز استدلال کی پیروی میں سیرت محمدی پر چار جلدوں میں ایک کتاب سنہ ۱۸۶۱ء میں شائع کی جس میں کتب مغازی و سیر کے ذخیرۂ روایات رطب و یابس سے اپنے مفید مطلب کام لے کر آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات، ذات و سراپا اس انداز سے تحریر کئے کہ اُن کے مطالعہ سے سوء عقیدت اور تنفّر پیدا ہو جائے۔ اس کتاب سے جو زہریلے نتائج مسلمانوں میں پیدا ہونے والے تھے ان کو سب سے پہلے سر سیّد مرحوم نے محسوس کیا اور فوراً ایک تریاق کی تیاری میں مشغول ہوئے سنہ ۱۸۶۹ء میں نواب محسن الملک کے نام جو خطوط ولایت سے بھیجے اُن میں لکھتے ہیں

> ان دنوں ذرا میرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا، کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب منگوانی شروع کر دی ہیں جو تیار ہو گئیں۔ سیرت

دکھانا، عرب اور کعبۃ اللہ کے تاریخی حالات اور قدیم جغرافیہ سے میور اور مخالفین اسلام
کے اعتراضات متعلق نسب نامہ رسول اللہ کو دفع کرنا اور بشارات مندرجہ توراۃ
و انجیل کو آپ کی ذات پاک کے لئے ثابت کرنا پھر آخری خطبے میں آنحضرت صلعم
کے حالات بارہ برس کی عمر تک تحریر کرنا اور ارباب سیر کی ضعیف روایات کی قلعی
کھول کر میور کے اعتراضات کا الزامی اور تحقیقی جواب دینا غرض کہ اپنی نوعیت اور
وسعت نظر میں یہ پہلی کتاب حمایت دین برحق کی ہے جو اردو میں لکھی گئی۔

آنحضرت صلعم کی مقدس زندگی کے پورے حالات چونکہ اس کتاب میں
تحریر کرنے کی نوبت نہیں آئی، اس لئے سر سید نے اس کا نام بجائے سیرۃ کے
خطبات احمدیہ رکھا۔ لیکن تصانیف مابعد میں جستہ جستہ حالات پر کافی روشنی
ڈالی ہے مثلاً تفسیر القرآن میں جہاں سورۂ انفال کی تفسیر لکھی ہے تمام غزوات
و سرایا کو ایک جا جمع کر کے بحث کی ہے۔ پھر وفات سے چند روز پیشتر "ازواج
مطہرات" کے عنوان سے ایک زبردست مضمون لکھنا شروع کیا تھا جو افسوس
بالآخر سنہ ۱۸۹۸ء میں پیغام اجل آ جانے سے ناتمام رہا۔

سر سید کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک کسی نے اس مقدس موضوع پر
توجہ نہ کی۔ اس کمی کو میں بے چینی سے محسوس کرتا تھا پھر یہ دیکھ کر کہ مولانا شبلی مرحوم

۱؎ انگریزی میں البتہ جسٹس سید امیر علی مرحوم نے ایک محققانہ اور معرکۃ الآرا کتاب
"اسپرٹ آف اسلام" لکھ کر دین متین کی ایک بیش بہا خدمت انجام دی۔ یہ کتاب
سب سے پہلا سنہ ۱۸۹۱ء میں لندن پھر سنہ ۱۹۰۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

جنہوں نے اُس وقت تک الفاروق، اور الغزالی، ایسی قابلِ قدر کتابیں تصنیف
کی تھیں اس طرف متوجہ نہیں ہیں۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں جب مدرسۃ العلوم علی گڑھ
کے اصناف سے میرا تقرر بڑودہ کالج میں ہوگیا۔ اور ریاست کے متمول کتب خانہ
سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا تو وہ مضامین جن میں آنحضرت صلعم کی پاکیزہ
زندگی کے حالات طرزِ جدید میں مسلسل تحریر تھیں ایک کتاب کی شکل میں جس کا نام
تذکرۃ المصطفیٰ رکھا۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں شائع کئے۔ اور ایک نسخہ علامہ ممدوح
کی خدمت میں بھیجا کہ خدارا اب سیرت پاک پر قلم اُٹھائیے، لیکن چونکہ وہ اس
اہم کام کو بڑے پیمانے پر منتظمانہ کرنا چاہتے تھے اس لئے کچھ عرصے تک خاموش رہے
آخر جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کے رسالہ 'الندوہ' میں 'ایک عظیم الشان تحریک' یعنی
آنحضرت صلعم کی مفصل اور مستند سوانح عمری مرتب کرنے کی تجویز، کے عنوان سے
ایک اپیل شائع کی جس میں ایک مجلس تالیف سیرت نبوی کی ضرورت اور اس کی
نوعیت کی تشریح کرکے پچاس ہزار روپے کے خرچ کا اندازہ لگا کر قوم سے فراہمی
چندہ کی درخواست کی لیکن علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیٔ ریاست
بھوپال نے جوشِ عقیدت اور دریا دلی سے سارے مصارف اپنے ذمہ لے لئے
اور علامہ نے اُسی سال جس طور سے اس کام کو شروع کیا اور جو ضرورت پیش آئی
اُس کی تشریح ہم اُن کے چند خطوط کو ذیل میں مکاتیب شبلی سے نقل کرکے
واضح کر دیتے ہیں۔

۱؎ دیکھو مکاتیب شبلی حصہ دوم [illegible]

کے بعد شائع کر دیا اور اب تک بقیہ حصص کی تالیف وطبع کا سلسلہ جاری ہے لیکن جیسا کہ ابتدا میں علامہ مرحوم نے خیال کیا تھا، یہ سیرت نہیں بلکہ انسائیکلوپیڈیا یعنی دائرۃ المعارف النبویہ ہو گئی جس کا دائرۂ استفادہ اس کی ضخامت کے باعث محدود رہے گا ماسوا اس کے اگرچہ بقیہ حصص فاضلانہ تالیف ہو کر شائع ہو رہے ہیں لیکن افسوس اس کا کیا علاج ہے کہ "جائے استاد خالی ہست"

گزشتہ ۲۰ سال کے اندر اگرچہ اردو میں سیرت نبوی پر اہل قلم نے متعدد چھوٹی بڑی مفید کتابیں لکھیں لیکن اب زمانے کا اقتضا کچھ اور ہے علم مواز نہ مذاہب کی روز افزوں ترقی اور ادیان مختلفہ کے قدیم ماخذوں کے قلمی نسخوں کی طبع و اشاعت نے پیشوایان مذاہب کی سیرت نگاری کے لئے معلومات میں اضافہ کر کے تنقید و تبصرہ کا میدان وسیع کر دیا ہے اب یورپ میں جن اصول پر سیرت مسیح کو پیش کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ جس طور سے آنحضرت صلعم کی سیرت پاک کو قدیم ماخذوں کے حوالوں سے مسخ کر کے مستشرقین دام فریب بچھا رہے ہیں اس کی طرف آج کل یہاں ہندوستان میں (جہاں مغربیت کی دھن میں یا سیاست کی ہنگامہ آرائیوں نے طبقۂ علماء کو بھی مسحور کر لیا ہے) اگر کچھ توجہ کی جاتی ہے تو اس قدر کہ پبلک جلسوں میں جوش و خروش کے ساتھ نفرت و حقارت کے رزولیوشن پاس کر لئے یا کوئی وفد گورنمنٹ کی خدمت میں لے گئے چنانچہ سنہ ۱۹۲۶ء میں ایک ایسا ہی

---

[1] ان میں ایک کتاب خاص طور سے قابل ذکر ہے رحمۃ للعالمین (دو جلدوں میں) مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

تمہید

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگرچہ ادیانِ سابقہ کے تمام پیغمبروں اور ہادیوں کو منجانب اللہ مامور تسلیم کر کے اپنی امت کو صاف الفاظ میں ہدایت کردی ہے کہ ان سب بزرگوں کی ہم عظمت کریں اور ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی روا نہ رکھیں، اتنا ہی نہیں بلکہ کتبِ سابقہ میں ان پاک نفسوں کی سیرت کے متعلق جو بیہودہ اور شرمناک روایات مندرج ہیں ان کو نفسی اور کتابِ دینی پر محمول کر کے ان قدسی نفوس کی پاکیزہ روشی اور خدا پرستی کی شہادت دیں، لیکن دیکھو کہ نبی امی کی اس حق پسندی حقیقت شناسی اور وسعتِ خیال کا یہ صلہ ہے کہ اس دورِ تہذیب میں جب کہ تحقیق اور ہمہ دانی کا دعویٰ نہایت بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے آپ کے واقعاتِ زندگی پر ٹھنڈے دل سے انصاف کی نظر ڈالنا کیسا بعض متعصبین کے بدظنوں اور افترا کے طوفانوں سے سیرتِ پاک کے سفینۂ نجات کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔

انسان کی جبلت عجیب متلون واقع ہوئی ہے۔ قریش مکہ نے آپ کی امانت و صداقت کے قصیدے پڑھے، امین کا لقب دیا تھا، لیکن جب وہ ان کے تزکیۂ نفوس کے لیے تیار ہوتا ہے اور توحید کامل کی تعلیم دیتا ہے تو سب ساحر و مجنون کہہ کر پکارتے ہیں۔ زمانۂ حال کے مستشرقین جسے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اسی کو جب وہ دینِ

کے متعلق زمانہ سے اس قدر کام لیا کہ آکسفورڈ کے موجودہ پروفیسر مارگولیوث
ضبط و برداشت نہ رکھ سکے اور ۱۹۰۴ء میں سیرت پر اپنی کتاب "محمدؐ" ایسی لکھی
کہ جس میں تدلیس و تخلیط کا کمال دکھا دیا۔

یہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اس کے وجوہ جو کچھ بھی ہوں لیکن اس سے انکار
نہیں ہو سکتا کہ جس طرح تورات و انجیل میں انبیائے بنی اسرائیل کے متعلق بہت
سے غلط اور شرمناک روایات منقول ہیں اسی طرح آنحضرت کی سیرت کے متعلق
ہمارے قدیم ماخذ کتب مغازی و سیر میں بھی ویسی ہی روایات مندرج تھیں۔
ان اکاذیب باطلہ کو جنہیں مورخین اسلام نے تقلیداً نقل کر دیا مستشرقین یورپ
نے تنقیص رسول اور تنقیح اسلام کے لئے ایک سہل الوصول ذریعہ سمجھ کر خوشی
سے تسلیم کر لیا اور پھر اپنے زور قلم سے رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ اس لئے ہم پہلے ان
قدیم ماخذوں اور ان کے مصنفین پر نظر ڈالتے ہیں۔

قدیم ماخذوں پر ایک نظر

قرآن مجید سیرت رسول اللہ کا سب سے
پہلا ماخذ ہے اس کی ۱۱۴ سورتوں میں
آنحضرت کے ابتدائی حالات، بعثت، عہد رسالت کی تعلیمات، خانگی زندگی
اور غزوات جستہ جستہ مذکور ہیں۔ مغازی و سیر کا یہ سب سے پہلا ماخذ رسول اللہ
پر وحی تھا جو ۲۳ سال کے اندر حفظ اور تحریر دونوں ذریعے سے محفوظ کر لیا
گیا تھا۔ آپ کی وفات کے ایک سال بعد حضرت ابوبکرؓ نے پورا قرآن مجید ایک

له دیکھو تاریخ مصحف ... صفحہ ۱۰۲

اس خرابی کی ابتدا عبد الملک ابن مروان کے عہد سے شروع ہوئی جو سنہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو کعبے میں شہید کر کے دنیائے اسلام کے سیاہ و سفید کا مستقل حاکم بن بیٹھا۔ عبد الملک بحیثیت ایک بادشاہ کے بیدار مغز اور مدبر تھا، اس نے اسلام کی دنیوی سلطنت کو پایہ مضبوط کیا۔ دفتر سلطنت کو سب سے پہلے عربی زبان میں منتقل کیا اور اپنا سکہ[1] درہم و دینار قلمرو اسلام میں جاری کیا۔ چونکہ سلاطین میں شاہی خاندان کی تاریخ لکھنے کا دستور تھا مغازی کی طرف توجہ کی۔ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ کو جو حضرت عائشہؓ کے تربیت یافتہ اور سیرت نبوی کے خاص ماہر تھے خصوصیت کے ساتھ واقعات جمع کرنا شروع کیا۔ ایک خط میں عروہ کو لکھا کہ ابوسفیان کے حالات متعلق جنگ بدر لکھ کر بھیجو اس خط کا جواب طبری نے اپنی مشہور تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح اور دوسرے مراسلات کو بھی۔ یہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عروہ نے فن مغازی میں سب سے پہلی کتاب لکھی، اس کی اہمیت اسی قدر ہے۔ فقہ کے متعلق البتہ انہوں نے احادیث جمع کئے تھے مگر وہ ذخیرہ واقعہ حرہ میں ضائع ہو گیا جس کا انہیں ہمیشہ افسوس رہا[2]۔ اسی زمانے میں مشہور محدث زہری پیدا ہوئے جنھوں نے فن مغازی میں تصنیف کا سلسلہ قائم کیا۔ ذیل میں ان کے حالات مجملاً درج کئے جاتے ہیں۔

---

[1] بلاذری فتوح البلدان صفحہ ۲۴۰

[2] طبقات ابن سعد جز ۵ قسم صفحہ ۱۳۳

غرض کہ واقدی نقلِ روایت کے ایک دریائے ذخار تھے۔ لیکن ساتھ ہی سیرتِ پاک میں جس بے احتیاطی سے انہوں نے رطب و یابس روایات کو مخلوط کرکے واقعات تحریر کئے وہ ان کے دامنِ علم پر ایک بدنما داغ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ائمہ دین نے ان کو سخت الفاظ میں یاد کیا۔ امام احمد حنبل نے ان کو کذاب کہا اور امام بخاری نے متروک الحدیث۔ نسائی نے کہا کہ رسول اللہ پر جھوٹ بولنے والوں میں مدینہ میں واقدی تھے اور خراسان میں مقاتل بن سلیمان۔ حالانکہ مقاتل کو امام المفسرین کا بھی لقب دیا گیا ہے[1] جن کا انتقال سنہ ۱۵۰ھ میں ہوا۔

محدثین کا یہ فیصلہ جن وجوہ پر مبنی ہے ان کی تفصیل روایاتِ واقدی کے ضمن میں ہم اس کتاب میں بیان کریں گے۔ یہاں صرف ایک مثال دیتے ہیں۔

رسول کریم جب رومیوں کے اجتماع کی خبر سن کر سنہ ۹ھ میں تبوک واقع شام کی جانب گرمیوں کے موسم اور عسرت کی حالت میں بعزمِ جہاد روانہ ہوئے ہیں تو واقدی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا:

تَجَرَّدُوْا حَتّٰی اِلٰی	میرے ساتھ تبوک شام چلو
الشَّامِ لَعَلَّکُمْ تَغْنَمُوْا	شاید تمہیں رومی خوبصورت
بَنَاتِ الْاَصْفَرِ فَلَمَّا ذُکِرَ	لڑکیاں مل جائیں۔ بس جب
[illegible] الْمُؤْمِنَاتِ	رسول اللہ نے حسینانِ روم کا

---

[1] ابن خلکان وفیات الاعیان صفحہ ۲۰۰ جلد اول

[2] ابن خلکان صفحہ ۲۱ جلد دوم۔

الاصفر فذھب جد بن قیس — ذکر کیا ایک شخص جد بن قیس نامی

رجل من الانصار فقال — نے سے آ کر ہو کر کہنے لگا یا رسول

یارسول اللہ قد علمت — اللہ انصار کو معلوم ہے کہ میں

الانصار انی مغرم بالنساء — عورتوں کا بے حد شائق ہوں مجھے

وانی اخاف ان غزوت معک — ڈر ہے کہ بنی اصفر سے جہاد کو

فرایت بنات الاصفر ان — چلوں اور حسینان روم کو دیکھ کر

افتتن فاذن لی ولا — مبتلا ہو جاؤں آپ مجھے اجازت

تفتنی۱ — دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔

جہاد کی یہ تحریص کیا عہد وفا کی بوالہوسی اور عیش پرستی کی تصویر ہے یا اس رسول
برحق کی تعلیم کی جس نے صاف فرما دیا تھا:

من قاتل لتکون — جو اس لئے جنگ کرے کہ خدا کا

کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو — بول بالا ہو وہ درحقیقت۲

فی سبیل اللہ۲ — غازی ہے۔

یہی روایت ابن اسحاق نے محدث زہری اور عاصم بن عمر بن قتادہ کے
سلسلے سے بیان کی ہے جسے ابن ہشام اور طبری دونوں نے نقل کیا ہے۔
ذیل میں ابن اسحاق کی روایت ہم نقل کرتے ہیں، اب انصاف خود فیصلہ کریں۔

---

۱ لائف مغازی مطبوعہ لندن ۱۸۵۸ء صفحہ ۴۳۲

۲ بخاری و مسلم بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری

من قال علیّ ما لم — جس نے میری طرف وہ بات
اقل فلیتبوأ مقعدہ — لگا دی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا
من النار — ٹھکانہ دوزخ میں کر لے۔

کچھ غور نہ کیا!

واقدی کے انہیں اکاذیب باطلہ کے جھوٹے موتیوں کو مستشرقین نے ایک بیش بہا تاج بنا کر اپنی تحقیق کے سر پر رکھ لیا ہے مگر وہ یہ دیکھیں کہ واقدی کی آبرو ایسی ہی انو بیانیوں کے باعث گئی رہ سو برس ہوئے خاک میں مل چکی ہے اصل یہ ہے کہ جس طرح یورپ کے فلسفہ جدید کے "امام" بیکن نے امارت کے نشہ میں شرمناک اخلاقی کمزوری[1] دکھائی، اسی طرح قاضی بغداد واقدی نے حُبِّ جاہ میں اپنے دامنِ فضل کو کذب سے آلودہ کر دیا۔ وہ امام ابو حنیفہ نہ تھے جنہوں نے قید میں جانا گوارا کیا مگر عہد منصور عباسی میں عہدۂ قضا قبول نہ کیا۔ انہوں نے اپنی وسعت معلومات سے جو بے جا فائدہ اٹھایا اور امیر المومنین فی الحدیث[2] کا لقب حاصل کیا، مگر امیر المومنین کا لقب اگر مروان ابن الحکم اور ابو العباس سفاح کو بھی دیا گیا تو کیا وہ اس درجے پر پہونچ گئے جو امیر المومنین عمر ابن عبد العزیز کو حاصل ہوا تھا۔

واقدی کی بے اعتباری کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اُس زمانے میں جبر و قدر کے جھگڑے اور خلق قرآن کی بحث نے ایک عجیب طوفان مخالفت و عداوت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد سوم صفحہ ۱۰۳۱ [2] تہذیب التہذیب ابن حجر صفحہ ۳۶۵ جلد نہم

بنا دیا تھا۔ واقدی، مامون الرشید کے مقرب تھے جس نے مسئلہ خلق قرآن کو
بزور پھیلانا چاہا۔ امام احمد حنبل اس کے سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ اس
معاملے میں کوڑے بھی کھائے، اس لئے امام موصوف کا واقدی کو کذاب کا لقب
دینا کچھ تعجب خیز نہیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ واقدی تو اس قدر نامعتبر لیکن ان
کی روایات جب اُن کے کاتب محمد ابن سعد جو طبقات کے مشہور مصنف ہیں،
نقل کرتے ہیں تو اس لئے کہ ابن سعد ثقہ اور حافظ متبحر مانے جاتے ہیں سند قبول
حاصل کر لیتی ہیں۔ ہم اس کتاب میں ان روایات کا ذکر کریں گے اور یہ دکھائیں
گے کہ ابن سعد کی طبقات میں جگہ پانے سے وہ روایات معتبر نہیں ہو گئیں،
جیسا کہ عام خیال ہے اور مخالفین اسلام اس سے فائدہ اٹھا کر سنداً پیش کرتے ہیں
اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ امام احمد حنبل نے جو ہر جمعہ کو ابن سعد
سے حدیث واقدی کے دو جزء مستعار لے کر پڑھتے تھے اور دوسرے جمعہ کو
واپس کر دیا کرتے تھے جب خود اپنی مسند تیار کی جو اب چھ ضخیم جلدوں میں چھپ
گئی ہے تو ترتیب دی جس میں ہر قسم کی روایات جمع کر دیں جن کو مخالفین اسلام سنداً
پیش کر کے آں حضرت پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اموی اور عباسی دربار کے مقربین
قبول یا رد کر دیں۔ اگر کوئی روایت قرآن کی روشنی میں صحیح نظر نہ آئے معتبر نہیں کہی جا سکتی

۳۔ ابن جریر الطبری

ابو جعفر محمد بن جریر طبرستان کے کوہستانی مقام آمل
میں ۲۲۵ھ / ۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم

۱؎ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۲، جلد نہم
۲؎ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۳، جلد نہم

کے شوق میں وطن سے نکل کر بغداد میں جو اس زمانے میں دنیائے اسلام کا
پایۂ تخت اور علم و ہنر کا مرکز تھا وارد ہوئے پھر شام و مصر کا سفر کیا اور حدیث
تفسیر فقہ اور تاریخ میں خاص طور سے کمال حاصل کیا۔ طالب علمی کے زمانے
میں اگرچہ ان کے والد وطن سے مالی امداد بھیجتے تھے لیکن ایک مرتبہ رقم پہنچنے
میں دیر ہوئی، تنگ دستی نے ستایا، غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ کسی سے قرض حاصل
کریں، پیرہن فروخت کر کے قوت لایموت حاصل کی۔ آخر تکلیف کا زمانہ گزر گیا۔ وہ
عبیداللہ ابن یحییٰ وزیر متوکل عباسی کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہوئے، کچھ عرصے
تک بغداد میں رہے لیکن جب وزیر مذکور پر زوال آیا تو مصر پہنچے اور ایک مدت
تک سیر و سیاحت اور تکمیل علوم کے بعد چالیس سال کی عمر میں بغداد واپس آگئے
اور بقیہ عمر خدمت دین درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف کر کے ۳۱۰ھ
۹۲۲ء میں وفات پائی۔ تاریخ الامم اور تفسیر ابن جریر دونوں ضخیم اور مبسوط تصانیف
اُن کے بے مثل علمی کارنامے ہیں جو قیامت تک یادگار رہیں گے۔

طبری کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہے۔ ابن خلدون نے اُن کی تاریخ کو اصح
التاریخ کا لقب دیا ہے۔ نقل روایات میں نہایت ثقہ تھے۔ ہر روایت سلسلۂ
اسناد اور متعدد طرق کے ساتھ نہایت احتیاط سے نقل کی گئی ہے۔ یہ روایات
تاریخ سے زیادہ اصلی دستاویزوں کا ایک بیش بہا مجموعہ ہیں جن کو طبری نے
نہایت دیانت داری سے اہل نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب علم اسماء رجال
کی مدد سے جو فن تنقید کا ایک بیش بہا اسلامی کارنامہ ہے فیصلہ ہو سکتا ہے لیکن دیکھو

لیکن چونکہ متاخرین نے سلسلۂ اسناد کو متکلف سمجھ کر حذف کر دیا اس لئے ضعیف روایات میں تمیز مشکل ہو گئی اب اگر کتب تاریخ و سیر میں آں حضرت کے متعلق غلط روایات بحوالہ طبری درج ہیں تو بالعموم مستند مانی جاتی ہیں حالانکہ خود طبری نے سلسلۂ اسناد کی روشنی میں ان کی غلطی ظاہر کر دی تھی -

طبری نے عمر کے ۸۶ مرحلے طے کر کے سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ اُن کے دفن کا واقعہ افسوسناک ہے۔ اپنی مشہور تاریخ میں انہوں نے امام احمد حنبل کی مدح و ثنا نہیں کی تھی، اس پر حنبلیوں نے جن کا اُس وقت بغداد میں بڑا زور تھا جنازہ اٹھنے نہ دیا۔ آخر دوستوں نے خاموشی سے پوشیدہ دفن کیا۔

بغداد اس زمانے میں فرقہ بندیوں کے فتنے میں مبتلا تھا۔ مامون رشید اور اس کے دو جانشینوں کے عہد میں معتزلہ کو عروج ہوا جنہوں نے مسئلہ خلق قرآن میں دوسرے فرقوں خاص کر حنبلیہ پر بڑی سختی اور زیادتی کی۔ لیکن جب متوکل عباسی مسندِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے معتزلہ کی قوت کو توڑ دیا، اور اسی کے ساتھ شیعوں پر ظلم و ستم ہونے لگا۔ متوکل کو بنی فاطمہ سے عداوت تھی اس نے سید الشہداء حضرت امام حسین کے مزار پرانوار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس پر نہر نکالی۔ اس کے آخر عہد میں ایک حسنی سید حسن بن زید نے جو داعی کبیر کے نام سے مشہور ہے طبرستان کو سنہ ۲۵۰ھ میں فتح کر کے شیعی طریق کو رواج دیا۔ محدث طبری چونکہ وہیں کے متوطن تھے اور چونکہ خود صاحب اجتہاد اور فضل و کمال میں یگانۂ عصر تھے مقلدین نے اُن پر تشیع کا الزام لگایا جس کی رو میں

ہو گئے تو فریقین کے سلف صالحین کے قدیم ماخذوں کو دیدۂ حق بین سے دیکھ کر سیرت پاک پر قلم اٹھانا چاہیے۔

محدثین اور مفسرین کی قدیم تصانیف

مغازی اور سیر کے مذکورۂ بالا قدیم ماخذوں کے علاوہ محدثین اور مفسرین کی قدیم تصانیف میں بھی آں حضرت کے حالات جستہ جستہ مذکور ہیں جن سے سیرت پاک پر روشنی پڑتی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی، کتاب التفسیر خصوصاً اور دیگر ابواب کی اکثر روایات ارباب مغازی و سیر کی بعض غلط بیانیوں کی تصحیح کرتی ہیں۔ (تفصیل آگے آئے گی) اسی طرح کافی کلینی کی کتاب الحجہ خصوصاً اور دیگر ابواب کی بعض روایات جو اہل بیت اطہار کے سلسلے سے رسول اللہ تک پہونچتی ہیں اس کمی کو پورا کرتی ہیں جو زیادہ تر سنی وجوہ سے اس سلسلۃ الذہب کو نظر انداز کرنے میں اختیار کی گئی تھی۔

طبری کی تاریخ کی طرح ان کی مشہور تفسیر بھی قدیم تفاسیر میں اپنی آپ نظیر ہے محدث نووی لکھتے ہیں کہ امت کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ تفسیر طبری کی طرح کوئی تفسیر تصنیف نہیں ہوئی۔ ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ اگر کوئی تفسیر ابن جریر کی تحصیل کے لیے چین کا سفر کرے تو بڑی بات نہیں ہے۱؎ حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر اُن کی مشہور تاریخ کی طرح قدیم روایات کا [illegible] ایک نادر مجموعہ ہے اور بقول سیوطی اجل التفاسیر ہے جیسی احادیث کی طرح تفاسیر میں بھی سیرت نبوی کے

۱؎ کشف الظنون صفحہ ۳۰۲ جزو اول

متعدد سیکڑوں غلط اور بے بنیاد روایات ائمہ دین کی طرف منسوب کر کے مشہور کر دی گئی ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباس سے جن کا لقب ترجمان القرآن ہے جو تفسیر منقول ہے اس کے بہت سے سلسلے ہیں۔ جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبہ اور بعض بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ صحیح سلسلہ علی ابن ابی طلحہ ہاشمی (المتوفی سنہ ۱۴۳ھ) سے منقول ہے جس پر بخاری نے اعتبار اور استناد کیا ہے اور جس کو شاہ ولی اللہ نے فتح الخبیر میں مندرج کیا ہے لیکن جو سلسلہ ابو النضر کلبی (جس نے سنہ ۱۴۶ھ میں وفات پائی ہے) بشمول روایت سدی صغیر منقول ہے اور اسی طرح مقاتل ابن سلیمان کا سلسلہ موضوع اور جھوٹا ہے۔[1] اصل یہ ہے کہ آں حضرت کی حیات میں منافقین اور یہود تہمتیں تراشا کرتے تھے اور جھوٹی روایات مشہور کرتے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ مذکور ہے۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ فاسد مادہ زیادہ زہر پھیلانے لگا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ فتح شام میں یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں کا ذخیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ لگا تو اہل کتاب کے قصص و روایات کا پردہ کلام الٰہی کی روشن آیات پر پڑنے لگا اور جس طرح انبیائے بنی اسرائیل کے متعلق سیکڑوں غلط اور بیہودہ روایات منقول تھیں آں حضرت کے متعلق بھی مشہور ہونے لگیں۔ مثلاً قصہ داؤد و زوجہ اوریا کی طرح آنحضرت اور ام المومنین زینب کے واقعہ کے متعلق روایات کاذبہ مشہور ہونے لگیں۔ اسی طرح یہود کی سرگذشت کے

---

[1] مقدمہ فتح البیان جزو اول صفحہ ۶

[2] یہ سن [illegible] دیکھو صفحہ ۳۶

متعلق جس کا ذکر آگے آئے گا خلفائے راشدین نے اگرچہ اس فتنے کو بہت روکا مثلاً
سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے منادی کر دی تھی کہ مسلمانو
ہیں جو شخص حضرت داؤد کی روایت اس طور سے بیان کرے جس طرح قصہ گو ذکر کرتے
ہیں تو میں اُس کو کوڑے ماروں گا لیکن جب بنی امیہ کا زمانہ آیا اور دنیاوی عروج
کے ساتھ دینی تنزل شروع ہوا تو دشمنوں کی مراد بر آئی اور اسرائیلیات[1] اور
روایات کاذبہ کی سیاہی پھیل گئی جو آج تک تفسیر میں نظر آتی ہے۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن صرف ایک صحیفہ جس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا
آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی نورانی شعاعوں
کے سامنے وہ تمام ضعیف اور بے بنیاد روایات جو خواہ مغازی و سیر میں ہوں خواہ
فریقین کی احادیث و تفاسیر میں کتان کی طرح تار تار ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ نورانی
کسوٹی ہے جو مدعیانِ تحقیق سے یوں گویا ہے ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں
تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ	بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے
وانا لنعلم ان منکم مکذبین	نصیحت ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں بعض لوگ
وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	اس کو جھٹلاتے ہیں اور بے شک یہ کافروں کو
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ۔	حسرت دلانے کا اور بے شک یہ پورا یقینی ہے

---

[1] دیکھو ہماری کتاب قصص الحق جس میں اسرائیلیات پر تفصیل سے بحث ہے۔

پھر جب بتانِ آذری کی تعظیم و پرستش اس قسم کی دیکھی جو فاطِرُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ کے شایانِ شان تھی تو پہلے نافہموں کو سمجھایا لیکن جب انہوں نے کورانہ تقلید نہ چھوڑی تو اپنے وطن اور کلدانیاں سے ہجرت کی اور سرحد شام و عرب کے بیاباں میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کی۔

قدیم قربان گاہیں

لیکن جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے خدائے واحد کی جس طور پر پرستش کی اس کو توریت نے یوں بیان کیا ہے۔

"تب خداوند نے ابراہیم کو جلوہ دکھا کر یوں کہا، یہ ملک تیری نسل کو دوں گا۔ اور اس نے وہاں (میدان مورہ) میں خداوند کے لئے جو اس پر ظاہر ہوا تھا، ایک قربان گاہ بنائی ...... پھر وہاں سے کوچ کر کے ابراہیم نے ایک پہاڑ پر جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں خدا کے نام پر ایک قربان گاہ بنائی اور خدا کا نام لے کر پکارا۔"

(توریت کتاب پیدائش باب ۱۲ آیات ۷ و ۸)

قربانی اصل میں معبود سے تعلق پیدا کرنے کا قدیم ترین عملی اظہار ہے جو انسان کے فطری جذبات خوف و رجا پر مبنی ہے۔ تاریخ مذہب میں مشرک اور موحد کی قربانی بحیثیت فعل گو یکساں نظر آتی ہے لیکن نیت اور معبود سے

لہ سورۃ انبیاء

تعلق کی نوعیت سے فرق مراتب پیدا کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر
دیا ہے اس کی حقیقت ہم اس کتاب میں "حج بیت اللہ" کے عنوان کے تحت
میں بیان کریں گے۔ یہاں اس قدر اشارہ کافی ہے کہ دنیا میں ہزاروں اس قسم کے
اشباہ ہیں۔ عارف رومؒ نے خوب کہا ہے ؎

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل — زیں یکے شد نیش و زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب — زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکِ ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور — آں یکے خالی و آں پُر از شکر
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — آب تلخ و آب شیریں را صفاست

جز کہ صاحب ذوق نشناسد شراب
او شناسد آب خوش از شورہ آب

ترجمہ: (۱) بھڑ اور شہد کی مکھی دونوں نے ایک ہی پھول کا رس لیا
مگر ایک سے ڈنک بنا اور دوسرے سے شہد۔
(۲) دو قسم کے ہرن نے گھاس کھائی اور پانی پیا مگر ایک سے مینگنی
بنی اور دوسرے سے مشک۔
(۳) دونوں نے ایک ہی پانی سے سینچے گئے مگر ایک خالی ہے (نرسل)
اور دوسرے میں شکر ہے (گنّا)
(۴) ہو سکتا ہے کہ دو صورتیں آپس میں مشابہ ہوں کھاری اور میٹھا

؎ مثنوی دفتر اول۔

پانی دونوں میں صاف ہے۔

(۵) مگر چکھنے والا ہی بتا سکتا ہے کہ میٹھا کون ہے اور کھاری کون ہے!"

حضرت ابراہیمؑ کے بعد آپ کے بیٹے اسحاقؑ نے بیر شبع میں، اور پوتے یعقوب نے بیت ایل میں اسی طرح قربان گاہیں بنائیں۔ توریت میں لکھا ہے۔

"یعقوب علی الصباح اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے تکیہ کیا تھا لے کر ستون کی مانند کھڑا کیا ...... اور یہ پتھر جو میں نے ستون کے مانند کھڑا کیا بیت ایل یعنی خدا کا گھر ہوگا۔"

(پیدائش باب ۲۸)

یہ وہ موقع ہے جب حضرت یعقوب بیر شبع سے روانہ ہو کر حران کی طرف چلتے ہیں۔ ایک شب کو خواب میں ایک سیڑھی آسمان سے زمین تک لگی ہوئی دیکھتے ہیں، فرشتے اترتے چڑھتے نظر آتے ہیں، اور خدا اپنے جلوہ دکھا کر ان کو بشارت دیتا ہے۔ (یہ واقعہ معراج یعقوب کہلاتا ہے)

بیت المقدس ذریت یعقوب یعنی بنی اسرائیل جب فرعون کے پنجے سے نجات پا کر مصر سے نکلے تو حضرت موسیٰ نے جن کو خدا سے احکام ملنے کے بعد اپنے بزرگوں کے اتباع میں پہاڑ کے نیچے قربان گاہ بنائی، اور بنی اسرائیل کے بارہ سبطوں کے شمار کے موافق بارہ ستون نصب کئے، پھر قربانی کا خون نصف قربان گاہ پر اور نصف کتاب معاہدہ

پڑھنے کے بعد حج پر تبرک دیا۔ آپ کے جد بنی اسرائیل نے مختلف مقامات[۲]
پر جن میں شکیم اور بیت ایل زیادہ مشہور ہیں بیسیوں معبد بنائے۔ یہاں تک کہ حضرت
سلیمان ابن داؤد نے بیت المقدس کی عالی شان عمارت تعمیر کی اور پھر یہی
مقام قربان گاہ خدا کا گھر اور بنی اسرائیل کا قبلہ قرار پایا۔

حضرت اسمٰعیل اور اُن کی ذریت

اب حضرت اسمٰعیل اور اُن کی ذریت کے حالات سنو۔ آپ
حضرت ابراہیم کے فرزند اکبر بطن ہاجرہ مصریہ سے پیدا ہوئے لیکن ابراہیم کی
پہلی بی بی سارہ سے جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو عورتوں میں سوکنے
سوتیلے اور خاندانی اور غیر خاندانی کے جھگڑوں نے حضرت ابراہیم کو پریشان
کر دیا تب آپ اسمٰعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو گھر سے نکال کر ایک دور مقام
پر لے گئے۔ توریت کتاب پیدائش باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ

جب بیابان میں چھوڑے ہوئے حضرت اسمٰعیل تشنگی سے
قریب المرگ ہوگئے تو خدا نے ہاجرہ کو بشارت دی اور ان کو وہاں
ایک چشمہ نظر آیا۔ اور وہ دونوں وہیں آباد ہوگئے۔

اصل متن توریت عبرانی یہ ہے

ویہی موشباو او بمدبر [illegible]
نختر ویحبس ویشد وہ برامو ورب بیابان میں

۱ ؎ بیت معبد تاریخ [illegible] ۲ ؎ دیکھو [illegible] صفحہ [illegible]

سنگ سود جو بطور نشان قائم کیا گیا تھا کعبے کے شرقی اور شمالی گوشے میں لگا ہوا ہے۔ ازرقی اپنی مشہور کتاب اخبار مکہ میں محمد بن شیبی سے نقل کرتے ہیں:

لَمَّا أَمَرَ اِبْرَاهِیمَ	جب ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا
اَنْ یَبْنِیَ الْبَیْتَ وَانْتَهَی	گھر بنا دے اور جب وہ بناتے
اِلَی مَوْضِعِ الْحَجَرِ	بناتے وہاں پہونچے جہاں اب
قَالَ لِاِسْمٰعِیلَ اِئْتِنِی	حجر اسود ہے تو انہوں نے اسمٰعیل
بِحَجَرٍ لِیَکُوْنَ	سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ وہ
عَلَمًا لِلنَّاسِ یَبْتَدِئُوْنَ	لوگوں کے لیے ایک نشانی ہو
مِنْهُ الطَّوَافَ۔	اور اسی سے طواف شروع کیا
(صفحہ ۲۹)	کریں۔

بیت الحرام

حضرت اسمٰعیل کو خدا نے بارہ بیٹے عطا کئے۔ توریت میں ان کو بارہ شہزادے کے لقب سے یاد کیا ہے جن میں نابت اور قیدار خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کی ذریت پھیل کر رفتہ رفتہ عرب کے مختلف صوبوں حجاز، یمن، نجد وغیرہ میں برسر اقتدار ہو گئی۔ گو یہ لوگ اپنے اصلی مستقر سے دور ہو گئے لیکن معبد ابراہیمی کی کشش وہی رہی، حرم حج میں دور دراز مقامات سے زائرین جوق جوق قربانیاں لئے ہوئے آتے، ڈالیاں بندھی جاتی تھیں، اور لوگ منی اور [illegible] کے ساتھ بکمال محبت و عقیدت

---

۱ پیدائش ۲۵

ان کا نام عمرو تھا لیکن ہاشم کہلاتے تھے، عربی میں چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہیں،
فیاضی اور دولت کے ساتھ ان کو دل بھی دیا تھا اور قوم ان کی خوبیوں پر شیفتہ
تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے، انہیں کے بھتیجے امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف
کو ان سے حسد کی خلش پیدا ہوئی۔ دولت کے نشے میں اس نے چچا کو چیلنج دیا،
یعنی منافرہ چاہا، جس کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین اپنے اپنے مفاخر کا ثبوت دیتے
تھے، پھر ایک حکم فیصلہ کرتا تھا۔ ہاشم نے پہلے بھتیجے کے مقابلے میں آنا پسند نہ
کیا، لیکن جب تماشا پسند قریش نے اصرار کیا تو مجبوراً یہ شرط کی کہ ہارنے والا
پچاس سیاہ چشم اونٹ دے اور دس برس کے لئے جلاوطن ہو جائے۔
غرض قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن حکم مقرر ہوا، مقابلہ شروع ہوا۔ امیہ کو
شکست ہوئی، اور وہ بازی ہار کر اپنے حسد کی آگ میں جلتا ہوا شام کی طرف
چلا گیا، اور ہاشم نے وہ پچاس اونٹ ذبح کر کے قوم کی شاندار دعوت
کی۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہاشم اور امیہ کی مخاصمت کا اثر ان دونوں کے
خاندان میں صدیوں باقی رہا جیسا کہ نقشے سے معلوم ہوگا۔

[illegible] طبقات ابن سعد جزو اول صفحہ ۴۳، ۴۴ و طبری جزو ثانی
[illegible]

عبد مناف
عبد شمس
ہاشم
مطلب
نوفل
امیہ
عبد المطلب
ابو العاص
حرب
عبد اللہ
ابو طالب
حضرت حمزہ
حارث
ابو لہب
حضرت عباس
حکم
عفان
ابو سفیان
حضرت محمد
مروان
حضرت عثمان
امیر معاویہ
حضرت فاطمہ
حضرت علی
یزید
حضرت امام حسین
حضرت امام حسن
دولت امویہ
سادات بنی فاطمہ
دولت عباسیہ

جب سن شریف پینتیس سال کا ہوا تو مکہ میں ایک قضیہ پیش آیا جس کو اگر آپ کی عقلِ سلیم فیصلہ نہ کرتی تو کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا۔ کعبہ کی عمارت منہدم ہو چلی تھی۔ قریش نے از سرِ نو تعمیر شروع کی لیکن جب سنگِ اسود رکھنے کا وقت آیا تو یہ جھگڑا پیدا ہوا کہ کون شخص اس کو اٹھانے کا شرف حاصل کرے۔ آخر قرار پایا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے آئے اُس پر فیصلے کا انحصار ہو۔ دوسرے دن صبح کو آنحضرت پہلے تشریف لائے۔ اور یوں فیصلہ کیا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک سردار منتخب ہو۔ پھر ایک چادر بچھا کر سنگِ اسود اس میں رکھا اور منتخب شدہ سرداروں سے فرمایا کہ چادر کے کونے کو تھام کر اوپر اٹھائیں جب چادر موقع کے قریب آئی تو آپ نے سب کی طرف سے نیابتاً دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر نصب کر دیا۔

ابنِ اسحٰق کا بیان

اس عمر سے چالیس سال تک وہ دُرِ یتیم عہدِ جاہلیت کے صدف میں رہا۔ لیکن اس کی خوبیاں اس وقت بھی چھپائے نہ چھپتی تھیں۔ ابنِ اسحٰق نے اس وقت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے

فشب رسول اللہ صلی	نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم واللہ	جوان ہوئے اور اللہ ہر ایک
تعالیٰ یکلؤہ ویحفظہ	شر و فساد سے آپ کی حفاظت

لہ ابن ہشام صفحہ ۱۸

نزولِ وحی سے ہجرت تک

کائنات ایک قفلِ ابجد

قفل کے تین حرف ق ف ل کو کسی شے سے تشبیہ نہ ہے، لکھتے ہیں نہ کسی قسم کی مشابہت ہے نہ مناسبت لیکن جب یہ لفظ لکھا جاتا ہے، تو پڑھنے والے کا ذہن اسی شے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کائنات بھی اسی طرح ایک قفلِ ابجد ہے جسے علیم الحکیم نے معانی و اسرار کے خزانوں پر لگا دیا ہے۔ یہ قفل اُن قدسی نفوس کے لئے کھلتا ہے جو وحی کی روشنی میں دل کی زبان سے ان معانی نقوش کو پڑھتے ہیں لیکن جس طرح ایک بے بحث جاہل کو یہ سمجھانا سخت مشکل ہے کہ ق ف ل سے مراد آلۂ [illegible] ہے اسی طرح ظاہر بیں منکر روحانیت کو یہ یقین دلانا سخت دشوار ہے کہ مظاہر کائنات کے پردے میں کلماتِ الٰہی کا جلوہ نظر آتا ہے جس کے دیکھنے کے لئے دیدۂ بینا چاہیے اور جس کے یقین کے لئے قلبِ سلیم درکار ہے۔

واقعات اور حوادث عام تماشائی تو بھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن بعض گنتی کے ایسے نفوس ہیں جن پر کسی خاص وقت میں ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ حقیقت سے آشنا ہو کر نوعِ انسانی کو ترقی کی راہ پر لاتے ہیں۔

نیوٹن

لاکھوں آدمیوں نے سیب کو درخت سے گرتے دیکھا ہوگا لیکن نیوٹن نے [illegible] اس واقعہ سے کشش کا [illegible]

ہے یعنی جو نسبت وحی کے تین حرفوں کو اس کے معنی سے ہے وہی تعلق ان مظاہر کو حقیقت سے ہے۔ شعلۂ آتشیں ہو یا کبوتر کی صورت یا شکل انسانی یہ سارا اہتمام حقیقت بیں نگاہوں کے لیے ہے جو اسی کے لئے خلق ہوئے تھے اور جنہوں نے اس نظارے کو دیکھ کر اور آوازِ غیب سن کر اپنا فرض رسالت ادا کر کے نوعِ انسان کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔

نزول کی کیفیت

اصل یہ ہے کہ وحی ایک فیضانِ الٰہی ہے جس کے دائرے میں فرقِ مراتب کے ساتھ ادنیٰ مخلوق سے اشرف المخلوقات تک سب شامل ہیں۔ زمین و آسمان اس سے مستفیض ہوئے۔ شہد کی مکھی اسی فیض سے ہدایت پذیر ہو کر مسدسی شکل کا چھتہ بنا کر شہد جمع کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ اسی کے سہارے اپنے نوزائیدہ لختِ جگر کو امواجِ نیل کے سپرد کرتی ہیں۔ حضرت مسیح کے حواری اسی کے اثر سے پیغمبر کے دل و جان کو ہمدم کر دیتے ہیں۔ وحی کے یہ مختلف مراتب قرآن مجید میں یوں مذکور ہیں:

(۱) وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (سورۂ فصلت)

(۲) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (سورۂ زلزال)

(۳) وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ (سورۂ نحل)

(۴) وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي (سورۂ قصص)

(۵) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ

وحی کے متعلق قدیم مذاہب میں مختلف خیالات ہیں۔ روایاتِ یہود میں خدا اپنی انگلیوں سے الواح پر احکام عشرہ نقش کر کے موسیٰ کو دیتا اور روبرو گفتگو کرتا ہے نصاریٰ کے نزدیک مسیح خود ہی ابن اللہ تھے اور ثالث ثلثہ۔ اس لئے وحی زبانہ آتشیں کی شکل میں حواریوں پر نازل ہوئی اور وہ رُوحِ قدس سے بھر گئے۔ مگر قرآنِ پاک نے تجسیم کے اس طلسم کو توڑا اور صاف سُنا دیا:-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ	اور آدمی کا یہ حوصلہ نہیں کہ اللہ
يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا	اُس سے کلام کرے مگر وحی کے
اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ	ذریعے سے یا پردے کی آڑ سے
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ	یا وہ یک پیغام پہونچانے والا
بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ	بھیجتا ہے وہ اس کے حکم سے
عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔	جو کچھ منظور ہے پہونچاتا ہے بیشک
(سُورۂ شوریٰ)	وہ برتر حکمت والا ہے۔

وہ یگانہ و بےچون جو جسم و جسمانیت سے منزہ اور فہم و ادراک سے ارفع و اعلیٰ ہے کسی بشر سے خواہ وہ موسیٰ کلیم اللہ ہوں یا عیسیٰ روح اللہ یا محمد رسول اللہ اس طور سے کلام نہیں کرتا جس طرح انسان آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اس کا کلام جو حرف و آواز سے منزہ ہے قلب صافی پر نقش ہوتا ہے دیدۂ دل اس کو پڑھتا ہے اور گوش باطن اس کو سُنتا ہے۔

ایجاد ہوئی۔ اس فن کے آلۂ اظہار یعنی قلم کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے

القلم لسان الید وسفیر	قلم ہاتھ کی زبان ہے، دل کا
الضمیر ومستودع الاسرار	ایلچی اور بھیدوں کا ظاہر کرنے
ومنبئ الاخبار وحافظ	والا اور خبروں کا پھیلانے والا اور
الآثار۔	نشانوں کا حفاظت کرنے والا

حقیقت یہ ہے کہ [illegible] انتظام الٰہی میں قلم جس طرح دست کاتب میں جنبش کر کے اس کے معانی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے یہ قدسی نفوس بھی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کا جلوہ دکھا کر پیغام الٰہی سناتے ہیں!

فترۃ الوحی

عام روایت ہے کہ نزول اقرأ کے بعد تین برس تک وحی بند رہی۔ پھر سورۂ مدثر کا نزول ہوا، اور آپ نے تبلیغ شروع کی۔[1] لیکن اکثر روایات میں دو برس اور بعض میں چھ ماہ مذکور ہیں۔ تفسیر ابن جوزی اور معانی زجاج میں پندرہ دن، تفسیر مقاتل میں تین دن اور حضرت عباس سے صرف ایک دن مروی ہے۔ علما نے ان اقوال مختلفہ میں تطبیق کی یوں کوشش کی ہے کہ ابتداءً آپ نبوت کے درجہ پر تھے پھر رسالت اور قوم میں تبلیغ و انذار کا شرف عطا ہوا لیکن ابن اسحٰق نے مدت کا تعین مطلق نہیں کیا ہے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ وحی کچھ دن بند رہی، آپ محزون تھے کہ سورۂ والضحیٰ کا نزول ہوا جس میں آپ کو تسلیت دی گئی۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى یہ باطل محض ہے۔

۱؎ زرقانی جلد اول صفحہ ۲۱۰ ۲؎ ابن ہشام جزو اول صفحہ ۱۳۴

علماء نے اس عظیم الشان تاریخی انقلاب پر جو اس زمانے میں عرب کے چاروں جانب پیش آیا اور جس کا اثر یقیناً عرب میں بھی محسوس ہوا جیسا کہ سورۂ روم سے واضح ہوتا ہے، غور نہیں کیا ورنہ آغاز رسالت کی تاریخ پر روشنی پڑتی۔

آغاز رسالت کی تاریخ

روم و عجم ابتدا سے ایک دوسرے کے دشمن رہے ہیں اور ہر قرن میں خونخوار جنگوں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ آنحضرت کی بعثت کے بعد خسرو پرویز نے قیصر ماریس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے سنہ ۶۰۳ء میں سلطنت روم پر چڑھائی کی اور کئی سال کے معرکوں کے بعد سنہ ۶۱۱ء میں شام فتح کر لیا اور پھر تین سال کے اندر فلسطین کو زیر و زبر کر کے بیت المقدس کو جو نصاریٰ اور یہود دونوں کے ہاتھوں دوسری مرتبہ ویران ہو چکا تھا برباد کر دیا۔ مورخ گبن نے اس واقعہ کی تصویر یوں کھینچی ہے:

> بیت المقدس کی فتح جس کا تذکرہ نوشیرواں نے کیا تھا اس کے بعد کے جوش اور حرص سے حاصل ہوئی۔ دین عیسوی کی سب سے بڑی کرامات کا نابود کرنا تباہی مجوس کے متعصبانہ جوش و خروش کا نتیجہ تھا اور اس دینی لڑائی میں چھبیس ہزار یہودی جن کی بزدلی اور بد دیانتی ان کی قوت قلبی سے بڑھی ہوئی تھی شریک ہو گئے۔ آخر بیت المقدس مفتوح ہو گیا۔ مزار مسیح، قسطنطین اور ہیلینا کے شاندار گرجا شعلہائے آتش میں فنا ہو گئے، تین سو سال کے [illegible] ایک برباد کرنے والے دن کے اندر تاراج ہو

گئے۔ اسقف اعظم زکریا اور اصل صلیب کو ایران لے گئے اور نوے ہزار پیروان مسیح ان یہود اور اعراب کے ہاتھوں جو لشکر عجم کے ہمراہ تھے خاک و خون میں مل گئے۔ (زوال روم جلد پنجم صفحہ ۲۰)

اس طور سے بیت المقدس تیسری مرتبہ تباہ ہوا اور بار بار کی ناشکریوں کی پاداش میں آل اسحٰق عاق ہو گئی۔ اب وقت آیا کہ رب الافواج رب العالمین کے لقب سے آل اسمٰعیل کی طرف متوجہ ہو اور بیت اللہ انوار الٰہی سے معمور ہو۔ وہ خدا جس نے وادی ایمن میں آگ کے پردے سے حضرت موسیٰ کو پکارا تھا اب اس کا جلوہ سدرۃ المنتہیٰ سے بشکل جبرئیل ظاہر ہوا۔ حضرت موسیٰ چرواہے کا عصا ہاتھ میں لئے تھے حکم آیا اپنا عصا پھینک اور قدرت خدا کا تماشا دیکھ کہ کس طرح فرعون کی فرعونیت غارت ہوتی ہے اور تیری قوم بند غلامی سے آزاد ہوتی ہے۔ رسول کریم انقلاب عالم سے اوڑھے لپیٹے پڑے تھے حکم آیا اٹھ نعرۂ تکبیر بلند کر پھر دیکھ کہ کس طرح شرک جلی و خفی کی ہر ایک عمارت خاک میں مل جاتی ہے اور عالم میں توحید کا ڈنکا بجتا ہے۔

یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

یہ ہے آغاز رسالت کی تاریخ کی تشریح جس کو ہمارے راویوں نے اپنی وہم پرستی کی دھن میں کیا سے کیا نقل کر دیا اور کہنے لگے کہ جبرئیل کی ہیبت و غریب شکل دیکھ کر آنحضرت ڈر جاتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ کے پاس جو عیسائی تھے لے جاتی ہیں وہ کہتا ہے قدوس قدوس یہ فرشتہ تھا۔ تب آپ کا ڈر کم ہوتا ہے پھر

دوبارہ جبرئیل نظر آتے ہیں ایک ایسی کرسی پر جو زمین سے آسمان تک بچھی ہوئی ہے آپ پھر ڈر جاتے ہیں، اور کانپتے ہوئے گھر آتے ہیں اور فرماتے ہیں زملونی زملونی مجھے اُڑھاؤ۔ یہ روایات اگرچہ احادیث و سیر میں نقل ہو گئیں لیکن اصل میں یہ زہری کے بلاغات سے ہیں جن کا سلسلہ منقطع ہے۔ نامیان خدا عجیب و غریب شکلوں سے نہیں ڈرتے۔ کائنات کی کوئی شے انہیں مرعوب نہیں کر سکتی وہ فرض رسالت کی نازک ذمہ داریوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ عظمت و جلال خداوندی کے تصور سے لرزتے ہیں پھر خدا خود تسکین دیتا ہے اور اس کا کلام روح امین قلب پر اتارتے ہیں۔[1]

تبلیغ دین

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نزول وحی کے بعد سب سے پہلے نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ حضرت علیؓ جو بچپن سے آپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پا رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جو ابتدائے عمر سے آپ کے امین دوست تھے اور حضرت زید بن حارثہؓ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے۔ وہ سابقین اولین ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لا کر خدائے واحد کی عبادت میں سرنیاز جھکانے لگے[2] سورہ فاتحہ جسے "اُمّ الکتاب" اور "سبع المثانی" کا لقب ملا۔ انہیں ایام میں نازل ہوئی تھی۔ اگرچہ اس کی نزول کی تاریخ کے متعلق اختلاف ہے لیکن قول ارجح یہ ہے کہ اگرچہ سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں لیکن سب سے پہلے جو کامل

۱؎ سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۱ ۲؎ ابن ہشام جزو اول صفحہ ۲۱۳

سورت نازل ہوئی وہ یہی سورہ فاتحہ ہے۔ کیوں کہ واقعات شاہد ہیں کہ اسلام میں
نماز بغیر اس سورت کے پڑھے ہوئے کبھی ادا نہیں کی گئی۔

سورۂ فاتحہ دین کامل کی عمارت کا سنگ بنیاد

سُورۂ فاتحہ کے لطائف ہے جس میں سات آیات ہیں جو حمد و ثنا

تمجید و استعانت، انابت، اور دعا پر شامل ہیں۔ ابتدائی دو آیات یہود و
نصاریٰ کی تنگ خیالی اور غلط فہمی کی اصلاح کرتی ہیں۔ یہود خداوند یہواہ کو رب
الافواج اور بنی اسرائیل کا خدا کہہ کر پکارتے تھے۔ یہاں اس کو رب العالمین
کے نام سے یاد کیا جو کائنات دنیا کا خدا ہے اور جس سے اسلام کی وسعت مشرب
کا اظہار ہوتا ہے۔ نصاریٰ اس کو باپ کہہ کر پکارتے تھے جس نے اپنے اکلوتے
بیٹے یسوع کو گنہگاروں کی نجات کے لئے قربان کر دیا۔ مگر یہاں اس کو رحمٰن
و رحیم کی صفات سے یاد کیا جن کا تصور باپ کے مجسم تصور سے کہیں بلند
وارفع ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں بڑا رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ اس کی رحمت
عام ہے۔ پھر عبادت اور استعانت کے معاملے میں، اہل کتاب اور مشرکین سب
ہی خدا کے سوا اصنام و احجار کی پرستش، ولیوں اور راہبوں سے استعانت
اور دیوتاؤں سے پناہ مانگتا تھا۔ غرض کہ شرک جلی و خفی کے ظلمات میں ایاک نعبد
وایاک نستعین کی پاکیزہ تعلیم وہ آب بقا ہے جس نے انسان کو حیات
جاوید عطا کی۔ پھر مذاہب عالم کی افراط و تفریط میں صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ

لہ اتقان نوع اول

بڑھانے کی روزانہ دعا حقیقت میں اس ذہن کامل کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہے

تبلیغ کے مشکلات

سورۂ مدثر کے نزول کے بعد آنحضرت نے خدائے واحد
کی پرستش اور شرک و بت پرستی کی علانیہ برائی شروع
کردی۔ قریش جن پر نہ یہودیت کچھ اثر کر سکی تھی نہ نصرانیت۔ آپ کی تعلیم سے سخت
برافروختہ ہوئے۔ وہ تجارت کے کیڑے اور دولت کے بندے تھے۔ یہود اگر
خدا کے بیٹے اور نصاریٰ مسیح کے، کہ خدا کے فرزند کو چاہنے والے کہلاتے تھے،
تو قریش بنی کعبہ کی تولیت کی بنا پر خود کو ہمسایگان الٰہی اور آل اللہ کہتے تھے
ان کے مقتدا اور مال دار سردار ولید بن مغیرہ اور اس کا بھتیجا ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ
اور اس کا داماد ابوسفیان، عاص بن وائل، اُبی بن خلف اور عقبہ بن معیط بادۂ
نخوت سے مست، اس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یتیم ابوطالب، جو اُن کے
مقابلہ میں نہ دولت و عزت نہ شان نہ اثر، اُن کے سامنے خدا کا رسول بن کر
آئے۔ پھر وہ یہ کہ ایک خدا کی پرستش کی جائے جس کے معنی یہ تھے کہ کعبہ کے ۳۶۰
اصنام کی مرجعیت ختم ہو۔ نذر و نیاز کا سلسلہ بند ہو جائے جس سے مالی انتفاع
اور اقتدار دونوں کا خاتمہ تھا۔ یہ خیالات تھے یہ اندیشے تھے جن کی وجہ سے قریش
نے آنحضرت کی مخالفت زور و شور سے شروع کردی۔

لیکن ان کے ساتھ جن لوگوں کے قلوب اس قسم کے خیالات سے آلودہ نہیں
ہوئے تھے وہ آنحضرت کی تعلیم سے بہت جلد متاثر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال
ہوگئے۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان جو خاندان بنو امیہ سے تھے۔ حضرت

زبیر بن العوام آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت
سعد ابن وقاص، حضرت طلحہ ابن عبیداللہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح تاریخ
میں خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان سرداران قریش کے علاوہ حبش اور روم کے
دو غلام حضرات بلال اور صہیب بھی اپنے مالکوں کے ظلم و ستم کی کچھ پروا نہ کرکے
دین برحق میں شامل ہوگئے۔

قریش اب مختلف طریقوں سے آنحضرتؐ و مسلمانوں کو جن کی تعداد روز
بروز بڑھتی جاتی تھی تکلیف و ایذا دینے لگے لیکن رسول برحق نہایت صبر و استقلال
سے فرض رسالت ادا فرماتے رہے۔

ایک دن آپ کوہ صفا پر چڑھ کر پکارے "یَا مَعْشَرَ قُرَیْش" لوگ جمع
ہوگئے۔ آپ نے فرمایا "اگر میں تم سے کہوں کہ عقب کوہ سے ایک فوج گراں تم پر
حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" انھوں نے جواب دیا "کیوں نہیں ہم
نے کہ تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا "تو سنو خدائے واحد پر ایمان لاؤ
ورنہ عذاب شدید میں مبتلا ہوگے۔" یہ سن کر ابولہب آپ کا چچا برہم ہو کر بولا "بس اسی
لئے ہم کو پکارا تھا؟" پھر اس کے ساتھ اور لوگ بھی برہم ہو کر چلے گئے۔

ابولہب کی عورت ام جمیل ابوسفیان کی بہن بنی امیہ کے خاندان سے تھی
مخالفت میں اس تعلق کا بھی اثر تھا کیونکہ ہاشم اور امیہ میں جیسا کہ ہم شروع میں
لکھ چکے ہیں عداوت تھی جس کا اثر خاندان میں بھی مدتوں باقی رہا۔ آنحضرتؐ کی
دو بیٹیاں رقیہ اور ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کے عقد میں تھیں لیکن ان سے

دونوں نے بیٹوں سے محض عداوتاً طلاق دلادی۔ اسی طرح آنحضرت کی توہین و تذلیل
میں دونوں مصروف رہتے تھے۔ اُم جمیل اگر راہ میں کانٹے بچھاتی تھی تو ابولہب ساحر
و مجنون کہہ کر دل میں نشتر چبھوتا تھا لیکن اگر ایک چچا عداوت پر کمر باندھ کر گمراہ ہوا
تو دوسرے چچا کو خدا نے ہدایت دی جس کی تفصیل یہ ہے:

ایمانِ حضرت حمزہؓ

عبدالمطلب کے بیٹوں میں حمزہ بڑے غیور اور شجاع تھے
اور آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے شکار کے
شوقین تھے۔ صبح کو تیر و کمان لے کر جنگل کو نکل جاتے تھے شام کو واپس آکر پہلے کعبہ
کا طواف کرتے تھے جہاں رؤسائے قریش صحنِ حرم میں اپنی اپنی مجلسیں گرم کیا کرتے
تھے آپ بھی وہیں دوستوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دن شکار سے واپس آئے، ایک
لونڈی نے آپ سے کہا آج ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دیں اور بہت برا برتاؤ
کیا۔ یہ سن کر حمزہ فرطِ غضب میں ابوجہل کے پاس حرمِ کعبہ میں آئے اور اپنی کمان اس
کے سر پر ماری اور فرمایا میں بھی محمد کا دین اختیار کرتا ہوں دیکھیں تو کیا کرتا ہے
ابوجہل کے خاندان کا ایک شخص فوراً حمزہؓ سے تعرض کرنے کو کھڑا ہو گیا۔ مگر ابوجہل
نے اپنی خطا کی نزاکت کو سمجھ کر روکا اور اظہار ندامت کیا۔ حضرت حمزہؓ گھر واپس
آئے اور جب غصہ فرو ہوا تو شب بھر تعلیم اسلام پر غور کرتے رہے۔ ابوجہل کے
سامنے زبان سے جو کچھ نکلا تھا اب دل نے اس کی تصدیق کی۔ صبح کو آنحضرتؐ
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھا[۱]۔ حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے

۱؎ روض الانف صفحہ ۱۰۰

کو جو ترجمہ ابن اسحٰق نے یوں ادا کیا ہے:

فلما اسلم حمزة عرفت	جب حمزہ ایمان لائے تو
قریش ان رسول اللہ صلی	قریش سمجھ گئے کہ رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم قد عز و	صلی اللہ علیہ وسلم کچھ چیز ہو گئے
امتنع وان حمزة سیمنعه	اور حمزہ ان کی حمایت پر ہیں
فکفوا عن بعض ما کانوا	اس سے ایذا رسانی کی بعض
ینالون منه۔ [illegible]	باتوں سے باز آگئے

قریش کی میٹھی چھری

عتبہ ابن ربیعہ ابوسفیان کا خسر ایک مدبر اور مقتدر سردار قریش تھا ایک دن جب آنحضرت حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے سامنے آ بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھتیجے اگر تجھے اس کام سے مال و دولت جمع کرنا مدنظر ہے تو ہم سب تجھ کو مالا مال کر دیں۔ اگر عزت و بڑائی کی خواہش ہے تو وہ بھی اختیار ہو سکتا ہے۔ اگر حکومت کی تمنا ہے تو ہم تجھ کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور اگر کوئی عارضہ ہے تو ہم مال خرچ کر کے طبیبوں سے تیرا علاج کرانے کو تیار ہیں:

آنحضرت خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ چپ ہوا فرمایا اے ابا الولید اب کہہ چکے سنو! نہ مجھے مال و دولت کی تمنا ہے نہ جاہ و سلطنت کی بلکہ اللہ نے مجھے اپنا رسول فرمایا ہے اور اپنی کتاب نازل کی تاکہ نیکوں کو بشارت اور بدوں کو خوف دلاؤں میں اس فرض کو ادا کرتا ہوں اور تم سب کو بتاتا ہوں اگر

۔اے میرے چچا اگر قریش آفتاب کو میری دائیں طرف اور ماہتاب کو بائیں جانب رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض کو ادا کروں گا۔ اور خدا کے حکم میں ایک حرف بھی کم نہ کروں گا۔ خواہ اس کوشش میں میرا سر ہی جاتا رہے۔ یہ کہہ کر آنحضرت اٹھ کھڑے ہوئے اور منہ پھیر کر چلے۔

ابوطالب جن پر آپ کے خلوص اور ہمت کا گہرا اثر پڑا تھا اب ضبط نہ کر سکے۔ پکار کر کہا۔ بھتیجے ادھر آ۔ تیرا جو جی چاہے کہہ۔ خدا کی قسم میری زندگی میں کوئی شخص تیرا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔[1]

مسلمانوں پر ظلم و ستم

قریش اپنی کوشش میں ناکام رہ کر نہایت برہم ہوئے اب انہوں نے وہ ہولناک کارروائی شروع کی جو سن عیسوی کی ابتدائی تین صدیوں میں خونخوار رومی بے چارے عیسائیوں کے ساتھ کرتے تھے کہ کسی کو بھوکے درندوں کے آگے ڈال دیتے تھے اور کسی کو آگ میں جلاتے تھے اور خود بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے تھے۔ قریش کے پاس قیاصرہ کے اس قسم کی سفاکیوں کے سامان موجود نہ تھے۔ ہاں عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ تھی۔ دہکتے ہوئے پتھر اور خاردار کوڑے۔ حضرت بلال جو بعد کو مؤذن رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے اُمیہ بن خلف کے حبشی النسل غلام تھے۔ ٹھیک دوپہر کو اُمیہ ان کو جلتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھتا تھا۔ پھر شب کو کوڑے پڑتے تھے مگر وہ سچے شیدائے دین اس دردناک عذاب کو نہایت

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۴۴

استقلال سے برداشت کرکے أَحَدٌ أَحَدٌ کا وظیفہ پڑھتا تھا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے امیہ کو بھاری رقم ادا کرکے بے چارے کو آزادی دلوائی۔ حضرت عمارؓ کے والدین یاسر اور سمیہ جب ایمان لائے تو ابوجہل نے سمیہؓ کو جو اس کی لونڈی تھیں، طرح طرح کی اذیتیں دے کر آخر نیزے کی انی سے بے چاری کا کلیجہ چھید ڈالا۔ یاسر کو بھی ان ظالموں نے اسی طرح ہلاک کر ڈالا۔ حضرت عمر اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی مسلمانوں کو نہایت تکلیف دیتے تھے۔ ان کی ایک کنیز زنیرہ تھی جس کو اس قدر زدوکوب کیا کہ بے چاری کی آنکھیں جاتی رہیں مگر دل نور ایمان سے روشن رہا۔ یہ مظالم بے بس غلاموں تک محدود نہ تھے۔ قریشی مسلمان بھی اپنے اعزا کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا تھے۔ حضرت عثمانؓ کو ان کا چچا رسی سے باندھ کر مارتا تھا۔ حضرت زبیرؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے تھے۔ حضرت سعدؓ ابن وقاص بھی اسی طرح اپنے خاندان بنو امیہ کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے۔[1]

اہل مکہ کے علاوہ باہر کے اور لوگ جو مسلمان ہو رہے تھے اول تو قریش انہیں آنحضرت تک پہونچنے نہیں دیتے تھے۔ اور اگر کوئی زمرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور انہیں خبر ہو گئی تو اسے نہایت تکلیف دیتے تھے۔ حضرت ابوذر بنی غفار سے تھے انہوں نے یہ سن کر کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے اپنے بھائی کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بھلائی

---

[1] ابن ہشام جز اول صفحہ ۲۹۰ و سیرۃ النبی صفحہ ۱۰۰

سکھاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ ابوذر کو تسکین نہ ہوئی خود سفر کر کے مکہ
پہونچے مگر کسی سے شناسائی نہ تھی۔ حرم میں ٹھہرے۔ اتفاق سے حضرت علیؓ
کا ادھر سے گذر ہوا، اپنے ساتھ لیا اور قصہ پوچھا۔ انہوں نے بشرط راز داری سب
حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا میں جس مکان میں داخل ہوں تم بھی میرے
پیچھے چلے آنا کہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ اس طور سے ابوذر خدمت رسول اللہؐ میں حاضر ہو کر
مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اب اپنے قبیلہ میں جا کر خبر [illegible] کی
خبر دینے [illegible] حضرت ابوذرؓ باہر آئے۔ مگر جوش توحید چھپ نہ سکا۔ قریش کے سامنے
برملا کلمہ شہادت زبان پر لائے۔ یہ سنتے ہی غل مچ گیا کہ یہ صابی یعنی بے دین
ہو گیا۔ لوگ ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ ابوذر کہتے ہیں میں [illegible] رہ گیا۔
یہ دیکھ کر عباس ابن عبد المطلب (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے)
بڑھے اور کہنے لگے کہ غضب ہے بنی غفار کے ایک شخص کو مارتے ہو جدھر سے
تمہارا کاروان تجارت جاتا ہے۔ یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے اور ابوذرؓ اپنے قبیلہ میں
آ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہوئے۔[1]

ہجرت حبشہ

عام روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے کفار کے روز روز کے ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کو حبشہ میں جہاں ایک عیسائی بادشاہ حکمراں تھا ہجرت کرنے کی اجازت دی لیکن اگر اس وقت کے سب سلسلوں [illegible]
اور نیز مہاجرین کی فہرست پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش

---

[1] بخاری کتاب المناقب

ابن ابی طالب کو جن کی تقریر مؤثر ہوتی تھی اور چند اور مسلمانوں کو بھی روانہ کیا
سورۂ مریم کا اسی زمانے میں نزول ہوا جس میں خاص طور سے حضرت مسیحؑ کی
ولادت کا ذکر ہے نیز الوہیت مسیحؑ کی تردید۔

غرض کہ آنحضرتؐ اشاعت دین کے لئے یہ طریقہ اختیار کر رہے تھے مگر
قریش کی عداوت اور تنگ دلی حبشہ میں بھی سدِّ راہ ہوئی، فوراً ایک سفارت تحفہ
اور تحائف کے ساتھ بسرکردگی عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ربیعہ نجاشی کے
پاس بھیج دی کہ قریش کے مفرور مجرموں کو ملک سے خارج کر دیا جائے۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر

نجاشی نے ایک دربار میں جہاں مسیحی مقتدایانِ دین بھی موجود تھے مسلمانوں کو طلب کیا اور حقیقتِ
واقعہ دریافت کی۔ حضرت جعفرؓ نے جماعت کی طرف سے یوں تقریر شروع کی

اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بت پوجتے تھے،
مردار کھاتے تھے، فحش میں مبتلا تھے، نہ قرابت کا خیال تھا نہ ہمسایہ
کا حق، قوی ضعیف کو کھائے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے ایک
رسول بھیجا جس کے حسب و نسب، صداقت، امانت اور عفاف
سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ اس
کی عبادت کریں اور بت پرستی ترک کریں۔ سچ بولیں، امانت ادا کریں،
صلہ رحم اور جوار کی پاسداری کریں، حرام سے بچیں، خون نہ کریں،
فحش اور برائی چھوڑ دیں، یتیم کا مال نہ کھائیں اور پاک دامن عورتوں

پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں، صدقہ دیں، روزہ رکھیں، اے
بادشاہ ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس کے متبع ہو گئے۔ پس
ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی، ہم کو ستانا شروع کیا کہ کسی طرح
خدائے واحد کی عبادت چھوڑ کر پھر اصنام پرستی میں مبتلا ہوں اور
بری باتیں اختیار کریں۔ لیکن ہم نے ان کے ظلم سے اذیتیں اٹھائیں
اور اب تیرے ملک میں آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تیرے جوار میں
رہیں۔ ہم امید وار ہیں کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔[1]

یہ سن کر نجاشی نے کہا تمہارے پیغمبر پر جو کلام نازل ہوا ہو وہ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی یہ آیات وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ... یوم عظیم تک جن میں حضرت مریمؑ کی حاملہ ہونا پھر ولادت مسیحؑ کا احوال مذکور ہے پڑھیں۔ نجاشی اور اس کے درباریوں پر گریہ طاری ہوا۔ قبل اس کے کہ اس کو بیان کریں اس موقع پر ایک ذاتی واقعہ لکھتے ہیں۔

ایک ذاتی واقعہ

چند سال ہوئے جب ایک مرتبہ میں ایک بزرگ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے سورۂ مریم کی مذکورہ بالا آیات کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہونچے جس میں حضرت مریمؑ کا درد زہ سے بیتاب ہونا مذکور ہے تو میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ قرآن میں اس ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ معاً منکشف ہوا کہ یہاں روئے سخن ان لوگوں کی طرف

---

[1] ابن ہشام جلد اول صفحہ [illegible]

ہے جو حضرت مریمؑ کی مادرانہ حیثیت سے جیسے بت پرستوں میں دیویاں ہوتی ہیں پیش کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کا یہ بلیغ اسلوب بیان ہے کہ مریم پر بھی وہی کیفیت طاری ہوئی جو عام عورتوں پر وضع حمل کے وقت ہوتی ہے۔ وہ بھی عورت تھیں، درد زہ ہوا، وہ بھی بشر تھیں۔ اس لئے ان کی الوہیت کا عقیدہ غلط نہیں تو اور کیا ہے۔

نجاشی حبشی تھا مگر اس کا دل سیاہ نہیں تھا۔ تثلیث کی ظلمت میں جب اسے نور حقیقت نظر آیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور علمائے دربار پر بھی رقت طاری ہوئی جیسا کہ قرآن نے ایک دوسرے مقام پر ذکر کیا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى	اور جب سنتے ہیں وہ جو اتارا گیا
الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ	رسول پر، دیکھے تو آنکھیں ان
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ	کی بہتی ہیں آنسوؤں سے۔

نجاشی بے اختیار کہنے لگا: خدا کی قسم یہ کلام اور وہ جو عیسیٰ پر نازل ہوا ایک ہی نور سے نکلا ہوا ہے۔ پھر قریش کی سفارت واپس کر دی اور مسلمانوں کو امن و امان سے اپنی حفاظت میں رکھا۔

نجاشی کا جب انتقال ہوا آنحضرت مدینہ میں تھے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی صاحب ایمان تھا اگرچہ اس کی قوم نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

۱۔ [illegible]

ایمانِ حضرت عمرؓ

یہ قرآن کا اعجاز تھا کہ سنگ باشی کی طرح قریش میں ایک پتھر کا دل موم ہو کر شمع دین بن گیا۔ ایک شب کو حضرت عمرؓ پھرتے پھراتے کعبہ کی طرف آنکلے، چاہا طواف کرلیں، دیکھا آنحضرت تنہا نماز میں مصروف تلاوت ہیں۔ ایک گوشے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت سورۂ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے جس میں ثمود و عاد کی بربادی اور فرعون کی تباہی پھر میدانِ حشر کا ہیبت ناک نقشہ، بدوں پر عذاب الیم اور نیکوں پر انعام کے بہشتی مدارج ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ واقعات سن کر متاثر ہو رہے تھے کہ یہ آیت کان میں آئیں:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ	بے شک وہ رسول کریم کا قول
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا	ہے نہ قول شاعر کا، تم کم ایمان
مَا تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ	لاتے ہو اور نہ قول کاہن کا،
كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ	تھوڑا غور کرتے ہو، اس کو رب
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ	العالمین نے اتارا ہے۔

دل نے بے اختیار گواہی دی کہ یہ کلام الٰہی ہے اور بے شک آپ خدا کے رسول ہیں۔ روایت ہے کہ آنحضرت جس وقت نماز پڑھ کر گھر چلے پیچھے پیچھے یہ بھی ہو لئے۔ آنحضرت نے آہٹ پا کر مڑ کر دیکھا اور فرمایا ابن خطاب! اس وقت کس ارادے سے آرہے ہو؟ جواب دیا، خدا اور رسول پر ایمان لانے کے لئے۔ آنحضرت نے فرمایا، عمر! خدا نے تم کو ہدایت دی۔ پھر بڑھ کر حضرت عمرؓ کے سینے پر ہاتھ پھیرا

اور دعا کی الٰہی اس کو ایمان پر ثابت رکھ۔

ابن اسحٰق نے یہ روایت مشہور تابعی مجاہد و عطا سے نقل کی ہے اور اسی کے ساتھ ایک دوسری روایت بھی جو عام طور سے مشہور ہے یعنی حضرت عمر کا رسول اللہ کے قتل کے ارادے سے تلوار لے کر نکلنا، راہ میں یہ سن کر کہ ان کی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو گئے ہیں پہلے ان کو مارنے جانا پھر دونوں کو زد و کوب کرکے آخر سورۂ طٰہٰ کو جو ان کی بہن کے پاس تحریر تھی پڑھ کر متاثر ہونا، پھر دار ارقم میں جہاں آنحضرت مقیم تھے جانا، صحابیوں کا انہیں شمشیر بکف دیکھ کر خائف ہونا، مگر حضرت حمزہؓ کا تسلی دینا آخر حضرت عمرؓ کا ایمان لانا۔

اس روایت کے واقعات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ قریش نے اگرچہ بہت کچھ برائی کی تھی لیکن باہمی کشت و خون کے خوف سے اس وقت تک آنحضرت کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ حضرت عمر اگرچہ تاریخ میں ایک زبردست مدبر اور کامیاب حکمراں کی حیثیت سے نمایاں ہیں لیکن وہ خالد ابن ولید کی طرح ایک بے جگر سپاہی نہ تھے کہ ایسی جرأت کر بیٹھتے اور تنہا اس مجمع میں جہاں حضرت حمزہؓ رسول اللہ کے سینہ سپر تھے یوں شمشیر بکف چلے آتے۔ بہرحال اس روایت میں بھی قدر مشترک جو امر ہے وہ قرآن سے متاثر ہو کر ایمان لانا ہے۔

آپ کے ایمان لانے کی خبر سن کر قریش نے جو کارروائی کی اس کو بخاری نے یوں نقل کیا ہے جیسا کہ ابن ہشام نے ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب والد ایمان لائے تو لوگوں نے ہمارا گھر گھیر لیا اور غل تھا کہ عمر بے دین ہو گیا

پائے گا۔ انسان کا کام اس دنیا میں کوشش کرنا ہے۔ اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ خدا اس کی جزا دے گا۔ وہ خدا جس نے مرد اور عورت دونوں کو ایک قطرے سے پیدا کیا۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے، وہی ہنساتا ہے وہی رلاتا ہے۔ جن قوموں نے اس کو نہ مانا دیکھو ان کا کیا حشر ہوا۔ عاد و ثمود اور قوم نوح ایسے برباد ہوئی کہ پتہ بھی نہیں۔ کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔ دیکھو نازک معاملہ سامنے آگیا۔ خدا ہی بچائے۔ کیا اب بھی اس کلام الٰہی کا مضحکہ اڑاؤ گے؟ ہاں آنکھوں سے آنسو بہاؤ اور سجدے میں گر پڑو۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا۔

ختم سورہ کے بعد آنحضرت نے سجدہ کیا۔ لیکن مجمع نے کیا کیا؟ اس کا جواب وہ شخص دے جس نے کسی فصیح و بلیغ لیکچرر کی دلکش تقریر کا اثر حاضرین پر دیکھا ہو۔ وہ ماہر نفسیات جواب دے جس نے جذبات انسانی کا بغور مطالعہ کیا ہو۔ کفار قریش اس قوم سے تھے جو دنیا میں جوشیلی مشہور ہے۔ انہیں میں سے ایک مقدس افصح العرب وہ کلام سنا رہا ہے جو حاضرین کے سامنے ایک نیا عالم پیش کرتا ہے۔ جب وہ سجدہ کرتا ہے تو اسی کے ساتھ اس کے متبع تو قریش بھی جذبات سے لبریز ہو کر شریک سجدہ ہوتے ہیں مجبور تھے۔ یہ تاثیر ایسی ہمہ گیر تھی کہ ایک بڈھا متکبر ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے قریب کر لیتا ہے اور سجدہ کر دیتا ہے۔

ایک جعلی روایت | ابن سعد نے مذکورہ بالا واقعہ کی نسبت لکھا

ہے کہ جب آنحضرتؐ نے لات ومنات وعزی کے نام لئے تو شیطان نے ان بُتوں کی تعریف میں یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلوا دیئے۔

تلک الغرانیق العلی یعنی یہ بلند مرتبہ بت ہیں اور
وان شفاعتھن لترتجی شفاعت کرنے والے ہیں۔

یہ سُن کر کفار نے بھی سجدہ کیا۔ اور مشہور ہو گیا کہ آنحضرتؐ اور کفار میں سمجھوتہ ہو گیا۔ جب یہ خبر حبشہ پہونچی تو مسلمان واپس آئے مگر یہاں جبرئیلؑ نے دوسرے ہی دن آنحضرتؐ کو شیطان کی کارروائی سے آگاہ کیا۔ آپ کو بہت رنج ہوا، اور بُتوں کی ہجو پھر شروع کی۔

یہ روایت چونکہ بالکل بے سر و پا تھی ابن ہشام نے سیرت میں حذف کر دی لیکن طبری نے اپنی تاریخ میں اس کو نقل کیا ہے اور واقدی نے بھی۔ البتہ بخاری اور مسلم میں اس کا مطلق ذکر نہیں اور نہ بقیہ صحاح میں۔ قاضی عیاض نے شفا میں اور بیضاوی اور رازی نے اپنی اپنی تفسیر میں اس روایت کی قلعی کھولی اور ثابت کیا کہ عقلاً اور نقلاً یہ روایت مردود ہے۔ اگرچہ ابن حجر نے روایت پرستی کی دُھن میں اس کی اسی طرح تائید کی ہے جس طرح احبار یہود تالمود کی جھوٹی روایات کی تصدیق کرتے ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑے شد و مد سے اس روایت کو نقل کرکے یہ کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ کی خلقی کمزوری کا یہ اثر تھا۔ ہم ان مخالفین کو جن میں سر ولیم میور، نولڈکی اور مارگولیوث پیش پیش ہیں الزام نہیں دیتے۔ ہم اپنے نادان دوستوں کو ملزم ٹھہراتے ہیں، اور

تاویل کرنے والے متاخرین علماء کو جنہیں یہ نہ سوجھا کہ خود اسی سورۂ والنجم میں اس جھوٹی روایت کی قلعی کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں صاف فرما دیا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ پھر شیطان کیوں کر تصرف کرتا اور زبانِ پاک سے وہ نجس جملہ "تلک الغرانیق" والا نکلتا۔ پھر اس کے بعد ہی بتوں کے متعلق یہ مذکور ہے کہ یہ محض نام ہی نام ہیں۔ فرشتوں کو یہ جرأت نہیں کہ شفاعت کر سکیں۔ پھر یہ فرضی اصنام کہاں رہے۔ ایسی صریح ہجو کے بعد "تلک الغرانیق" والا جملہ بالکل بے معنی ہے اور کافروں کو کیا خوش کر سکتا جو وہ سجدہ کرتے۔

کچھ شک نہیں کہ یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ کفار کے سجدے کی وجہ وہی تھی جو ہم نے اوپر والنجم کی تشریح میں بیان کی۔ اس کے سوا ایک اور بھی وجہ تھی کہ کفار اللہ کے نام سے اتنا نہیں بگڑتے تھے جس قدر کہ رحمٰن کے نام سے سورۂ فرقان میں جو والنجم کے بعد نازل ہوئی ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ	اور جب ان سے کہا گیا،
اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ	رحمٰن کو سجدہ کرو۔ کہتے ہیں
قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ	رحمٰن کون ہے کیا ہم اس کو سجدہ
أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا	کریں جس کے لئے حکم دیا جائے
وَزَادَهُمْ نُفُورًا۔	اور ان کی نفرت بڑھ گئی۔

دیکھو یہاں بھی سجدۂ تلاوت ہے مگر کفار رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے

میں اگرچہ انہوں نے اللہ کو جیسا کہ والنجم میں ہے "فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا"
سجدہ کیا تھا۔

سورۂ عبس

واقعہ والنجم کے بعد ایک روز آنحضرت چند سردارانِ قریش ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کے سامنے فرضِ تبلیغ ادا فرمارہے تھے کہ یکایک ایک نابینا عبداللہ ابن شریح جسے ابن اُمِ مکتوم کہتے تھے محفل میں آیا اور دورانِ گفتگو میں دخل دے کر بول اٹھا: یا رسول اللہ مجھے خدا کا کلام تعلیم دیجئے۔ آپ اُس وقت مصروفِ کلام تھے اور ایسے لوگ مخاطب تھے جو مکہ میں صاحب جاہ و عزت تھے اور امید تھی کہ اگر یہ سردار راہِ راست پر آجائیں تو مسلمانوں کی مصیبت کٹ جائے اور دوسرے لوگ بھی ان کو دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ اِن وجوہ سے آپ نے نابینا کو کچھ جواب نہ دیا۔ اُس نے کچھ دیر ٹھہر کر پھر وہی سوال کیا۔ آپ کو اُس وقت اس کی مداخلت ناگوار گذری؛ اور چیں بجبیں ہوکر اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سرداروں کی طرف مخاطب رہے۔ نابینا کچھ جواب نہ پاکر مایوس ہوکر گھر چلا گیا۔ معاً وحیِ الٰہی نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ — تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا کہ
جَآءَهُ الْاَعْمٰى — اس کے پاس ایک اندھا آیا۔

آنحضرت فوراً اُس نابینا کے گھر تشریف لے گئے۔ توجہ سے اُس کی بات سُنی اور خدا کا کلام سکھایا۔ پھر جب کبھی وہ نابینا آتا آپ اپنی چادر بچھا کر اُس کو بٹھاتے اور فرماتے: یہ وہ ہے جس کے لئے میرے پروردگار نے مجھ پر

عتاب کیا۔ مدینہ منورہ میں آپ نے اُس کو اپنی جگہ پر جہاد کے لئے باہر تشریف لے جاتے وقت پیش امام مقرر کیا۔[1]

ایک غریب نابینا کے ساتھ رسول اللہ کا یہ برتاؤ سردارانِ قریش کے سمندِ غرور کو ایک اور تازیانہ ہوا لیکن اسلام کی تعلیم محض عقائد تک محدود نہ تھی اُس نے اخلاق اور معاشرت کی بھی اصلاح شروع کی جس کی وجہ سے قریش کو عہدِ جاہلیت کا طریقہ اور دینِ اسلام کی روش ایک دوسرے کی ضد نظر آئیں اور اس لئے انہوں نے اور بھی عداوت پر کمر باندھی۔

طریقِ جاہلیت اور دینِ اسلام کا تصادم

عرب ایک اُمّی یعنی اَن پڑھ قوم تھی مگر شعر و سخن میں اُن کے شعراء اعلیٰ پایہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ زندگی کا جو معیار یہ لوگ اپنے دل کش پیرائے میں پیش کرتے تھے وہی مقبولِ خاص و عام تھا۔ عرب کی شریفانہ زندگی کی تصویر قبیلہ بکر بن وائل کا مشہور شاعر طرفہ یوں کھینچتا ہے ؎

فلولا ثلاث هن من لذة الفتی وجدك لم احفل متی قام عودی

فمنهن سبقی العاذلات بشربة كميت متی ما تعل بالماء تزبد

وكرّی اذا نادی المضاف محنبا كسيد الغضا نبهته المتورد

وتقصير يوم الدجن والدجن معجب

ببهكنة تحت الخباء المعمد

---

[1] تفسیر ابن کثیر

ترجمہ :- (۱) پس اگر یہ تین چیزیں جو ایک شریف جوان کی لذت
ہیں نہ ہوتیں تو تیرے بخت کی قسم مجھے اس کی پروا نہ ہوتی کہ تیمار دار
میری بالیں سے کب اُٹھ گئے۔

(۲) ان میں سے ایک یہ ہے کہ ملامت گروں کے بیدار ہونے سے
پہلے ایسی سُرخی مائل بسیاہی شراب اڑا لیتا ہوں کہ جب اس میں پانی
ملایا جائے تو یہ سبب تندی کے کف لے آئے۔

(۳) دوسری چیز یہ ہے کہ جب کوئی دشمنوں میں گھرا ہوا مجھے مدد
کے لئے پکارتا ہے تو میں تیز گھوڑے پر جنگلی بھیڑیئے کی طرح جو پیاسا ہو اور
جسے کسی نے للکارا ہو جھپٹ کر پہونچ جاتا ہوں۔

(۴) اور تیسری چیز یہ ہے کہ جس دن گھٹا جھوم رہی ہو، ایک
پر تکلف خیمے میں ایک بھرے بدن کی حسینہ کے ساتھ ایسا محو نشاط ہوں
کہ یہ خبر ہی نہ ہو کہ کب دن گذرا۔

شعرائے جاہلیت قوم عرب جذبات انسانی کا طرفہ معجون تھی۔ بات بات پر
کٹ مرنے والے دلیری میں شیر مگر سفاکی اور
بے دردی میں درندوں سے بڑھ کر تھے۔ بڑے مہمان نواز عہد کے پابند بات
کے دھنی، مگر جہاں بگڑے تو وہ حرکتیں کرتے تھے کہ شیطان بھی پناہ مانگتا تھا۔
روم و عجم کی شاہانہ عیش پرستیاں اور بزم آرائیاں اگرچہ اُن کو نصیب نہ تھیں
مگر یہ اپنے جام سفالیں میں ایسے مست تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔

ملک الضلیل امراء القیس "دارۃ جلجل" کا واقعہ عیاشی اس طرز سے بیان کرتا ہے کہ بڈھے بھی عالمِ خیال میں ایک مرتبہ جوان ہو جائیں۔ بدنصیب طرفہ جس کے اشعار ہم نے اوپر نقل کئے ہیں کے عوض جب پیغامِ اجل سنتا ہے تو کہتا ہے مجھے شراب کے جام پر جام دیتے جاؤ۔ یہاں تک کہ مدہوش ہو جاؤں پھر میری نصدیں کھول دو میں مر جاؤں۔

عمرو بن کلثوم کی ماں جس سے ایک محفل میں بادشاہ حیرہ کی ماں نے امتحاناً ایک طبق اٹھا لانے کی خدمت کے لئے کہا اپنی توہین سمجھ کر چیخ اٹھتی ہے دلیر بیٹا یہ سمجھ کر کہ ماں کی کچھ بے عزتی ہوئی فوراً بھرے دربار میں تلوار سے بادشاہ کا سر اڑا دیتا ہے پھر لڑتا بھڑتا اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لئے ہوئے نشۂ شجاعت سے مست صاف نکل جاتا ہے۔

سموأل بن عادیہ کے پاس امراء القیس اپنے چند زرہیں امانتاً چھوڑ کر قیصر کے پاس امداد کی طلب میں جاتا ہے۔ سموأل کا دشمن شاہ حیرہ حملہ کر کے قلعہ ابلق کو گھیر لیتا ہے پھر سموأل کے بیٹے کو گرفتار کر کے سامنے دکھاتا ہے کہ یا تو زرہیں دے دو یا بیٹے سے ہاتھ اٹھاؤ۔ سموأل وفائے عہد پر قائم رہتا ہے اور لختِ جگر کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھتا ہے۔

سورۂ فرقان کے لطائف

جاہلیت کی زندگی کے مقابلے میں قرآن نے جو تعلیم شروع کی اس کو سورۂ فرقان سے جو قدیم مکی سورت ہے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا
وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔

عرب ایک جوشیلی قوم تھی جو آندھی کی طرح اٹھتی تھی اور بادل کی طرح گرجتی تھی۔ ذرا سی بات میں بگڑ جانا اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جانا اس کا شعار تھا جیسا کہ حرب بسوس اور فجار وغیرہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کو حلم اور وقار کی تعلیم دینا شروع کی تاکہ جذبات کے متلاطم سمندر میں پہاڑ کی طرح قائم رہیں ہانڈی کا اُبال عارضی ہے غنائت بجتی ہے ذرا سی بات پر برافروختہ ہو کر جامہ سے باہر ہو جانا اوچھا پن ہے۔ بندگان الٰہی وہ ہیں جب انہیں جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ ان سے اُلجھتے نہیں اور عمرو بن کلثوم کی طرح فنجھل فوق جھل الجاھلین نہیں کہتے بلکہ قَالُوْا سَلٰمًا یعنی تم پر سلامتی ہو کہتے ہیں جس سے جھگڑے کو طول نہیں ہوتا۔ رات کو بجائے اس کے کہ شبخون ماریں اور معشوق سے ہم کنار ہوں سر نیاز جھکاتے ہیں اور قیام و سجود میں لذت مناجات پاتے ہیں پھر جلال الٰہی سے مرعوب ہو کر کانپتے ہیں اور تھرتھراتے ہوئے لبوں سے عرض کرتے ہیں الٰہی ہم کو عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔

(۲)

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا
وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔

غرض خلق میں صفاتِ انسانی کو حدِ اعتدال پر قائم رکھنا کمالِ انسانی ہے۔ اس کو عدالت کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں صراطِ مستقیم۔ مال خرچ کرنا ایک فعلِ محمود ہے لیکن نہ اس طرح کہ مٹھی کھلی ہوئی ہے، لُٹا دیا جائے، مصرف کا کچھ خیال ہی نہیں، اور نہ اس طرح مٹھی بند کہ پیسہ کیا نکلا گویا جان نکل گئی۔ اسی طرح قوتِ غضبی انسان کو دفعِ شر اور جلبِ منفعت کے لئے عطا ہوئی ہے لیکن اس کو اس طرح کام میں لانا کہ جس سے بگڑے فوراً مار دیا، یہ نہ دیکھا کہ بگڑنا چاہیے تھا یا نہ تھا۔ قوتِ شہوی سے بقائے نوع اور لطفِ زندگی مقصود ہے لیکن نہ اس طرح کہ گھر کی مرغی تو موجود ہے غیر کی بھی چڑیا اڑا لے جائیں۔ اور اگر کوئی گھر والی نہیں ہے تو بجائے اس کے کہ جائز طور پر خانہ آبادی کی فکر کریں اور ہرزہ رندانہ کام کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۳)

اِلَّا مَنْ تَابَ

انسان جنسِ حیوانات سے ہے، شہوی اور غضبی قوتوں کے جوش سے مغلوب ہو کر اگر آلودۂ معصیت ہو جائے تو یہ نہ سمجھے کہ اب اصلاح ہو نہیں سکتی۔ اگر وہ نادم ہو کر آئندہ کے لئے دل سے ایسی حرکات سے باز آنے کا تہیہ کرے تو خدا اُس کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے کیوں کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے ؎

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

کو نہایت شفقت و محبت سے پرورش کیا تھا، پھر آغاز نبوت کے باوجود کفار کی سخت مخالفت اور عداوت کے مرتے دم تک آنحضرت کی رفاقت اور اسلام کی حمایت کی لیکن بنی ہاشم اور بنی امیہ کی خاندانی مخالفت کا اثر دیکھو کہ روایتیں آپ کے ایمان کا مسئلہ مابہ النزاع ہو گیا جس کی تفصیل یہ ہے :

حضرت ابوطالب کا ایمان اور اس پر تبصرہ

زہری کے سلسلے سے جو روایت مسیب سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت اُن کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا ابوجہل اور عبداللہ بن اُمیہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا اے چچا! ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ دیجئے تاکہ آپ کے ایمان کی شہادت خدا کے یہاں دُوں۔ کفار بولے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ آنحضرت بار بار کلمہ پیش کرتے تھے اور کفار وہی بات کہہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوطالب نے آخر کلام جو کہا وہ یہ تھا عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِب۔

مگر ابن اسحٰق حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے کان لگا کر سنا پھر آنحضرت سے کہنے لگے :

یا ابن اخی واللہ لقد	بھتیجے خدا کی قسم بھائی نے
قال اخی الکلمة التی	وہ کلمہ کہہ دیا جس کے لئے تونے
امرتہ ان یقولہا۔	کہا تھا۔

اسریٰ تھا جو از قسم منام یعنی خواب نہ تھا۔ ورنہ کفار منکر نہ ہوتے۔ خواب تو سبھی دیکھتے ہیں اور ہر قسم کے۔ لیکن یہاں رؤیا ویسا ہی تھا جیسا نزول وحی کے وقت نظارۂ ملک و ملکوت جس کی تشریح ہم آغاز وحی میں کر چکے ہیں۔

افسوس ان حقائق پر غور نہیں کیا گیا اور اسریٰ کے چٹپٹے قصے پر معراج کی عجیب و غریب داستان کا پردہ ڈال دیا گیا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ بیت المقدس میں توحید تثلیث کے نرغے میں ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خود حرم کعبہ کے سینے جدید پالیسی کا ریشمی جال بچھایا جا رہا ہے، مگر ہمارے علماء واعظین اور شعراء وہی قصۂ معراج سنا رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ قصۂ معراج چھوڑ کر با ایمان ہو کر مسجد اسریٰ سے یوں فریادی ہو سکے ؎

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب!

قبائل میں تبلیغِ اسلام

خانۂ کعبہ کو انہیں عربوں نے بڑی عظمت دے رکھی تھی جو بیت المقدس کو اہل کتاب میں۔ سال بہ سال ماہ حرام میں جب جنگ و جدال موقوف ہو جاتی تو قبائل عرب ہر طرف سے آ کر حج و عمرہ ادا کرتے تھے۔ اسی طرح چند مشہور بازار عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز وغیرہ میں میلے اور قومی جلسے ہوتے تھے۔ شعر و سخن کی محفلیں گرم ہوتی تھیں اور تجارت و شغل اور خرید و فروخت میں لوگ مصروف ہوتے تھے۔ آنحضرت ان قومی مجمعوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ اسلام فرماتے تھے۔ اور کفار قریش ساتھ جا کر آپ کی تکذیب کرتے تھے جس سے قبائل پر پورا اثر نہیں ہوتا تھا۔ تاہم بکثرت لوگ حلقۂ اسلام کے

جاتی تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ نیک و بد انسانوں کی طرح جنات بھی ہوتے ہیں۔ نیکوں اور ملنسار کو عامر اور چالاک اور مفتری کو شیطان کہتے تھے۔ غرض کہ جنوں سے اُن کو سب طرح مرعوب کر کے وہم پرست بنا کر شرک کے اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا۔

جن کے مختلف معنی

عہد جاہلیت کے ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر دیکھو کہ قرآن مجید جس کے نزول کی اصل غایت اصلاح عقائد فاسدہ و اوہام باطلہ، تزکیۂ نفس، توجہ الی اللہ اور تعلیم دین حقہ ہے لفظ جن کو کن کن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

(۱)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ..... الایۃ (سورۂ سبا)

ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے وہ حضرت سلیمان کے عہد میں بیت المقدس کی تعمیر کا تاریخی واقعہ ہے جیسا کہ توریت کتاب اول سلاطین باب پنجم میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان نے حیرام صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑی کاٹنے کو مانگے تھے کیونکہ ان سے لکڑی کاٹی جاتی تھی اور حضرت سلیمان کے ملازمین حیرام بادشاہ صور کے بھیجے ہوئے لوگ اور جبلیم یعنی پہاڑی آدمی یہ کام کرتے تھے اور پتھر وغیرہ تراش کر عمارت تیار کرتے تھے۔ اسی طرح کتاب دوم تواریخ ایام باب دوم میں درج ہے کہ صور کے بادشاہ نے ایک کاریگر کو حضرت سلیمان کے یہاں کام کرنے کو بھیجا تھا جس کی طرف مذکورہ بالا آیت میں اشارہ ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے قصے میں جہاں جہاں لفظ جن کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے اس سے مراد غیر اسرائیلی یعنی بیگانہ قوموں کے جفاکش اور چابکدست کاریگر اور پہاڑی مضبوط آدمی مراد ہیں لیکن مسلمانوں میں ان کے متعلق اسرائیلیات اور جاہلیت کے افسانوں کے باعث عجیب وغریب روایات مشہور ہو گئیں۔ عباسیوں کے آغاز حکومت میں ایک شخص ابن ہلال[1] پیدا ہوا، جس نے چند کتابیں مثلاً شرح اقوال شیاطین وغیرہ لکھ کر عہد سلیمان کے واقعات کو افسانۂ عجائب بنا دیا۔ اسی طرح مفسرین میں مقاتل ابن سلیمان اور سُدّی وغیرہ نے اس قسم کی روایات کو بہ نقل کیں[2] اور مسلمانوں میں عام طور سے یہ خیالات پھیل گئے۔

(۳)

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ

مِّنكُمْ ...... كَافِرِينَ (سورۂ انعام)

انسان کی معاشرت دو قسم کی نظر آتی ہے ایک بدوی یا وحشی، دوسری حضری یا شہری۔ یہ تقسیم قدیم زمانہ سے اب تک موجود ہے مثلاً اسی ہندوستان میں اس بیسویں صدی میں بھی بھیل، گونڈ، سنتھال وغیرہ جنگلی قومیں دشت وجبال میں آباد ہیں جن کی معاشرت بالکل جداگانہ ہے۔ وہ غلیظی اور پوشیدگی میں بسر کرتے ہیں اور بہت کم شہریوں سے ملتے جلتے ہیں یہی حال اور بہت قوموں کا ہے اور یورپ کی متمدن آبادیوں کے وسیع ملک میں خانہ بدوش وحشی آبادیاں ہیں۔ مذکورۂ بالا آیت

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۰۳ [2] میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۳۸۲ و ۴۴۴

ہیں انہیں دونوں قسموں کی طرف خطاب ہے لیکن عام طور سے یہاں بھی یہ لفظ
اسی قسم کے جنات کے لئے سمجھ لیا گیا جس کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور
ہیں۔ پھر چونکہ اس آیت میں رسول بھیجنے کا ذکر ہے اس لئے یوسف نامی ایک پیغمبر
کا قصہ بنایا گیا، اور سند میں ضحاک کا قول پیش کیا گیا۔ پھر ایک گروہ تسلیم کرنے لگا کہ
نہیں جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا، بلکہ پیغمبران انس سے جنات میں ہدایت پہنچی،
اس گروہ نے حضرت ابن عباس کی ایک روایت پیش کی[1] لیکن یہ موشگافیاں اور
باہمی اختلاف لفظ جن کے وہی معنی لینے سے پیدا ہوئے جو زبان زد عوام ہیں،
ورنہ مطلب صاف تھا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر اس آیت سے جنوں میں رسول کا
وجود ثابت کیا جاتا ہے تو اسی سورۂ انعام کی اس آیت سے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ
إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ

زمین پر چلنے والے جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرند سبھوں میں بمصداق آیۂ
کریمہ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ وجود انبیاء ثابت
کرنا چاہیے۔

(۳)

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

---

[1] تفسیر ابن جریر جز ہشتم صفحہ ۲۔

سلطنت کو غارت کیا۔ اور باشندوں کو نینوا میں پکڑ لے گئے۔ جہاں وہ لوگ تھوڑے ہی عرصے میں بت پرستوں میں جذب ہو گئے۔ لیکن پھر بھی تورات کی منجملہ چوبیس کتابوں کے صرف ابتدائی پانچ کتابیں جو حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہیں، مانتے تھے۔ بیت مقدس کے عوض کوہ جرزیم پر اپنا معبد الگ قرار دیا تھا۔ ان کے مذہبی پیشوا کاہن کہلاتے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر پہاڑوں میں دیگر اقوام سے علیحدہ رہتے تھے واقعۂ طائف کے بعد اسی قوم کے چند اشخاص نے آنحضرت کو کلام الہٰی پڑھتے سنا جیسا کہ ان کے قول يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ سے صاف ظاہر ہے۔

نکتہ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ سورۂ جن اصل میں ایک پیشین گوئی ہے اس امر کی کہ اسلام پر جب کبھی نازک وقت آیا، اور کفر کے نرغے میں پھنس گیا، تو خدائے رحمٰن نے اپنے الطاف خفیہ کا کرشمہ دکھایا۔ دیکھو سفر طائف کے بعد ہی جب کہ نامرادی اور ناکامی کا سناٹا چھایا تھا، آنحضرت کو نفر من الجن کے ایمان لانے کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں یثرب کے چھ شخص آپ پر خفیہ ایمان لاتے ہیں، اور اشاعت دین کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری ہو جاتا ہے۔ ساڑھے چھ سو برس بعد اسلام پر ایک دوسرا سخت زمانہ آیا جب کہ ترکستان کے خون آشام ٹڈی دل مغلوں کی سرکردگی میں بلادِ اسلام پر بلا کی طرح چھا گئے۔ اور محمد مصطفیٰ کے فرزندوں کا خون پانی کی طرح بہا۔ سلطنتِ اسلام کو خاک میں ملا دیا۔ لیکن پرچم دین کی سرنگونی کا پوشیدہ اثر

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ ...... الآیۃ

مواعظ احیکار اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کا ترجمہ رومی، عربی، حبشی زبانوں میں کیا گیا۔ آنحضرت کی ولادت سے بہت پیشتر عربی میں بھی ان کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ اسی کا حوالہ سوید ابن صامت نے دیا تھا۔ مواعظ احیکار کے اقتباسات تورات کی کتاب امثال اور دانیال وغیرہ میں نیز انجیل لوقا اور رسائل حواریین میں بھی موجود ہیں۔ قرآن مجید میں بھی چند مواعظ مذکور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شوری احیکار اہل کتاب میں لقمان کے نام سے یاد کیا گیا۔ پھر لقمان کی سیرت سے متعلق روایات مشہور ہوگئیں۔ مثلاً شارح ابن اسحاق روض الانف میں لکھتا ہے:

ولقمان، كان نوبيا من اهل ايلة وهو

لقمان بن عنقاء بن سرون

نبوت کے دسویں سال جب آنحضرت کو عقبہ کے مقام پر یثرب کے قبیلہ خزرج کے چند اشخاص نظر آئے۔ آپ نے ان کو پیغام حق سنایا۔ چونکہ یہود اس زمانے میں اور آج تک بھی ورود مسیحا کے منتظر ہیں اس لئے یثرب کے بت پرست اپنے ہمسایہ یہود سے ایک نبی کی آمد کا ذکر سن چکے تھے۔ آنحضرت کا کلام الٰہی پڑھتے سن کر کہنے لگے۔ یہود جس نبی کی بشارت دیتے تھے وہ یہی تو نہیں؟ آؤ ہم سبقت کر کے اس پر ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ یہود اس کی برکت سے ہم پر فوقیت پا جائیں۔ چنانچہ چھ شخص ایمان لا کر گھر واپس گئے۔

لہ ابن ہشام جزو اول صفحہ ۲۰۲

پھر دوسرے سال بارہ یثربی آئے اور ایمان لاکر یہ خواہش کی کہ کوئی
صحابی بطور معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو جو اشاعت
دین کے لئے حبشہ بھی جا چکے تھے اور ابن اُم مکتوم کو جن کی شان میں سورۂ عبس
نازل ہوئی تھی ساتھ کر دیا۔ ان کی تعلیم و تلقین کا یہ اثر ہوا کہ ایک ہی سال میں نورِ
اسلام گھر گھر پھیل گیا۔ اُسیدؓ بن حضیر اور ان کے ابن عم سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس
کے سردار تھے مصعبؓ کی زبان سے کلام اللہ سن کر ایمان لائے اور اُن کے اثر سے
سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مصعبؓ اسعد ابن زرارہ کے مکان پر بیٹھے
ہوئے تعلیم دے رہے تھے۔ سعد ابن معاذ غصے میں بھرے ہوئے آئے اور کہنے لگے
یہ کیا ہے؟ ضعیفوں کو کیا بہکا رہے ہو یہاں سے چلے جاؤ۔ مصعبؓ نے نرمی سے جواب
دیا بیٹھئے ہماری بات سن لو، پھر اختیار ہے۔ سعد زمین پر نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ مصعبؓ
نے کلام مجید کی چند آیات پڑھیں جنہیں سن کر سعد کہنے لگے کیا اچھا کلام ہے۔ بتاؤ
مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ مصعبؓ نے کہا: طہارت کر کے کلمۂ شہادت زبان پر لاؤ اور
درگاہ الٰہی میں سر نیاز جھکاؤ۔ سعد ایمان لائے۔

پھر اپنے قبیلے میں گئے اور کہنے لگے: بنی عبد الاشہل! تم لوگ میری نسبت کیا
خیال رکھتے ہو؟ جواب ملا: آپ ہمارے سردار اور صاحب الرائے بزرگ ہیں۔ یہ سن
کر سعد نے جوش میں آکر کہا: بخدا میں تم سے اُس وقت تک کلام نہ کروں گا جب تک
تم خدا اور رسول پر ایمان نہ لاؤ گے۔ سعد اپنے قبیلے میں ہر دل عزیز اور محترم تھے جس

راہ پر وہ لا رہے تھے وہ حق کا سیدھا اور صاف رستہ تھا۔ تو انہوں نے تعمیل کی اور قبیلہ مذکور مسلمان ہو گئے۔

دوسرے سال حج کے ایام میں ۷۲ مسلمان یثرب سے مکہ آئے۔ ان کے ہمراہ ان کے معلم مصعب بھی تھے۔ ان کی ماں جو کافرہ تھی جس وقت بیٹے کی آمد کی خبر سنی کہلا بھیجا۔ اے نافرمان تو اس شہر میں آیا جہاں میں موجود ہوں۔ مگر سیدھا پہلے میرے پاس کیوں نہ آیا؟ مصعب نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے میں کہیں اور جاؤں؟ پھر بارگاہ رسالت پر حاضر ہوئے اور یثرب میں اشاعتِ اسلام کی کیفیت عرض کی۔ بعد فراغ ماں کے پاس آئے۔ مصعب نازونعمت میں پلے تھے۔ ایمان لانے سے پیشتر بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ اور اچھے کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔ اب جو آئے تو تن بدن کا ہوش نہیں۔ صرف خدمت دین کی ایک دُھن تھی۔ ماں نے غصے سے نظر اٹھائی اور کہنے لگی۔ حبشہ کی مصیبتوں اور یثرب کی تکلیفوں سے ابھی تک تیری آنکھ نہیں کھلی اور تو اسی دین پر قائم ہے۔ مصعب نے ملتجیانہ انداز سے جواب دیا۔ اماں یہ راہ خدا ہے۔ خدا اور اس کے رسول پر تو بھی ایمان لا مگر وہ دنیا کی دولت کی شیدا بولی۔ چمکتے ہوئے تاروں کی قسم میں ایسی دیوانی نہیں۔

بیعتِ عقبہ

غرض آنحضرت نے مصعب سے یثرب میں دینِ حق کی اشاعت اور ان کی ایک جماعت کے حاضر ہونے کی کیفیت سن کر

سیرت ابن ہشام جز ثانی صفحہ ۳۲

واللہ ما فعل العباس ذالک الا لیشد العقد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عنقہم[1]

طبری نے عروہ ابن زبیر سے جو روایت نقل کی ہے اس میں الفاظ بیعت یہ درج ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

اُبَایِعُکُمْ عَلٰی اَنْ	تم سے اس امر پر بیعت لیتا
تَمْنَعُوْنِیْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ	ہوں کہ جس طرح اپنے اہل و عیال
مِنْہُ نِسَاءَکُمْ وَاَبْنَاءَکُمْ[2]	کے میری حمایت کروگے

کیا عجیب بات ہے کہ ان کھلی ہوئی شہادتوں کے ہوتے ہوئے مارگولیوث وغیرہ نے صرف اس بنا پر کہ ابن اسحاق نے بیعت اول کو بیعت نساء اور دوسری بیعت کو بیعت حرب لکھا ہے آنحضرت پر حصول سلطنت مدینہ کا الزام لگایا ہے۔ سچ ہے کہ

ندید کس بتعصب ہنر دوست

ہجرت صہیبؓ — ہجرت کی اجازت پاکر لوگ ایک ایک دو دو کرکے قریب ڈیڑھ دو سو آدمیوں کے مدینے روانہ ہوگئے جہاں انصار نے ان کو بھائیوں کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیا۔ صرف رسول اللہ و حضرت ابوبکرؓ اور چند عاجز و بے مایہ مسلمان باقی رہ گئے۔ مشرکین نے ہجرت کی راہ میں طرح طرح کی دقتیں پیدا کردیں۔ لیکن طالبان حق نے کچھ پروا نہ کی۔ ان میں ایک حضرت

---

[1] طبری جزو دوم صفحہ ۱۲۳۹ [2] بیہقی جزو دوم صفحہ ۲۲۸

اُدھر مشرکین قتل کا انتظام کر رہے تھے اور ادھر خدائے حقیقی اپنے رسول کی
حفاظت کی تدبیر میں تھا۔ آنحضرت اپنے رفیقِ قدیم حضرت ابو بکرؓ کے پاس تشریف
لائے۔ خلوت میں عزمِ ہجرت ظاہر فرمایا۔ ابو بکرؓ نے پہلے سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی
تھیں۔ جلدی جلدی سامانِ سفر درست کر لیا۔ جس وقت مشرکین کی منتخب جماعت
خانۂ اقدس کے گرد کمین گاہ میں بیٹھی تھی، آنحضرت نے اُن کے خونی ارادے
سے واقف ہو کر حضرت علیؓ سے فرمایا آج شب کو تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ
کر آرام کرو۔ میں مدینے روانہ ہوتا ہوں۔ کفار تم سے تعرض نہ کریں گے۔ صبح کو جن جن
شخصوں کی امانتیں میرے پاس ہیں ان کو ادا کر کے عقب سے مدینے چلے آنا —— وہ
فدائے رسول جس نے تیرہ برس کی عمر میں کفار کے بھرے مجمع میں جب آنحضرت نے
فرمایا تھا: راہِ حق میں میرا ساتھ کون دیتا ہے؟ عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں ساتھ
دوں گا۔ اس یادگار شب کو بھی بے خوف و خطر تعمیلِ ارشاد کے لئے حاضر ہو گیا۔
الغرض آنحضرت تاریکیِ شب میں پُشتِ مکان سے نکل کر چپکے سے حضرت ابو بکرؓ
کو ہمراہ لے کر مدینے کا راستہ چھوڑ کر مکّہ سے جانبِ جنوب ڈیڑھ گھنٹے کی راہ پر
جبلِ ثور کی بلند چوٹی پر چڑھ گئے۔ پھر ایک غار میں اُتر کر بیٹھ گئے، اور تین دن تک
وہیں پوشیدہ رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے وفادار غلام عامر بن فہیرہ کو جو بکریاں
چراتا تھا مقرر کر دیا تھا کہ شب کو پوشیدہ طور پر غار میں دودھ پہنچا دیا کرے، اور
نیز اپنے بیٹے عبداللہ کو خبر پہنچانے کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ انتظام
کیا تھا لیکن اپنے ہادیٔ برحق کو ایسی مصیبت میں دیکھ کر غمزدہ ہو گئے۔ وہ سنسان

مقام، وہ غار کی تاریکی، وہ شبانہ روز نیم و امیدی کی حالت میں مبتلا رہنا، نہ کوئی یار، نہ کوئی مددگار، جو چند ماننے والے تھے وہ مدینے میں تھے یا حبشہ میں۔ کیا غارِ حرا کا نورانی شعلہ غارِ ثور کی تاریکی میں غائب ہو جائے گا؟ کیا حق و باطل کے مقابلے میں حق یوں مٹ جائے گا؟ یہ اندوہناک خیالات تھے جن میں آپ ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں رسولِ کریم کے لب جاں بخش یوں جنبش کرتے ہیں:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ — غم نہ کر بے شک اللہ

مَعَنَا۔ (سورۃ توبہ) — ہمارے ساتھ ہے۔

اگر دنیا میں بڑا کرب ہے تو دین کی بنیاد یقین ہے۔ معیت الٰہی کا یقین، یقین اولوالعزم رسولوں کا خاصہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جب فرعون کو فوج کے ساتھ دریا کنارے اپنے قریب آتے دیکھا، ڈر کر کہنے لگے اب ہم پکڑے گئے۔ اس وقت بھی معیتِ الٰہی کے پختہ یقین کی یہی آواز بلند ہوئی تھی:

قَالَ كَلَّا — موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي — بے شک میرا پروردگار میرے ساتھ

سَيَهْدِينِ۔ — ہے وہ راستہ بتلائے گا۔

فرعون مع اپنی فوج کے غرق ہو گیا، اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر صاف نکل آئے۔ اسی طرح قریش بھی اپنے خون خوار ارادوں میں ناکام رہے۔

صبح کو دشمنوں نے بسترِ رسول پر حضرت علیؓ کو پایا، گرفتار کیا اور حرم میں لے گئے، پھر ڈرایا دھمکایا کہ کسی طرح رسول کا پتہ بتا دیں۔ مگر اصحابِ رسول حوروں کے سے

نہ تھے کہ نازک وقت میں ساتھ چھوڑ دیتے۔ ایک نے بستر رسول پر اپنے آپ کو فدا کیا
دوسرے نے سفر و حضر میں رفاقت کا پورا حق ادا کیا

چوتھے دن آنحضرت غار سے برآمد ہوئے۔ عامر دونوں اونٹ لایا، اور
ایک بدوی عبداللہ بن اریقط رستہ بتلانے کے لئے مقرر ہو کر ہمراہ چلا۔ یہ مختصر
قافلہ عام راہ چھوڑ کر بجانب ساحل غیر معروف راستے سے یثرب کی طرف روانہ ہوا۔
قریش نے اگرچہ اشتہار دے دیا تھا کہ جو کوئی آنحضرت کو گرفتار کر لائے سو اونٹ
انعام پائے گا۔ لیکن حافظ حقیقی نے اپنے رسول کو تکمیل دین کے لئے سلامت رکھ
کر بخیریت مدینے پہنچا دیا۔

اہل مدینہ تشریف آوری کے منتظر تھے۔ روزانہ استقبال کو گھر سے نکلتے
تھے اور بعد انتظار واپس آتے تھے۔ آخر وہ دین برحق کا چاند جو بین شب تار
قریب چودہ روز افق مدینہ سے نمودار ہوا۔

مدینہ میں اعلائے کلمۃ اللہ

مدینے سے تین میل کے فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو قبا کہتے ہیں یہاں انصار کے اکثر خاندان آباد تھے، چند مہاجرین نے بھی یہیں قیام کیا تھا۔ آنحضرت ۹ ربیع الاول اتوار کے دن عمرو بن عوف کے خاندان کے سرگروہ کلثوم بن الہدم کے گھر میں سب سے پہلے تشریف فرما ہوئے۔ طبری بروایت ابن اسحٰق نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے پہلے جو کام یہاں کیا وہ یہ تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ کلثوم کے قبضے میں ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں وہیں یہ مسجد بنائی گئی، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى — البتہ وہ مسجد جو بنائی گئی

التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ[1] — ہے تقوے پر پہلے دن

قبا میں آنحضرت کا قیام چار دن رہا لیکن طبری نے لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں دس دن سے زائد بھی مذکور ہیں۔ بہرحال جمعہ کے دن آپ قبا سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جس وقت نماز جمعہ کا وقت آیا آپ ٹھہر گئے۔ مہاجرین و انصار کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور خطبہ پڑھا۔

---

[1] سورہ برات

یہ پہلا خطبہ ہے جس کو مورخین اسلام نے بجنسہٖ نقل کیا ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے تقوے کی فضیلت اور اصلاح نفس کی ضرورت پر زور دیا۔ پھر سمجھایا کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، وہ رؤف ہے۔ اس کی یاد سے غافل نہ رہنا چاہیے اور آخرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، راہ میں انصار کے خاندان استقبال کو کھڑے تھے۔ عورتیں جوش مسرت سے گا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

(چودھویں رات کا چاند ہم پر چمکا۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں)

آنحضرت کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار کے زن و مرد بھی حاضر تھے، جن میں ایک ابو ایوب بھی تھے۔ انہیں کو محبوب رب العالمین کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

آنحضرت نے دار ابو ایوب میں سات ماہ قیام فرمایا۔ خانماں برباد

مواخات

مہاجرین بھی اپنے دینی بھائیوں انصار کے یہاں مہمان تھے۔ آنحضرت نے اس تعلق کو مضبوط و پائیدار کرنے کے لئے ایک دن انصار کو بلایا، پھر مہاجرین و انصار میں مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا۔ اس طور سے کہ ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو ملک وغیرہ میں نصف کا شریک کر لیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی انصاری

---

[1] طبری، حوادث سال ۱ھ، صفحہ ۲۵۵

کا انتقال ہوتا تو اس کا مہاجر بھائی ترکہ پاتا۔ یہ انتظام آیہ توریث کے نزول
تک رہا۔

اس اثنا میں ایک افتادہ زمین کی قیمت ادا کر کے آنحضرت نے مسجد نبوی
کی تعمیر شروع کی۔ اس مبارک خدا خانے کے واسطے بیت المقدس کی طرح نہ بیش
قیمتی پتھر آئے اور نہ صناع، معمار و مزدور بلائے گئے۔ سید الانبیاء اپنے مقدس
ہاتھوں سے کچی اینٹیں اٹھا اٹھا اور گارہ خیر امت کے ساتھ کام کرنے میں مشغول
تھا۔ آخر اینٹ اور گارے کی دیواریں بن گئیں۔ کھجور کی چھال سے چھت پاٹی گئی اور
تنے کی لکڑی کے ستون قائم ہوئے۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں خالق بے نیاز کی
سچی عبادت کے لئے یہ سادہ عمارت جس میں نہ محراب نہ منبر نہ ظاہری سازوسامان
تھا تیار ہو گئی۔ لیکن اگر یہ چیزیں نہ تھیں تو کیا مضائقہ تھا۔ بھلا جہاں تسلیم کی
محراب، اخلاص کا منبر، تواضع کا فرش اور صدق و صفا کا سامان ہو وہاں ان فانی
چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

اصحاب صفہ

مسجد کے کنارے پر ملا ہوا ایک سائبان تھا جسے صفہ کہتے
تھے۔ اس کے نیچے وہ غریب اور مسکین بسر کرتے تھے جنہوں نے
اپنی زندگی محض خدمت دین اور عبادت الٰہی کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو
بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترے پر پڑے رہتے
حضرات بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ ابن یاسر، سلمان فارسیؓ اور ابوہریرہؓ بھی انہیں لوگوں
میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں ایک ساتھ مہیا نہ ہو

سکتیں، بچا در گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ آنحضرت کے پاس جب کہیں سے صدقے کا کھانا آتا تو سب اُن کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بلا لیتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ راتوں کو یہ لوگ عموماً عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ اُن کے لئے ایک معلم مقرر تھا۔ اُس کے پاس جا کر پڑھتے۔ اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے۔

مسجد جب تعمیر ہو چکی تو اسی کے متصل آنحضرت نے اپنے اہل و عیال کے واسطے مختصر مکان بنوائے۔ پھر حضرت زیدؓ کو بھیجا کہ حضرت فاطمہ زہرا اور ام المومنین سودہ کو مکے سے لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو مکہ ہی میں آنحضرت سے منسوب کر دیا تھا۔ اب اُن کو بلوا کر شوال میں رسم رخصتی ادا کرا دی۔

آنحضرت کے "مکانات" جو اصل میں مختصر حجرے تھے، ان کی کیفیت طبقات ابن سعد میں یوں مذکور ہے کہ چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔

مدینے کی زندگی کی کشمکش

ہجرت کے وقت انصار کا مخلصانہ خیر مقدم اگرچہ ایک دل خوش کن نظارہ اور ترقی دین کے لئے نہایت ہمت افزا تھا۔ لیکن چونکہ اب قصبے کی مختلف الخیال مخلوط آبادی

ے سیرت نبی صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵

براہِ راست سابقہ تھا۔ اور دفعۃً ہجرت سے قریش کے غیظ و غضب اور جوشِ انتقام
کا طوفان افقِ مدینہ پر قدرتاً اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آنحضرت اور غریب الدیار مہاجرین
کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ یہ شہر مکہ نہ تھا جہاں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ
اور محرم چار ماہ تک لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی، اور جہاں اطرافِ عرب سے مختلف
قبائل حج کے لئے آتے تھے جن سے مل کر آنحضرت فرضِ تبلیغ ادا فرماتے تھے۔
یہ مدینہ تھا جہاں ہر وقت جان کا خطرہ تھا، اور تبلیغ کا دائرہ محدود تھا۔ یہاں
صرف قریش کا ایک ہی قبیلہ آباد نہ تھا جس کے افراد آنحضرت اور مہاجرین ہی کے
بلکہ اوس و خزرج کے دو حریف قبائل کے ساتھ ایک ایسی قوم بھی آباد تھی جو مذہباً
اور معاشرتاً ان سے جداگانہ تھی۔ یہ قوم جو کبھی خداوند یہواہ کی محبوب تھی، اب
شامتِ اعمال کی بدولت غضبِ الٰہی میں گرفتار تھی، کفرانِ نعمت اور انبیاء کا
خونِ بے گناہ اُن کی نسلوں کے لئے طوقِ گردن تھا جس سے روحانیت سلب
ہو گئی تھی، اور دین صرف ظاہری پابندیوں اور فقیہانہ جوڑ توڑ کا مجموعہ بن کر
رہ گیا تھا۔ یہ مدینہ کے یہودی بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے جو زمیندارانہ
حیثیت سے زمین کے ایک بڑے حصے پر قابض تھے اور سودی لین دین جاری
رکھ کے کاشتکاروں کا خون چوستے تھے، اوس و خزرج ان کے مقروض رہتے
قرضے کی کفالت میں بچے اور عورتیں تک رہن رکھنے پڑتے۔ بنی قینقاع صناع
تھے اور زرگری و آہنگری کا پیشہ کرتے تھے۔ عربی اور یہودی خون کی آمیزش

۱؎ بخاری و مسلم ذکر قتل کعب ابن اشرف

کہ وہ لوگ آپ سے زیادہ طرفداری کریں گے چونکہ آپ اُمّی تھے اس
لئے عرصے تک ایک یہودی کاتب رکھا۔ یہ پیش قدمیاں ایک ایسے شخص
کی جانب سے جس کی ذات سے آئندہ امیدیں وابستہ تھیں یہودِ مدینہ کے
لئے دل خوش کُن تھیں۔ وہ ایک مدت تک یہ سمجھے کہ آپ یہودی ہو گئے اور
اس لئے یہ امید ہوئی کہ آپ کے ذریعے سے یہودیت عرب میں غالب
ہو جائے گی۔

بعض یہود آپ پر ایمان لا کر زمرۂ انصار میں داخل ہو گئے۔ ان
میں بنی قینقاع کا ایک نوجوان عالم عبداللہ ابن سلام تھا جس نے مع
چند دیگر نو مسلم یہود کے اشاعتِ قرآن میں مدد دی۔ ان یہودی
انصاریوں نے یہودیت کو بالکل ترک نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ احکامِ توریت
کے متبع رہے اور شروع میں محمدؐ ان کی اس روش سے ناراض بھی
نہیں ہوئے۔ لیکن باستثنائے معدودے چند اور کوئی یہودی مدینے میں
ایمان نہیں لایا۔ یہود اپنے پیغمبروں کی شان سے کہیں زیادہ رفیع
اور اعلیٰ سمجھتے تھے کہ ایک جوشیلے واعظ کو بھی جو ہر حسین عورت کا متمنی تھا
ان کے زمرے میں شامل کر دیتے۔ یہود کہتے تھے ملاحظہ ہو یہ شخص غذا
سے سیر نہیں ہوتا اور اس کی خواہش سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کے
گرد و پیش عورتیں ہوں۔ اگر یہ نبی ہے تو فلسطین میں کیوں نہ پیدا ہوا
جہاں وہ خود کو برگزیدہ ہی قرار دیتے۔ یہود یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ

اگر اس کو دینِ ابراہیمی میں شامل ہونے کا فخر ہے تو بتائیے کہ ابراہیمؑ نے اونٹ کا گوشت اور دودھ کب استعمال کیا۔ محمدؐ کے سربرآوردہ مخالفوں میں ایک یہودی فنحاص ابن عازورہ تھا جس کا ستم ظریف تھا کہ کسی موقع پر چوکتا نہ تھا کہ آپ کی ہنسی نہ اڑائے۔ دوسرا شخص مشہور و معروف کعب ابن اشرف تھا جس کا باپ عرب اور ماں یہودن تھی۔ ایک شاعر ابو عفک پیر صد سالہ تھا جس کی یہ کوشش تھی کہ اہل عرب آپ سے متنفر ہو جائیں۔ اسی طرح عبداللہ ابن صوریہ جو حجاز میں سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا تھا نفرت پھیلاتا تھا۔

محمدؐ نے بنی قینقاع کو جب دعوتِ اسلام دی تو فنحاص نے ایک مشہور تقریر میں یوں مضحکہ اڑایا کہ محمدؐ کہتے ہیں "اقرضوا اللہ قرضاً حسناً" (اللہ کو قرضِ حسنہ دو) کیا خدا بھی فقیر ہو گیا کہ ہم سے بھیک مانگتا ہے؟ یہ یہودی اس طرح وحی اور آپ کے قول کی تحقیر و استہزا کرتے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ یہ مہاجر مکہ جو مدینہ میں نہایت بے بسی میں آیا ہے ان کے قبائل کو ذلیل و تباہ کر دے گا اور آئندہ اُن کے لاکھوں ہم مذہبوں کی قسمت کا مالک بن جائے گا۔ ان کو اپنی دولت اور قوت پر ناز تھا اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن وہ ہے جس کی کچھ پروا نہ کی جائے۔ بے شک ابتدا میں محمدؐ نے اس تحقیر کو فراخ حوصلگی سے برداشت کیا اور ہوشیاری سے پردہ فاش

نہ ہونے دیا آپ نے اپنے متبعین کو یوں سمجھایا

ولا تجادلوا اھل الکتاب — اور مت جھگڑو اہل کتاب سے

الّا بالتی ھی احسن — مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔

لیکن ایک عرصے تک اس باہمی ناراضی کے باعث امن وامان قائم نہ
ہوسکا۔ یہود نے مسلمانوں کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا،
یہاں تک کہ سردار مدینہ عبداللہ ابن ابی خزرجی کا دل آپ کی طرف سے
ایسا پھیر دیا کہ مرتے دم تک وہ دشمن ہی رہا۔

مذکورۂ بالا تحریر اگرچہ آنحضرت پر وہی بہتان کی ہے جس کا راگ یورپ
گایا کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ چند باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ایک غیر متعصب اور
منصف مزاج شخص یہود مدینہ کے کیریکٹر کا اندازہ کر سکتا ہے اور چونکہ خود ایک یہودی
مورخ کا یہ بیان ہے اس سے بڑی وقعت ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مورخ مذکور کی تحریر پر تبصرہ کریں پہلے ایک غلط فہمی کو دور کرنا
چاہتے ہیں جو ہمیشہ لفظ "اسلام" کو ہمیشہ حق سے دور رکھتی ہے۔ انہوں نے پہلے سے
یہ فرض کر لیا کہ آنحضرت کی مدینے میں تشریف آوری جب وہ حکومت اور حصول
قوت وسلطنت کے لیے تھی اس لیے آپ کے ہر قول و فعل کو اسی مفروضہ غرض
کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہم اس کے جواب میں یہ نہیں کہتے کہ آنحضرت کو پہلے رسول
تسلیم کرو تب آپ کی کارروائی پر تبصرہ کرو بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص یا جماعت کی

سے تاریخ یہود جلد سوم صفحہ ۷۰ لغایت ۷۸

میں قیام فرمانے کے بعد مکان کے سامنے کی افتادہ زمین دو یتیموں سے خرید کر کے مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع کی۔ آغازِ رسالت سے پابندیٔ نماز شعارِ دین تھا۔ مدینے پہونچنے سے پنج وقتہ نماز باجماعت قائم کی۔ اور اذان کا خالص اسلامی طریقہ جو یہود و نصاریٰ سب کے طریقے سے بالکل جداگانہ ہے جاری کیا گیا۔ ان نمازوں میں قرآن مجید کی سورتیں جس قدر اُس وقت تک نازل ہو چکی تھیں پڑھی جاتی تھیں۔ مدینے پہونچتے ہی چونکہ آبادی کا ایک بڑا حصہ جو مشرک تھا ایمان لا چکا تھا یعنی اوس و خزرج، لیکن یہودی باقی تھے اس لئے سب سے پہلے سورۂ بقرہ نازل ہوئی جس میں یہود کو خاص طور سے دعوتِ حق دی گئی۔ یہود مشرک نہ تھے، جاہل نہ تھے، وہ توراۃ کے حامل اور علم و حکمت سے واقف تھے اس لئے دلکش انداز سے خطاب ہوتا ہے۔

يَا بَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا	اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمتیں
نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ	میری جو کیں ہم نے تم پر اور پورا
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيٓ اُوْفِ	کرو عہد میرا پورا کروں میں عہد
بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ	تمہارا اور مجھ سے ڈرو اور ایمان
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا	لاؤ جو اتارا ہم نے تصدیق کرتا اس
لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ	کی جو تمہارے ساتھ ہے اور نہ ہو
كَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ	پہلے پہل منکر اس کے اور نہ
ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ	خرید و میری آیتوں سے قیمت کم
وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	اور مجھی سے بچ ڈرو اور حق کو

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ ۔۔۔ نماز ادا ، دو زکوٰۃ ، اور رکوع
تَعْلَمُونَ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۔۔۔ کرو ساتھ رکوع کرنے والوں
وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ ۔۔۔ کے کیا حکم کرتے ہو آدمیوں کو
الرَّاكِعِينَ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ ۔۔۔ نیکی کا اور بھلاتے ہو
بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ ذاتیں اپنی اور تم پڑھتے ہو
وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۔۔۔ کتاب - کیا نہیں عقل
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔۔۔ رکھتے -

خداوند یہوواہ نے اجمالی طور پر ان نعمتوں کو جو بنی اسرائیل کو عطا ہوئی تھیں یاد دلایا کہ دل میں کچھ تو شرمندہ ہوں کہ وہ کیسی ناشکری کر رہے ہیں پھر وہ عہد یاد دلایا جو توریت استثنا باب ۱۸ درس ۱۵-۱۸ میں کیا تھا۔ خدا حضرت موسیٰ سے یوں خطاب فرماتا ہے:-

میں اُن میں ایک رسول انہیں کے بھائیوں میں سے اُٹھاؤں گا
جو مثل تیرے ہوگا ، اور جس کے منہ میں میں اپنا کلام ڈالوں گا
اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہ انہیں پہونچائے گا:

بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے محمد رسول اللہ فداہ قریش کے پنجے سے مہاجرین کو نکال کر مدینے میں تشریف لائے اور وہ کلام سُنایا جو کہ کوہ طور پر سُنایا گیا تھا۔ سُورۂ مزمل جو قدیم مکی سُورت ہے اور جو ہجرت سے بہت پیشتر نازل ہو چکی تھی اس میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۔

اس دعوے کی تصدیق یہود مدینہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ان کو چاہیے تھا کہ جس نبی موعود کی تشریف آوری کے وہ منتظر تھے اس پر سب سے پہلے ایمان لاتے، مگر انہوں نے جان بوجھ کر ناشکری کی اور باوجودیکہ وہ توراۃ پڑھتے تھے مگر، خود را فضیحت دیگراں را نصیحت کے مصداق ہو گئے۔ قرآن نے ان کی اہمیت کے لحاظ سے مکرر ان نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ یاد دلایا کہ وہ اپنی گزشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کریں اور راہ راست پر آجائیں۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ	اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمتیں
اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي	میری جو کیں میں نے تم پر اور یہ بھی
أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي	میں نے فضیلت دی تم کو جہان
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝	والوں پر

دعوت حق کے اس بلیغ پیرایہ سے متاثر ہونے کے بجائے یہود مدینہ استہزا اور تحقیر پر آمادہ ہو گئے۔ صرف عبداللہ بن سلام، ان کے دو بھتیجے اور چار اور یہودی، سعد و اسید کعب کے بیٹے ثعلبہ ابن قیس اور یامین ابن یامین کل سات آدمی ایمان لائے۔ ان کے سوا اور کوئی مسلمان نہ ہوا۔ تنہا یہی نہیں بلکہ انہوں نے تمسخر اور دل آزاری، تفرقہ اندازی اور تہمت تراشی میں وہ حربے اختیار کئے جو بنی قریش کے ظلم و ستم کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ۔۔۔

ذیشان سمجھتے۔

مورخ گرائٹز کہتا ہے کہ:-

"یہود اپنے پیغمبروں کی شان اس سے کہیں ارفع اور اعلیٰ سمجھتے تھے کہ ایک جوشیلا واعظ بھی جو ہر حسین عورت کا متمنی تھا اُن کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا۔"

توریت میں پیغمبروں کی شان

اچھا اب توریت میں جو شان ان پیغمبروں کی مذکور ہے وہ ملاحظہ ہو:

صموئیل دوم باب ۱۱، درس ۲-۱۳ میں لکھا ہے کہ ایک شام کو داؤد اپنے شاہی بالاخانے پر ٹہل رہے تھے کہ دیکھتے ہیں کہ ایک حسین عورت جس کا حُسن آنکھوں میں کُھبا جاتا ہے غسل کر رہی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ بنت شبع زوجۂ اوریاہ ہے۔ آپ نے اُس کو بلا بھیجا۔ وہ غسل حیض سے پاک ہو چکی تھی۔ داؤد اُس سے ہم بستر ہوئے جس کے بعد وہ گھر چلی گئی۔ عورت کو حمل رہ گیا۔ اُس نے داؤد کو خبر کی۔ اب داؤد نے اپنے ایک فوجی افسر یوآب کو لکھا کہ اوریا کو میدان جنگ سے بھیج دے۔ وہ حاضر ہوا۔ داؤد نے اُس سے جنگ کے حالات دریافت کئے، پھر کہا اپنے گھر جا کر آرام کر۔ وہ گھر سے نکلا۔ بادشاہ نے اُس کے لئے توشہ بھیجا۔ اوریا اپنے گھر کے باہر شاہی ملازمین کے ساتھ سویا۔ صبح کو جب داؤد کو خبر ہوئی اوریا کو بلا کر کہنے لگے تو سفر سے آیا اپنے گھر میں کیوں نہ سویا۔ تب اُس نے جواب دیا: اے بادشاہ تابوت سکینہ اور بنی اسرائیل خیموں میں پڑے ہیں میرا سردار یوآب اور

جہاں نشانِ شاہی کھلے میدانوں میں بسر کر رہے ہیں تو میں کس دل سے گھر میں جاؤں، کھاؤں پیوں اور اپنی بی بی کے ساتھ عیش کروں، اے بادشاہ تیری جان کی قسم مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ تب داؤد نے کہا، اچھا آج اور ٹھہر جا کل جانا۔ اوریاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر داؤد نے اپنے سامنے اس کو کھلایا پلایا اور شراب پلا کر مست کر دیا، مگر شب کو جب وہ سونے چلا تو پھر ملازمین شاہی کے ساتھ باہر سویا اور اندر نہ گیا، تب صبح کو داؤد نے ایک خط سردارِ فوج یوآب کے نام لکھا اور اوریاہ کو قاصد بنا کر بھیجا، خط میں لکھا تھا کہ اوریاہ کو جہاں تنورِ جنگ خوب گرم ہو بھیج دے اور آپ ہٹ آئے، سردار نے ایسا ہی کیا، اور محاصرہ کرنے والے جہاں بہادروں کی صف میں اوریاہ کو بھیج دیا جہاں ان بہادروں کے ساتھ اوریاہ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ جب یہ خبر بیت المقدس پہونچی زوجہ اوریاہ سوگ میں بیٹھی اور عدت ختم ہونے کے بعد داؤد نے اُس کو اپنے محل میں داخل کر لیا۔

ہم نے تھراتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے قلم سے مجبوراً یہ نقل[1] تورات سے ترجمہ کیا ہے۔ اب ایک دوسرے پیغمبر کی شان ملاحظہ ہو:

اول ملوک باب ۱۱ آیات ۳-۸ میں لکھا ہے کہ سلیمان کی سات سو بیگمات تھیں اور تین سو لونڈیاں۔ جب آپ بوڑھے ہوئے ان عورتوں نے آپ کا دل دوسرے معبودوں کی طرف پھیر دیا۔ آپ نے بیت المقدس کی پہاڑی کے سامنے شمس کا بُت خانہ بنوایا، اور اسی طرح اپنی بیگانہ قوموں سے آئی ہوئی بیگمات کی خاطر صنم خانے

---

[1] اس قصے کی تردید ہم نے اپنی کتاب ... صفحہ ... میں درج کی ہے۔

ہوئے جہاں قربانیاں ہوتی تھیں اور خوشبو جلتی تھی۔ اور خداوند یہواہ سلیمان سے ناراض ہوا۔ کیوں کہ اس کا دل خداوند کی جانب سے پھر گیا تھا۔ حالاں کہ دو مرتبہ خداوند اس کو نظر آیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ خبردار دیوتاؤں کی پوجا نہ کرنا مگر سلیمان نے خداوند کی حکم عدولی کی۔

اللہ اکبر! یہود کیوں نہ ذلیل و خوار ہوں کہ ان خادمانِ خدا کی نسبت جو حامیٔ توحید اور اخلاقِ حسنہ کی مجسم تصویر تھے ایسی لغو اور شرمناک روایات اس کتاب میں نقل کیں جسے کلامِ الٰہی یقین کرتے ہیں اور پھر یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہود مدینہ اپنے قدیم پیغمبروں کی شان ارفع و اعلیٰ سمجھتے تھے اس لئے آنحضرت کو ہوا و ہوس کا شیفتہ پا کر اور اس بلند معیار سے گرا ہوا سمجھ کر ایمان نہ لائے۔ کاش مخالفین کچھ تو اصل واقعہ پر غور کرتے۔

اصل یہ ہے کہ قومی بد زبانہ نسبیات یہود نے اپنے ان بزرگ پیغمبروں کے ساتھ جو خاص فلسطین میں پیدا ہوئے اور خالص یہودی تھے کیا برتاؤ کیا جو نبیٔ عرب کے ساتھ جو اسماعیلی تھے کرتے۔ کیا حضرت موسیٰ پر الزام نہیں لگائے گئے؟ کیا حضرت یحییٰ کا سر اس لئے کہ آپ نے یہودی حاکم کو فحش اور زنا سے منع کیا کاٹا نہیں گیا؟ کیا حضرت مسیح کو جو روحانیت کی خالص تعلیم دیتے تھے یہود نے دار پر نہیں چڑھایا؟ پھر اگر آنحضرت کو مطعون کیا تو کیا تعجب ہے۔

تعلیماتِ نبوی کا لب لباب

آپ قرآن کے ذریعے سے جو تعلیم فرماتے تھے

الزام کی تردید کے لئے بھی دیکھو صفحہ ...

وہ توراۃ کی اصلی ہدایت کی مصدق تھی، مگر اس کے برخلاف ربیون اور احبار کی خودساختہ شریعت کی قلعی کھولنے والی تھی۔ اس لئے یہ گروہ آپ کا دشمن ہوگیا۔ آپ کو نہ یہودیت کی رسم پرستی سے کچھ ہمدردی تھی نہ نصرانیت کی بے راہ روی کی طرف کچھ خیال تھا۔ آپ اُس دین کا سبق دے رہے تھے جس پر حضرات ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ و عیسیٰؑ تمام پیغمبران ماسبق کے نقش قدم نظر آتے تھے۔ خدائے واحد پر ایمان، آخرت کا یقین اور اعمال صالحہ کی بجا آوری بس یہی آپ کی تعلیمات کا لب لباب تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا	بے شک جو ایمان لائے اور جو
وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ	یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور
وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ	صابی، جو کوئی ایمان لایا اللہ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ	پر اور آخرت پر اور نیکی کی
صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ	پس واسطے اُن کے مزدوری
عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ	ہے نزدیک اُن کے رب کے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	پاس اور نہ خوف ہے اُن کو
(سُورَةُ بَقَرَة)	اور نہ وہ رنجیدہ ہوں۔

مگر یہود کی ظاہر پرستی اور قساوت نے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا، اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہوگئے۔ اور جیسا کہ مؤرخ گراٹز کا قول ہم نے اوپر نقل کیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے ستانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اُن کے

مشاہیر علماء اور شعراء کی یہ کوشش تھی کہ جاہل عرب آپ سے متنفر ہو جائیں۔ اوس و خزرج اب تک ایک دوسرے کے دشمن تھے اب اسلام کی برکت سے شیر و شکر ہو گئے۔ مگر یہود اس اتفاق کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اور چاہتے تھے کہ قتل و خون کا بازار پھر گرم ہو جائے۔ ہجرت کے بعد ہی ایک مرتبہ اوس و خزرج کے ایک جلسے میں چند یہودی پہنچ گئے اور جنگ بُعاث کا تذکرہ اس انداز سے شروع کیا کہ دونوں قبیلوں کو پچھلے واقعات یاد آ گئے۔ دفعتاً زبانیں کھلیں، تیوریاں چڑھیں، پھر تلواریں کھنچ گئیں۔ آنحضرت کو خبر ہوئی فوراً موقع پر تشریف لائے اور پند و نصیحت سے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔[1]

اسلام سے تنفر پھیلانے کے لئے یہود نے ایک اور کارروائی کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی قینقاع کے چند احبار سعد بن حنیف اور زید بن اللصیت وغیرہ ظاہر میں مسلمان ہو کر مسجد نبوی میں آتے تھے اور پھر طرح طرح کے شبہات پیدا کر کے دوسروں کو حق طلبی کی راہ سے باز رکھتے تھے۔ اکثر یہود چند روز کے لئے مسلمان ہو جاتے پھر بیزاری ظاہر کرتے تاکہ لوگ سمجھیں اسلام ہی میں کچھ خرابی ہے۔[2]

غرض کہ یہود مدینہ کی ان کارروائیوں سے ایک ہی سال کے اندر نفاق و منافقت ہو گئی۔ عبداللہ ابن ابی خزرجی جسے آنحضرت کی تشریف آوری کے قبل مدینے کی حکومت ملنے والی تھی اور جو یہود بنی نضیر کا حلیف بھی تھا منافق ہو کر گروہِ منافقین کا سردار بن گیا۔ اور اسلام کو خطرات نے اندر اور باہر گھیر لیا۔ قریش اگر برہنہ شمشیر تھے تو یہود میٹھی چھری، اور منافقین مارِ آستین اور بھی غضب ہو گئے۔

---

[1] سورہ آل عمران یا ایہا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقاً ... آیۃ [2] ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۱۸

مظلوموں کی دادرسی

مہاجرین محبت دین میں اگرچہ اپنے عزیز وطن مکہ کو چھوڑ اور مال و دولت سب سے منہ موڑ کر مدینے میں مقیم ہوئے، مگر یہاں بھی آرام سے بیٹھنے نہ پائے۔ اول تو مدینے کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ تبرانی حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مدینے آئے تو وہاں کے پھل ہمارے مزاج کے ناموافق تھے۔ اس لئے لوگ بیمار ہونے لگے۔ اکثر مہاجرین تپ شدید میں مبتلا ہو کر تڑپتے تھے اور اُن قریشیوں کو کوستے تھے جنہوں نے ان کو محض اس لئے کہ یہ خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے گھر سے بے گھر کیا تھا۔[1] انصار اگرچہ دینی اخوت کی بے نظیر عملی مثال پیش کر کے اپنے مہاجرین بھائیوں کی ہر وقت دلجوئی کرتے تھے اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ان کا دل تھوڑا نہ ہو۔ سچ ہے ؎

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مگر مہاجرین میں اکثر ایسے تھے جو مکے میں اپنے گھر کے بادشاہ صاحب دولت و ثروت تھے، مسافر ان کے گھر اُترتے تھے اور یہ خوشی خوشی مہمان نوازی میں مشغول ہوتے تھے۔ لیکن اب وہ اپنے انصاری بھائیوں کے در پر پڑے تھے۔ غیرت تقاضہ نہیں کرتی تھی کہ اُن کے باعث اُن کے جان نثار بھائیوں پر بار پڑے۔ بخاری کتاب المناقب میں روایت کرتے ہیں کہ سعد ابن ربیع عبدالرحمن ابن عوف سے کہنے لگے کہ بھائی میں انصاریوں میں بہت مالدار ہوں۔ لو میرا آدھا مال حاضر ہے تم اس پر قبضہ کر لو،

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۹۰ جلد دوم

میری دو بیبیاں بھی ہیں تم کو جو پسند آئے مجھ سے کہو میں اس کو طلاق دے دوں
تم بعد عدت اس سے نکاح کر لینا۔ یہ سن کر عبدالرحمن بولے خدا تمہارے مال اور
اہل میں برکت عطا فرمائے مجھے تو بازار کا راستہ بتا دو۔ سعد متاثر ہو کر چپ ہوگئے اور
بازار بنی قینقاع کا راستہ بتایا۔ عبدالرحمن سر پر پنیر رکھ کر بیچنے لگے۔ خدا نے ان کی تجارت
میں برکت عطا کی یہاں تک کہ انہوں نے بہت جلد نفع کما کر شادی کر لی۔

انصار کا ایثار

غرض کہ مہاجرین اگر ایسے غیور تھے تو انصار بھی ایثار مجسم تھے،
ان کی دولت ان کے نخلستان تھے جن کو انہوں نے نہایت
فراخ حوصلگی سے آنحضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ ان کو ہمارے مہاجرین
بھائیوں پر تقسیم فرما دیجئے۔ مگر چونکہ مہاجرین فن زراعت سے واقف نہ تھے کیونکہ
مکے میں وہ تجارت پر بسر کرتے تھے۔ اس لئے آنحضرت نے انصار سے فرمایا ایسا نہ کرو
لیکن انہوں نے التجا کی کہ ہم زراعت کا کام خود کریں گے مگر پیداوار میں ان کو نصف
حصہ دیجئے۔ آنحضرت کو قبول کرنا پڑا۔ پھر مہاجرین بھی جو کچھ آبپاشی وغیرہ کاموں میں مدد
دے سکتے تھے حاضر ہو گئے۔

ایک مرتبہ ایک شام کو ایک فاقہ کش شخص آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ
نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیجو۔ جواب آیا افسوس بجز پانی کے اور
کچھ موجود نہیں ہے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کوئی ہے جو آج اس کو اپنا مہمان
بنائے؟ ابوطلحہ انصاری اٹھے اور مہمان کو ساتھ لے گئے گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم
کیا کہ صرف بچوں کے لئے کچھ کھانا رکھا ہے۔ انہوں نے کہا خیر چراغ گل کر دو اور جو کچھ ہو

لاؤ۔ پھر مہمان کو سامنے کر میاں بیوی بیٹھے اور اندھیرے میں اس طرح ہاتھ چلاتے رہے گویا کھا رہے ہیں۔ اس طرح سے مہمان کو کھلا کر خود بھوکے سوتے رہے۔ انہیں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اور ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	پر گو خود ان کو فقر و
(سُوْرَةُ الْحَشْر)	فاقہ

مدینے میں اس طرح سے اسلام کی نشوونما ہو رہی تھی، مگر معاندین قریش اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت اور آپ کے متبعین وطن سے دور ہو کر کہیں بھی چین سے بیٹھنے پائیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کعبے کی زیارت سے جو ہر عرب کو سال کے چار مہینوں میں جب کہ لڑائی حرام ہو جاتی تھی بے روک ٹوک نصیب ہوتی تھی، نہ صرف مہاجرین کو روک دیا بلکہ ان کے حامیوں یعنی انصار کو بھی روکنے لگے۔

ابوجہل اور حضرت سعد ابن معاذ کی گفتگو

بخاری نے کتاب المغازی میں ابوجہل اور حضرت سعد ابن معاذ کی ایک گفتگو کا ذکر کیا ہے جس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّهٗ	سعد بن معاذ سے روایت ہے
كَانَ صَدِيْقًا لِاُمَيَّةَ بْنِ	کہ وہ امیہ بن خلف کے دوست
خَلَفٍ وَكَانَ اُمَيَّةُ اِذَا مَرَّ	تھے اور امیہ جب مدینے آتا تو
بِالْمَدِيْنَةِ نَزَلَ عَلٰى سَعْدٍ	سعد کے یہاں ٹھہرتا، اور سعد جب

اسرائیلی آبادیوں کو انہوں نے برباد کر دیا، اسیرانِ جنگ کو بے دریغ قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر دیئے، صلح کر کے پھر دھوکا دیا اور قتل وخون کا بازار گرم کیا۔ بنی اسرائیل نے بھی اس کے جواب میں ویسے ہی خوں خوار اور وحشیانہ افعال کئے حتیٰ کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو منع کیا، لیکن انہوں نے ان کی تعلیمات پر عمل نہ کیا۔ اور خشک فقیہانہ بحثوں میں مبتلا ہو کر ایسے ظاہر پرست قسی القلب اور گمراہ ہو گئے کہ خود اپنے پیغمبروں اور ناصحوں کو قتل کرنے لگے۔

حضرت مسیح کی تعلیم

حضرت عیسیٰ کی مختصر زندگی تمام تر اسی کوشش میں صرف ہوئی کہ کسی طرح اُن کے پتھر کے دل موم ہوں، اور روحانیت پیدا ہو۔ مشہور پہاڑی والے وعظ میں جو آپ کی تعلیمات کا گُل سرسبد ہے دیکھو وہ پیغمبر برحق جو روح اللہ ہے کس دل کش طریقے سے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ وعظ انجیل متی باب ۵ تا ۷ میں مذکور ہے جس کا ملخص یہ ہے:۔

سب سے پہلے آپ عجز وانکسار، نرم دلی، رحم، تقویٰ، صفائے باطن، تحمل، اور صبر کے فضائل بیان فرماتے ہیں، پھر ارشاد ہوتا ہے:

"یہ مت سمجھنا کہ میں توریت اور تعلیمات انبیاء کو غارت کرنے آیا ہوں میں صرف اُن کو پورا کرنے آیا ہوں۔ (متی ۵/۱۷)

اس تمہید کے بعد آپ احکام شرعیہ پر تبصرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

ایک حکم یہ تھا کہ قتل مت کرو، اب میری بات سنو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اپنے

ف دوم سلاطین ۳/[illegible] ، اول سموئیل ۱۵/۲ ، یوآگ [illegible]

بھائی پر غصہ کرے وہ بُرا کہے وہ بھی گنہگار ہے اور اگر اس کو یوں پکارے اے احمق تو بھی عذابِ جہنم کا مستحق ہے۔

ایک حکم یہ تھا کہ آنکھ کے عوض آنکھ اور دانت کے عوض دانت لیکن اب میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا بدلہ نہ لو، اگر تمہارے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اُس کے سامنے پیش کر دو۔ اور اگر کوئی تیرے پیراہن پر دعویٰ کرے تو اُس کو چغہ بھی دے دے۔ اور اگر کوئی ایک میل تک تجھے بیگار میں پکڑے تو دو میل تک اُس کے ساتھ چلا جا۔

ایک حکم یہ بھی تھا اپنے ہمسایہ سے محبت اور دشمن سے نفرت کرو پر میری بات سنو اپنے دشمنوں سے محبت کرو، جو تم پر لعنت کریں اُن کو برکت دو، جو تم سے نفرت کریں اُن سے نیکی کرو، اور جو تم کو آزار پہنچائیں اُن کے لئے دعا کرو تاکہ تم آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ۔ دیکھو اُس کا آفتاب نیکوں اور بدوں سب پر چمکتا ہے اور اُس کے بادل عادل اور ظالم سب پر برستے ہیں۔

روحانی تعلیم کے ان نازک پھولوں کو افسوس ہے کہ دلِ یہود کے نیک بختوں نے مسل ڈالا، اور اس معصوم نبی اللہ کو بدنامی مشہور کرکے سُولی پر چڑھانے کے لئے گرفتار کیا، مگر حافظِ حقیقی نے آپ کو محفوظ رکھا۔ انجیل یوحنا ۲۰ میں صاف لکھا ہے کہ مسیح ایک باغبان کے بھیس میں ایک مریدہ مریم مگدلینی کو نظر آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے دن پہ حق کے پاس پہنچ کر سب یہود نے آپ کو چھوڑ دیا تھا، پھر آپ کفن اتار کر دو حواریوں کے ساتھ شہر جیسی بستی میں پوشیدہ رہے اور ہجرت [illegible]

کے بعد اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ اس قرآنی شہادت سے یہود کی یہ شیخی کہ ہم نے مسیح کو مصلوب کر دیا، اور عیسائیوں کی عجوبہ پرستی کہ مسیح آسمان پر قبر سے زندہ ہو کر چڑھ گئے۔ دونوں باطل ہیں۔ رسول اللہ سے قرآن مجید میں یوں خطاب ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ	یعنی تم سے پہلے اے محمد ہم نے
الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ	کوئی بشر ایسا نہیں بنایا جو ہمیشہ
الْخَالِدُونَ۔ (سورۂ انبیاء)	زندہ رہے۔

پس ثابت ہوا کہ عیسیٰ بھی خود بشر تھے۔ اس لئے زندہ نہیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے یہ قصے اسرائیلیات سے جو ہماری تفسیر و حدیث میں درج ہیں، قرآن کی نص اور شہادت کے مقابلے میں قطعاً غلط ہیں۔ رفع قرآنی لفظ کا اللہ نے چشم پوشی سے امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ تعظیماً اور تشبیہاً ہیں نہ کہ آسمان پر جسم اٹھانا اور چوتھے آسمان پر زندہ موجود رہنا پھر قریب قیامت زمین پر اتر کر اسلام کی مدد کرنا محض ایک دل خوش کن افسانہ ہے۔ قطعہ

کشتۂ خنجر تسلیم ترے زندہ ہیں	خضر و الیاس و مسیح یہ ہیں سب افسانے
حسب قرآن یہ کہتا ہے کہ زندہ ہیں شہید	شمع کے نور سے جل بجھتے نہیں پروانے
عالم نور میں زندہ ہیں رہ حق کے شہید	مردہ جو ان کو سمجھتے ہیں وہ ہیں دیوانے

دل کی آنکھیں ہیں کھلی جن کی وہی دیکھتے ہیں
منکرِ نورِ علیٰ نور بھلا کیا جانے

مسیحی دُنیا کا ایک مُغالطہ

چوتھی صدی عیسوی میں جب رومیوں کے بادشاہ قسطنطین نے دینِ مسیحی اختیار کیا اور نصاریٰ محکوم سے حاکم بن گئے تو پھر حضرت مسیح کی رُوحانی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی۔ طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار پیش کر دینے کے عوض شمشیرِ آبدار کے جوہر دکھائے گئے۔ پیراہن لینے والے کو ردا کے عوض دار پر کھینچا گیا۔ دشمنوں سے محبت کرنے کے عوض اس درجہ عداوت بڑھا دی کہ دنیا نمونۂ جہنم بن گئی۔ یورپ کی ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھو مسیحی فرقوں کی باہمی جنگ و جدال، صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ، اسپین کے ہولناک مظالم، پھر دولِ یورپ کی اقصائے عالم پر جائز و ناجائز ہر طریقے سے دست درازیاں، یہ وہ خونی داستان ہے جس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی لیکن ہم کو یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ مسیحی یورپ نے ایسا کیوں کیا، اور اب تک ایسا کیوں کر رہا ہے! ہم کو یہ دکھانا ہے کہ کس طرح روما کا خونخوار بھیڑیا مسیحی بھیڑ کی کھال اوڑھ کر ایک عالم کو فریب دے رہا ہے۔ مذکورۂ بالا پہاڑی وعظ کے ہونے سے مسیحی دنیا نہایت بلند آہنگی سے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ایسی سرتاپا رحم تعلیم کسی مذہب میں نہیں۔ مسیح نے مذہب کے لیے نہ خود تلوار اٹھائی ورنہ اس کے اٹھانے کی اجازت دی لیکن اُن کا یہ دعویٰ واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ خود اسی پہاڑی والے وعظ میں جب حضرت مسیح نے تمہید میں پہلے یہ بیان کر دیا کہ آپ احکامِ توریت کو غارت کرنے نہیں آئے بلکہ

ن کو پورا کرنے آئے ہیں توحید کا حکم باقی رہا۔ ہاں یہودیوں میں جس قسم کی ظاہر پرستی اور قساوت پیدا ہوگئی تھی، اُس کی دُرستی کی طرف آپ نے اپنی اس پاکیزہ تعلیم سے توجہ کی۔ یہ صرف ہماری تشریح نہیں ہے بلکہ ذیل میں ہم مشہور مسیحی پیشوایانِ دین کے اقوال ترجمہ کر کے درج کرتے ہیں،

”مسیحی اصولوں پر جنگ بعض اوقات جائز ہے جیسا کہ گسٹائن کا فتویٰ ہے کہ اگر خدائی حکم سے جنگ کی جائے یا ایک قوم دوسری قوم پر ظلم و جبر روا رکھنے کے لئے حملہ کرے تو یہ حملہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا اور ڈاکہ ڈالنا، اس لئے ایسی حالت میں بھی جنگ جائز ہے .... اگسٹائن نے جو تحریر مرقلینوس کو بھیجی اُس میں بُت پرستوں کا یہ اعتراض رفع کیا ہے کہ پہاڑی والے وعظ کی تعلیم جو عدم مقابلہ پر مبنی ہے وہ پبلک کے حقوق کے خلاف اور ملت کے حق میں مضر ہے حضرت مسیح کا یہ حکم کہ طمانچہ کھا کر دُوسرا گال بھی پیش کر دینا، اس کو محض لفظی معنوں میں لینا نہ چاہئے کیوں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظلم کے مقابلے میں بالقوہ صبر اور فراخ دلی کی خو ڈالی جائے نہ یہ کہ بالفعل بھی ایسا ہی کرتا رہے کیوں کہ خود جناب مسیح نے ظلم کے مقابلے میں اپنی آواز بلند کی ہے۔ (دیکھو یوحنا ۱۹/۲۳ و اعمال ۲۳/۳)

ہم کو ہمیشہ نرمی کی رُوح سے متاثر رہنا چاہئے اور بدی کے عوض نیکی کرنا چاہئے لیکن بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن میں ہم کو صرف ہماری ترحمانہ تعدیہ کا خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ دوسروں کے اصلی مفاد کا لحاظ چاہئے جو اگرچہ ہمارے نرم جذبات کے خلاف ہوں لیکن واقعی اس سے ہیں کہ کسی قدر مشفقانہ درشتی سے عمل کیا جائے

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صلح کی غایت کے لئے جنگ صرف ایک ذریعہ ہے۔ بہتر اور عمدہ بات یہ ہے کہ بجائے جنگ کے صلح کو آشتی کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہئے۔

طامس اکویناس نے جس طور سے رفع تعارض کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے اِن اشارے میں کہ جو کوئی تلوار اٹھائے گا تلوار سے غارت ہوگا۔ تلوار اٹھانے کے معنی ناجائز طور پر اٹھانا ہیں، اور اس ارشاد سے عوام کو بلا حکم شرع تلوار اٹھانے کی ممانعت ہے۔ متی ۳۹/۵ میں اگرچہ لکھا ہے کہ برائی کا مقابلہ نہ کرو اور بدلہ نہ لو۔ لیکن ان احکام کی تعمیل نرم خوئی کے اکتساب سے داخل ہوتی ہے اور اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم بدی کو بغیر سزا دیئے ہوئے راضی رہنے دیں اور ہماری وجہ سے یہ بلا دور نہ ہونے پائے۔ صلح کرانے والوں کو برکت اور جنگ کرنے والوں کو بددعا اگرچہ دی گئی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی صلح کی غایت حاصل کرنے کے لئے صرف جنگ ہی سب سے بہتر اور واحد ذریعہ رہ جاتی ہے۔

لوتھر نے بھی سپاہی کی حمایت زور شور سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل میں قدرتی حقوق اور فرائض تسلیم کئے گئے ہیں۔ کالون کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ عدالت کی عاملانہ کارروائی ہے جسے خدا نے مجسٹریٹ کے سپرد کیا ہے اور اخلاقی حیثیت سے جس طرح پولیس کی ضرورت ہے کہ باشندوں کو بدمعاشوں سے محفوظ رکھے جنگ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے۔

عدم مقابلہ کی تعلیم کے ساتھ ہی مسیح نے مسئلہ جزائے اعمال پر بھی زور دیا آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس اپنی کورانہ درشتی اور عدول حکمی کے باعث تباہ

ہو جائے گا۔ (متی ۱۲:۲۳) اور قیامت کے احوال میں آپ نے بدوں اور توبہ نہ کرنے
والوں کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچ دیا ہے (متی ۲۵:۴۱) پس جب قانون الٰہی میں
یہی ہے کہ بدوں کو سزا دی جائے۔ جب کہ خود خدا جو اگرچہ توبہ قبول کر کے عفو کرتا
ہے۔ باغیوں کو جو اُس کے احکام کسی طرح قبول نہیں کرتے شانِ قہاری کے ساتھ
سزا دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دینِ عیسوی کسی قوم کو طریق الٰہی کے اتباع سے
منع کرے اور بدی کو منع نہ کرے اور عدل قائم نہ ہونے دے۔ عام حقیقت یہ ہے کہ قانون اگر
اپنے مسئلے کو اقوام کے لئے ایک قانون کی حیثیت سے جس پر عمل لازمی کر دیا جائے
جاری کر دیں تو اس حکم لطف کے بین بریں طور سے کہ وہ عالم پہ حکومت کر رہا ہے
تو کوئی الزام نہ ہوتا ہے.....

مسیحی علماء نے مسیح کی مجموعی تعلیم کا ایک جزو پیش نظر رکھ کر فیصلے دیے ہیں،
یعنی وہ مسیح جو اخلاقِ الٰہی کا مظہر تھا جو عدل، محبت اور بُردباری کا آئینہ تھا۔
اس نقطۂ نظر سے دینِ عیسوی ضمیر صاف کے ساتھ ایسی جنگ کی اجازت
دیتا ہے جو بہ اتباع احکام الٰہی ایسی دنیا میں برپا ہوں جہاں ظلم اور ناانصافی کا
دور دورہ ہو، جہاں اُس کے احکام توڑے جائیں، اور جہاں اُس کے حقانی اقتدار کا
مقابلہ کیا جائے۔[1]

---

[1] ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۲ صفحہ ۶۷۹ و ۶۸۰

آغازِ غزوات

(سنہ ۲ ھ)

تمہید حضرت مسیحؑ نے اس پُرفتن دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:

مجھے ابھی تم سے بہت سے امور کہنا ہے لیکن اب تم کو اُن کے تحمل کی طاقت نہیں لیکن جس وقت وہ رُوح حق آئے گا وہ تمہیں تمام تر حق کی طرف ہدایت کرے گا، کیونکہ وہ خود اپنے نفس سے کچھ نہ کہے گا، بلکہ جو کچھ سُنے گا وہ کہے گا۔ (یوحنا ۱۶/۱۲)

وہ رُوحِ حق جس کی شان یہ تھی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ آخر آگیا، جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی منادی کے ساتھ تشریف لایا! اُس نے مکے میں تیرہ برس تک نہایت صبر و تحمل کے ساتھ حضرت مسیح کی شانِ جمالی دکھائی، اور ایسے نفوس کو شیفتۂ حق بنا دیا جن کا صدق، عدل، حلم اور رحم دنیا کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ پھر جب وہ مدینے آیا اور اُس قوم سے سابقہ پڑا جس نے مسیحؑ کو دار پر کھینچا تھا تو اس نے حضرت موسٰے کی شانِ جلالی کا جلوہ اس طور سے دکھایا جس میں وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔

ارباب سیر اور مغازی نے غزوات کا آغاز اس طور سے کیا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ وجوہ و اسباب کیا تھے جن کی بنا پر اس طرز عمل کے بدلنے کی ضرورت پیش آئی جس کو تیرہ برس تک مکے میں آنحضرت اور آپ کے اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس فن کے سب سے قدیم اساتذہ ابن اسحاق اور واقدی ہیں جو ایسے زمانے میں تھے جب مسلم اور غیر مسلم سب سے دین و مذہب کے لئے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے اور اس لئے انہوں نے مستقل طور پر ان وجوہ پر بحث نہیں کی۔ لیکن اس دور تہذیب میں جب کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر دندان آز تیز کر کے جنگ کا شکار سیاسیات کی ٹٹی کی آڑ سے اس طرح کھیلتے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ آنحضرت پر اس وجہ سے کہ آپ نے جہاد کیا، جس طرح کے اعتراض خاص کر مستشرقین یورپ کی زبان سے نکلتے ہیں سچ ہے المرء یقیس علی نفسہ۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہجرت کے ایک ہی سال کے اندر یہود مدینہ کی ریشہ دوانیوں اور منافقین کی خفیہ سازشوں سے قریش کے خونخوار ارادوں میں نئی قوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے مدینے پر حملہ اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی کارروائی شروع کر دی۔ نہ صرف مہاجرین بلکہ انصار بھی جنہوں نے ان کو پناہ دی تھی زیارت کعبہ سے روکے جانے لگے اور غریب اور بے بس مسلمان جو مکے میں باقی رہ گئے تھے ظلم و ستم کے ساتھ ترک اسلام پر مجبور کئے جانے لگے ان حالات میں آنحضرت نے سب سے پہلے باشندگان مدینہ سے جن میں

اور اس میں لڑائی منع تھی اس کی تاریخ تھی، لوگوں کو شک ہوا کہ رجب ختم ہوا یا نہیں۔ بہرحال مسلمانوں کی طرف سے واقد بن عبداللہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر سے مار ڈالا۔ پھر عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ اور قافلہ والوں سے شراب ادیم اور مویز کے بار ہاتھ لوٹ لیا۔ پھر مدینے پہونچ کر عبداللہ بن جحش نے خمس نکال کر مال غنیمت ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت نے غزوۂ بدر سے لوٹ کر یہ مال تقسیم کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس سریہ میں عبداللہ بن جحش کو امیر المؤمنین کا خطاب ملا۔

واقدی اور ابن اسحاق کی روایات کا موازنہ

سے دیکھو واقدی۔ سیرت ہشام
ابن اسحاق بحوالہ طبری

ابن اسحاق زہری کے سلسلے سے عروہ بن زبیر سے یوں روایت کرتے ہیں

رسول اللہ صلعم نے رجب میں عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کرتے وقت ایک سربمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد کھولنا، اور اس کے مطابق عمل کرنا، اور اپنے کسی رفیق کو مجبور نہ کرنا۔ دو دن کے بعد عبداللہ نے جب وہ تحریر کھولی تو اس میں لکھا تھا:

اذا نظرت فی کتابی ھذا	جب یہ میرا خط دیکھو تو روانہ
فامض حتی تنزل نخلۃ بین	ہو۔ یہاں تک کہ نخلہ میں جو مکہ
مکۃ والطائف فترصد بھا	اور طائف کے درمیان ہے جا کر

ے طبقات ابن سعد جزء ثانی صفحہ ۵

ابن اسحاق کے اس صاف اور واضح بیان کے مقابلے میں کیو واقدی کی
روایت معتبر ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کی غلط بیانی اور ضروری فروگذاشتیں
مشاہیر علماء اور ائمہ دین کے نزدیک ثابت ہیں لیکن مستشرقین یورپ انہیں روایت
کو اپنا ماخذ قرار دے کر گرفت کرتے ہیں۔ دیکھو یہاں واقدی نے آنحضرت کی مہر بند
تحریر کا ذکر چھوڑ دیا۔ حالاں کہ اگر ابن اسحاق کی روایت سے قطع نظر کریں تو درایتاً
یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الثانی میں کرز بن جابر کے حملے کے بعد ہی آنحضرت کو فوری
ضرورت اس امر کی پیش آئی کہ چند صحابہ کو قریب مکہ بھیج کر قریش کی نقل و حرکت کی
خبر منگوائیں لیکن چونکہ رجب کا مہینہ تھا اس لئے شہر حرام کی حرمت کے خیال سے
اور اس لحاظ سے کہ مسلمان جو اپنے مویشی لٹ جانے سے برافروختہ ہیں قریشیوں کو
دیکھ کر عنفت کارروائی نہ کریں تحریری حکم دیا تھا۔

قریش نے مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بند کیا تھا۔ اب سوائے اس کے کہ ہیں
راہیں مسدود ہو جائیں اور کیا صورت تھی۔ قریش چونکہ تجارت پیشہ تھے ان کے
قافلے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے مجزان اسدمہ کو ایک مختصر قافلہ ملا جس کے ساتھ
چار قریشی سردار تھے۔ مسلمانوں کی طرف صرف چھ شخص تھے کیوں کہ سعد اور عتبہ اونٹ
کی تلاش میں گم ہو گئے تھے۔ گمان ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کو دشمن نے پکڑ لیا یا مار ڈالا۔
مسلمانوں پر چونکہ ستم قریشیوں نے اس وقت تک کئے تھے وہ کاٹنے کی حسرت
رکھتے تھے۔ اب اگر واقد نے اپنے نبی کے حکم تحریری کے خلاف تیر چلا دیا اور جنگ ہو
میں بھی دورہ کے محافظین نے بھی ایسی ہی خلاف ورزی کی تھی جب کہ [illegible]

اور دشمن کو مار ڈالا پھر مال چھین لیا تو جنگی قاعدہ اور اُس زمانے کی روش کے مطابق کیا برائی تھی۔ قریش نے جو کچھ اعتراض کیا وہ صرف شہر حرام میں لڑنے کے متعلق تھا۔ لیکن اپنے لئے تو شہر حرم کی آڑ پکڑنا لیکن مجاورین حرم کو ظلم و ستم کے ساتھ حرم سے نکال دینا اور زیارت کعبہ سے روک دینا اتنا ہی نہیں بلکہ پردیس میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دینا، یہ کیا انصاف تھا؟

افسوس واقدی نے تحقیق اور احتیاط سے کام نہ لیا۔ اذن قتال سے پہلے، جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں تین سرایا بھیجنے کی غلط روایت کر دی پھر ہر سریہ اور غزوہ کی وجہ میں یعترض عیرا لقریش (قافلۂ قریش سے تعرض کرنے کے لئے) لکھ دیا۔ حالاں کہ ابن اسحاق نے عیر (قافلہ) کا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی نقل و حرکت کی اطلاع مدنظر تھی نہ قافلہ لوٹنے کی کارروائی۔

تحویل قبلہ

واقعہ نخلہ کے دو ہی ہفتے کے بعد وسط شعبان میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ آنحضرت جب تک مکہ میں مقیم رہے کعبے میں مقام ابراہیم کے سامنے بیت المقدس کی جانب نماز ادا فرماتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینے میں آپ نے اس وقت تک بیت المقدس کی جانب نماز ادا کی۔ یہود فخریہ کہتے تھے کہ

[illegible] یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل (سورۃ البقرۃ)

اسلام بھی بہرحال انہیں کے قبلے کی طرف سرِ نیاز جھکاتا ہے۔ لیکن اسلام نے ابتدا ہی سے اہلِ کتاب کے ساتھ باہمہ و بے ہمہ روش اختیار کی تھی وہ ایک ایسی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا تھا جو یہودیت اور نصرانیت کے وسط میں تھی۔ یعنی دونوں کی افراط و تفریط، غلو اور ظاہریت سے ممتاز تھی۔ وہ ان سب کو ابراہیمی دائرۂ ملّت میں لانا چاہتا تھا۔

بیت المقدس حضرت سلیمان کے عہد میں تعمیر ہو کر قبلۂ بنی اسرائیل قرار پایا تھا، لیکن صدیوں پیشتر بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم نے پہلا خانۂ خدا یعنی کعبہ تعمیر کیا تھا جو اس کا مستحق تھا کہ دونوں اسی کی طرف منہ کر کے مشترکہ طور پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں اور اُمّتِ وسط کا خطاب پائیں۔ پس ہم تحویلِ قبلہ کے ضمن میں یہ اہم نکتہ بھی سمجھا دیا گیا کہ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مکان کی کچھ قید نہیں صاحبِ مکان چاہیے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایک اور نکتہ سمجھایا کہ صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا اور اس کو اپنا قبلہ قرار دینا اصل عبادت اور روحِ دین نہیں ہے بلکہ

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا	نیکی یہ نہیں کہ پھیرو منہ اپنا مشرق
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	و مغرب کی طرف مگر نیکی اس کی
وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ	ہے کہ ایمان لایا اللہ پر اور آخرت
مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ	اور نبیوں پر اور اس کی محبت پر

وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى
حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى
وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي
الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ
الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ)

مال دیا قرابت والوں یتیموں
مسکینوں اور مسافروں اور سوال
کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے
میں اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ
دی اور پورا کرنے والے ہیں
اپنے عہد کے جب عہد کریں اور
صبر کرنے والے ہیں تکلیف اور
بیماری اور جنگ میں وہی ہیں
جو سچے ہیں اور وہی پرہیزگار
ہیں۔

تحویلِ قبلہ کا حکم یہود کو نہایت شاق گزرا۔ اور ان میں سے جو منافقانہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ شریک عبادت ہوتے تھے، ان کے نفاق کا راز فاش ہو گیا۔ کیونکہ بیت المقدس کو ترک کرنے کے ساتھ ان کی قومی اور مذہبی ہستی وابستہ تھی جو دونوں اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ یہود جب برملا عداوت پر آمادہ ہو گئے تو مدینہ کی حالت بیرونی اور اندرونی دشمنوں کے باعث نہایت مخدوش ہو گئی۔

غزوۂ بدر الکبریٰ

(سنہ ۲ ھ)

قدیم شہادتیں

اس غزوہ کے حالات قرآن مجید کی سورۂ انفال میں جو بالاتفاق جنگ کے بعد ہی نازل ہوئی تفصیلی طور پر مذکور ہیں۔ تاریخی حیثیت سے یہ سب سے قدیم پہلی شہادت اس واقعہ کے متعلق ہے۔

دوسری قدیم شہادت عروہ بن زبیر کا ایک خط ہے۔ جو انہوں نے عبدالملک ابن مروان کے استفسار پر اس واقعہ کے متعلق لکھا تھا اس خط کو طبری نے سلسلۂ اسناد کے ساتھ اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ واقعہ نخلہ کا حوالہ دیتے ہوئے عروہ اپنے خط میں یوں لکھتے ہیں:

وكانت تلك الوقعة	اور یہی واقعہ تھا جس کے باعث
هاجت الحرب بين رسول	رسول اللہ اور قریش میں جنگ بپا
الله صلى الله عليه وسلم وبين	ہو گئی اور یہی پہلا واقعہ تھا جس
قريش واول ما اصاب به	میں بعض نے بعض کو صدمہ پہنچایا
بعضهم بعضا من الحرب	اور یہ ابوسفیان اور اس کے گروہ
وذلك قبل خروج ابي سفيان و	کی روانگی شام سے پہلے پیش
اصحابه الى الشام	آچکا تھا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۸۴)

واقعہ نخلہ میں قریش کا ایک شخص حضرمی قتل ہو چکا تھا اور دو قید ہو گئے تھے۔ قریش کے جوش انتقام کی اب کوئی حد نہ تھی۔ عقیدہ ثار کے مطابق اُن کو اپنے مقتول کا بدلہ لینا ضروری تھا، پھر قافلے کے لُٹ جانے سے وہ ہوشیار ہو گئے تھے کہ پھر ایسا واقعہ پیش نہ آئے۔ ابو سفیان ایک بڑا سرمایۂ تجارت لے کر ستر آدمیوں کے ساتھ (بعض روایتوں میں چالیس ہیں، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے) شام کی طرف جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا قریش اور ابو سفیان نے حفظ ماتقدم کے لحاظ سے ضروری کارروائیاں نہ کی ہوں گی۔ اب دیکھو مدینے میں کیا ہو رہا تھا، قرآن میں مذکور ہے:

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ	جس طرح نکالا تجھے تیرے رب
بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا	نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ	اور بے شک ایک گروہ ایمان
يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ	والوں سے ناخوش تھا جھگڑتے
مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ	تھے تجھ سے حق میں بعد اس کے
إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ	کہ ظاہر ہو گیا گویا کہ وہ چلائے جاتے
وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى	ہیں موت کی طرف اور وہ دیکھ رہے
الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ	ہیں۔ اور جب وعدہ کیا تم سے اللہ
وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	نے ایک کا دو گروہوں سے کہ وہ
الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ	تمہارے لئے ہے۔ اور تم دوست

اُس کے ذرائع مخالفت کو بند کر دینا شرعاً اور اخلاقاً دونوں طور پر جائز تھا لیکن آنحضرت فتنہ و فساد کی جڑ کاٹنا چاہتے تھے نہ عاضی فائدہ اٹھانا۔ ابن اسحاق اور واقدی نے اس پر غور نہیں کیا۔ انہوں نے مختلف راویوں کے اقوال پیش نظر رکھ کر اور ایک کا قول دوسرے میں مخلوط کر کے اپنے طور پر ایک مسلسل قصّہ بدر تحریر کر دیا، جیسا کہ ابن ہشام نے اس غزوہ کے تحت میں صاف لکھا ہے۔ پھر متاخرین نے آنکھ بند کر کے اس قصّے کو نقل کرنا شروع کیا۔

محدّث طبری کا البتہ یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مختلف روایات متعلق غزوۂ بدر کو بغیر مخلوط کئے ہوئے علیٰحدہ علیٰحدہ سلسلۂ اسناد کے ساتھ اپنی مشہور معرکۃ الآرا تاریخ میں نقل کیا۔ "ذکر واقعہ بدر الکبریٰ" کے تحت میں انہوں نے تین مختلف ذرائع سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے:

(۱) اوّل عروہ ابن زبیر کا خط عبد الملک کے نام جو انہوں نے اس کے استفسار پر تحریر کر کے دمشق بھیجا تھا۔

(۲) دوم ابن اسحاق کی مسلسل داستان۔

(۳) وہ روایت جو انہوں نے خود سنی اور جس کا سلسلہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل نے مُسند اور بیہقی نے دلائل میں نقل کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ اس میں صاف مذکور ہے:

فلما یدخنا ا لمن	پس جب ہم کو معلوم ہوا کہ
المشرکین قد اقبلوا	مشرکین بڑھ آئے رسول اللہ

شمال و مشرق جانب پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ جنوب کی طرف پہاڑوں کی چٹانیں اور جانب غرب ریت کے ٹیلے تھے۔ ان ریت کے ٹیلوں میں ایک ٹیلہ عقنقل کے نام سے مشہور تھا اس ٹیلے اور بدر کے بیچ میں وادی یلیل کے بالائی سرے میں فوج قریش اور نشیبی حصے میں آنحضرت بماعت مومنین لے کر اُترے۔ اس وقت قافلہ ابوسفیان وادی کے نیچے سے سمندر کے کنارے کنارے غیر معروف راستوں سے گذر گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے:

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ	جب تم کنارہ نزدیک میں تھے
الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ	اور وہ کنارے دور میں اور قافلہ
الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ	تم سے نیچے اور اگر وعدہ کرتے
مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ	تم پیچھے رہ جاتے وعدہ میں
لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ	مگر تا کہ اللہ وہ کام کر دے جو
وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا	مقرر ہو چکا تھا تاکہ ہلاک ہو
كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ	جو ہلاک ہو دلیل سے اور جیئے
هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ	جو جیئے دلیل سے اور بے شک
مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ	اللہ سنتا جانتا ہے۔
اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ۔	(سورۂ انفال)

حق و باطل کے فیصلے کے لئے قدرت نے عجیب سامان پیدا کر دیا۔ قریش اگرچہ حق کو مٹانے کے لئے تُلے بیٹھے تھے لیکن مجموعی حیثیت سے سب یک جہت نہیں

آئے تھے کیوں کہ ان میں سے اکثر ایسے سردار تھے جن کے قریبی رشتہ دار مسلمان ہو گئے تھے اور اس لئے وہ کشت و خون نہیں چاہتے تھے۔ بنی ہاشم میں بھی جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی خاندانی عصبیت کے لحاظ سے لڑنا گوارا نہیں کرتے تھے لیکن ابوجہل اور اُس کے ہم خیال دشمنانِ دین کے سمندِ غرور کو قافلہ ابوسفیان ایک اور تازیانہ ہو گیا۔ اور وہ جوش و خروش اور ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار کی مسلح جمعیت جن میں رسالے کے سو سپاہی تھے ساتھ لے کر مکہ سے نکلے اور قافلے کے صحیح و سلامت نکل جانے کی اطلاع پا کر بھی اپنے خونخوار ارادوں کو عمل میں لانے کے لئے بدر پہنچ گئے۔

آنحضرتؐ بھی قریب شام وہاں پہنچے اور اپنے جاسوسوں سے معلوم کر کے کہ فوج قریش نے وادی میں پڑاؤ ڈال دیا ہے وہیں دوسری جانب قیام فرمایا قرآن میں میدان کی حالت یوں مذکور ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ	جب تم فریاد کرتے تھے اپنے
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ	رب سے پھر قبول فرمایا کہ
أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ	میں مدد کرنے والا ہوں تمہارا
الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا	ہزار فرشتوں سے آگے پیچھے
جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ	آنے والے اور نہیں بنایا یہ
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ	مدد کو اللہ نے مگر خوش خبری

لہ بخاری جزو ثانی صفحہ [illegible]

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	تاکہ مطمئن ہوں اس سے تمہارے
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	دل اور مدد نہیں مگر اللہ کے
اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ	یہاں سے بے شک اللہ غالب
اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ	حکمت والا ہے جب ڈھانک لیا
عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	تم کو غنودگی سے امن اس کی طرف
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ	سے اور اتارا تم پر آسمان سے
وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ	پانی تاکہ پاک کرے تم کو اور دور
الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى	کرے تم سے نجاست شیطان
قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ	کی اور باندھ دے تمہارے دلوں پر
الْاَقْدَامَ (سورۂ انفال)	اور ثابت کردے اس سے قدم

تائیدِ غیبی آنحضرت جس مقام پر اترے وہ مدینہ کی جانب وادی کا نشیبی حصہ تھا۔ پانی کی قلت، زمین ایسی ریتیلی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ پھر جس وقت ایک قریشی غلام سے جسے مسلمانوں نے کنوئیں پر پانی بھرتے ہوئے گرفتار کر لیا تھا، فوجِ دشمن کی تعداد کا اندازہ معلوم ہوا تو اُن کے دل بیٹھنے شروع ہوئے معاً قدرتِ الٰہی نے وَتَبَسَّمَتِ الرَّحْمَةُ بِحَمْدِهٖ وَالسَّمَاءُ اَرْكَانُهٗ مِنْ خَشْيَتِهٖ کا کرشمہ دکھایا، ابرِ رحم گھر آیا بارش شروع ہوئی اور چونکہ فوجِ اسلام نشیبی حصے میں تھی پانی اوپر سے بہہ بہہ کر نیچے جمع ہونے لگا اب کیا تھا مسلمانوں نے پانی کو محفوظ کر کے جا بجا چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے ریت

بجھ گئی۔ قدم جمنے لگے اور نقل و حرکت کے لئے آسانی ہو گئی۔ ان سب چیزوں سے بڑھ کر ایک اور بات حاصل ہو گئی یعنی عین مشکل کے وقت آسانیوں کے پیدا ہو جانے سے اطمینانِ قلب، اصل یہ ہے کہ نہ کچھ قلت و کثرت پر مدار ہے اور نہ ظاہری ساز و سامان پر بس خدا ہی کی مدد پر بھروسہ چاہئے جس سے قلب میں قوت اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ فرشتے نورانی مخلوق ہیں وہ برق و باد کے گھوڑوں پر سوار قلبِ مومن میں جولانی دکھاتے ہیں اور بے آواز صدا سے تائید الٰہی کی بشارت دیتے ہیں

آنحضرت کی حالت

اب آنحضرت کی حالت ملاحظہ ہو۔ طبری میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے:۔

وبات رسول اللہ صلی	اور شب گزری رسول اللہ صلعم
اللہ علیہ وسلم یناشد ربہ	نے اپنے رب سے مناجات کرتے
اللہم ان تہلک ہذہ	ہوئے الٰہی اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا
العصابۃ لا تعبد فی	تو پھر تیری عبادت زمین پر نہ ہوگی
الارض فلما ان طلع	پس جب صبح ہوئی موذن نے
الفجر نادی الصلوٰۃ عباد	پکارا اے بندگانِ خدا نماز کو
اللہ فجاء الناس من تحت	چلو پس لوگ درخت اور ڈھالوں
الشجر والحجف فصلی	کے نیچے سے نکلے رسول اللہ صلعم
بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ	نے نماز پڑھائی اور جہاد کے لئے
وسلم وحرض علی القتال	آمادہ کیا۔ (جزو دوم صفحہ ۱۲۶۹)

"ہم محمد کو اس وقت حوالے کریں گے جب اُن کے گرد لڑ کر مر جائیں۔

اور ہم اُن کے لئے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں"

ابوجہل کی عداوت کے حالات انصار میں مشہور ہو چکے تھے۔ وہ اُس سے نہایت جلے ہوئے تھے ان میں سے معاذ و معوذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ جہاں کہیں وہ مردود انہیں ملے گا جان پر کھیل کر اس کو ماریں گے چنانچہ عتبہ کے قتل کے بعد جب قریش نے عام حملہ کیا تو یہ دونوں بھائی عبدالرحمن بن عوف سے اس کا نشان دریافت کر کے باز کی طرح اس پر جھپٹے اور تیزی سے پے در پے حملے کرنے لگے معاذ کی تلوار ابوجہل کی ٹانگ پر اس زور سے پڑی کہ پنڈلی الگ ہو گئی اور وہ گر پڑا یہ دیکھ کر عکرمہ بن ابوجہل نے معاذ کے شانے پر ایسی تلوار ماری کہ ہاتھ لٹک گیا مگر تسمہ باقی رہا اس درمیان میں معوذ نے ابوجہل کو کاری زخم لگایا اور وہ دم توڑنے لگا معاذ اس حالت میں بھی لڑ رہے تھے۔ آخر جھولتے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر الگ کر دیا۔

قریش کے منتخب سرداروں کے مارے جانے سے فوج میں ابتری پھیل گئی تھی۔ حضرات حمزہ، علی اور زبیر کے شیرانہ حملوں اور انصار کی بے مثل جاں نثاری نے دشمن کے قدم جلد اُکھاڑ دیئے اب وہ بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے بڑھ کر اُن کو قتل و قید کرنا شروع کیا۔ ستر قتل اور اسی قدر اسیر باقی مفرور ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف چھ مہاجر اور آٹھ انصار شہید ہوئے۔

ابن اسحاق کی بعض روایتوں کی تنقیح

ابوجہل کے سر کٹنے کی روایت

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آنحضرت نے ابوجہل کی خبر منگوائی۔ عبداللہ بن مسعود نے اور دیکھا کہ زخمیوں میں وہ بدبخت پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے۔ بولے تو ابوجہل ہے۔ اس نے کہا ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے۔ ابن مسعود کو ابوجہل نے مکہ میں اذیت دی تھی اب اس حالت میں اس کو دیکھ کر بطور انتقام کے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ بولا اے بکری چرانے والے دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔ ابن مسعود نے اس کا سر کاٹ لیا اور آنحضرت کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

صحیح بخاری میں قتل ابوجہل کی تین روایتیں منقول ہیں:

اوّل خود عبداللہ بن مسعود سے۔ اس روایت میں بس یہاں تک منقول ہے کہ ابوجہل نے کہا ایک شخص کو اُس کی قوم نے قتل کر دیا تو فخر کی کیا بات ہے۔

دوسری اور تیسری روایت حضرت انس سے یوں منقول ہے کہ ابن مسعود نے ابوجہل کی داڑھی پکڑی تب ابوجہل نے مذکورۂ بالا جملہ کہا۔

لیکن ان تینوں روایتوں میں سر کاٹنے اور آنحضرت کے قدموں پر لا کر ڈال دینا کہیں بھی مذکور نہیں۔ ابن اسحاق نے جو یہ حاشیہ چڑھایا اس کی سند یہ لکھتے ہیں

وزعم رجال من بنی — اور بنی مخزوم کے ایک شخص

مخزوم [illegible] — کا یہ گمان ہے

ابن اسحاق کے بعد ارباب سیر نے وہ سند بھی حذف کر دی اور قصہ نقل کرتے چلے آئے

۱؎ فتوح [illegible] یہ روایت سیرت ہشامی میں بھی نقل ہوئی ہے۔ دیکھو صفحہ [illegible] مطبوعہ [illegible]

ابن اسحاق اور واقدی نے اموی اور عباسی درباروں میں وہ حالت دیکھی تھی جب نام نہاد خلفائے رسول اللہ کے سامنے اُن کے دشمنوں کے سر کٹ کر آتے تھے اور وہ پھولے نہیں سماتے تھے، وہی تصویر شوق داستان سرائی میں دربار رسول کی بھی دکھاتے ہیں پھر متاخرین آنکھ بند کرکے نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری کی یہ خصوصیت ہے کہ نقل روایت میں جزئیات تک کا بھی لحاظ رکھتے ہیں لیکن ابن مسعود کا سر کاٹنا اور دربار میں پیش کرنا نہ خود اُن کی زبان سے مذکور ہے اور نہ حضرت انس بیان کرتے ہیں مگر ابن اسحاق کو ایک مخزومی سے جس کا وہ نام بھی نہیں جانتے پتہ چل جاتا ہے۔

عقبہ ابن ابی معیط کے قتل کی روایت

ابن اسحاق کی یہ ایک دوسری روایت سنو، لکھتے ہیں کہ آنحضرت مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینے چلے تو راہ میں دو قیدی عقبہ ابن ابی معیط اور نضر بن حرث کو قتل کرا دیا۔ عقبہ جس وقت قتل ہونے لگا، بولا، اے محمدؐ! میری بچیوں کی کون خبر لے گا؟ آپ نے جواب دیا آگ[1]!

قبل اس کے کہ ہم اس روایت کی تنقیح کریں تمہیداً دو مقدمات متعلق غزوۂ بدر بیان کرتے ہیں:

(۱) فوج قریش میں جب ابتری پھیل گئی اور وہ قتل و اسیر ہونے لگے تو ارباب سیر اور محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کہہ بھیجا کہ ابوالبختری اگر ملے تو قتل نہ کرنا گرفتار کر لینا۔ ابوالبختری وہ شخص تھا جس نے آنحضرت اور مسلمانوں کو

---

[1] طبری صفحہ ۲۸۶ جزو دوم

مکہ میں سخت اذیتیں دی تھیں لیکن واقعہ شعب ابوطالب میں ترک موالات والی تحریر کے پھاڑنے میں نیک سلوک کیا تھا، اس لئے آنحضرت نے اس کو بچانا چاہا، مگر میدانِ جنگ میں جب ایک صحابی اُس کے قریب آئے اور کہنے لگے رسول اللہ نے اگر تیرے قتل سے ہم کو روکا نہ ہوتا تو میں تجھ کو مار ڈالتا۔ وہ بولا کیا میرے رفیق کے لئے بھی ایسا ہی حکم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، تب ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا ؎

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ حتی یموت او یری سبیلہ

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک مر نہ جائے یا
موت کا رستہ نہ دیکھ لے۔

(۲) اسیران بدر میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور مجمعوں میں آنحضرت کے خلاف جوشیلی تقریر کرکے نفرت پھیلاتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اُکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑوں گا تو گو نبی ہوں تو خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔

اللہ اکبر، جس بزرگ کے جذبات اس قسم کے ہوں اور جو عین میدانِ جنگ میں ایک دشمن کی سفارش کرے وہ دو قیدیوں کو جو بزرگ ہوتے چلے آتے ہوں، یوں بے دریغ قتل کر دے اور ایسا سخت جواب دے جس سے قساوت کی بو آتی ہو۔ ابن اسحاق نے کچھ بیان نہ کیا کہ خاص ان دو قیدیوں کے ساتھ یہ سختی برتی گئی

یوں کیا گیا پھر اس روایت کی سند میں

کہا حدثنی بعض اہل العلم من اہل مکۃ — مکہ کے بعض اہل علم نے مجھ سے یہ روایت کی ہے۔

لکھتے ہیں اور راویوں کا نام نہیں لیتے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان دو قیدیوں میں نضر بن حرث کے متعلق ابن ہشام لکھتے ہیں کہ بدر میں نضر بن حرث کے بعد ابو عزیز نے مشرکین کا علم سنبھالا[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک علم بردار مارا گیا تب دوسرے نے علم اٹھایا۔

اصلی وجہ

اصل یہ ہے کہ چونکہ بدر میں مہاجرین کو انتقام کا پہلا موقع ملا تھا اور انصار اپنے مظلوم بھائیوں کی حمایت میں نہایت برافروختہ تھے اکثر مشرکین قید ہو کر بھی قتل ہو گئے۔ مثلاً ابن اسحاق و بخاری دونوں کہتے ہیں کہ امیہ بن خلف کو عبدالرحمن بن عوف نے اسیر کیا تھا حضرت بلال کی نظر جس وقت اس پر پڑی چونکہ مکہ میں بحالت غلامی اس کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھائی تھی پکار اٹھے۔ اے گروہ انصار یہ امیہ ہے۔ فوراً لوگ دوڑے اور باوجودیکہ عبدالرحمن نے سابقہ رابطہ دوستی کی بنا پر اس کو بچانا چاہا لیکن انصار نے اس کو قتل کر دیا[2]۔

معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ کو بھی کسی مہاجر یا انصار نے یونہی قتل کیا ہوگا اور آنحضرت کے ارشاد کی غلط روایت مشہور ہو گئی۔ غزوات خاص کر بدر کے متعلق بہت سی بے بنیاد روایتیں مکہ میں مشرکین نے پھیلا دیں جو عام طور سے مشہور ہو

۱؎ ابن ہشام جزو دوم صفحہ ۴۴۰ ۲؎ بخاری کتاب الوکالۃ۔ طبری جزو دوم صفحہ ۲۰۲

گئیں۔ بنی اُمیّہ کے عہد میں یہ فسدمادہ اُچھلا۔ ابن اسحاق نے اسی زہریلی ہوا میں ان دو قیدیوں والی روایت بیان کی جو اب نقل ہوتی چلی آتی ہے۔

شہدا اور مقتولانِ قریش کی تدفین

عہد جاہلیت میں عموماً عرب حیات بعد الموت کے قائل نہ تھے ایک بدوی شاعر نے اُن کے خیالات کی ترجمانی اس شعر میں خوب کی ہے ؎

أموت ثم بعث ثم نشر ... حدیث خرافة یا ام عمرو

مر کے پھر زندہ ہونا پھر جینا پھرنا ... یہ تو خرافات باتیں ہیں اے عمرو کی ماں

قاتل سے بدلہ لینے کے لئے اُن کے وہم نے البتہ یہ عقیدہ تراشا تھا کہ ہامہ اور صدیٰ دو پرندے نور ہیں جو مقتول کے سر سے نکل کر آسمان پر چیختے پھرتے ہیں جب تک انتقام نہ لیا جائے۔ لبید ایک نوحہ میں کہتا ہے ؎

فلیس الناس بعدك فی نقیر ... وما ھم غیر اصداء وھام

(ترجمہ) تیرے بعد لوگ نوحہ کرنے والے نہیں ہیں۔ ہاں صدیٰ اور ہامہ جوشِ انتقام میں چیختے رہیں گے۔

قرآن مجید نے ان توہمات کو دور کیا، اور پرزور و مؤثر طریقے پر جزا اور سزا اور آخرت کا یقین دلایا۔ لیکن جاہلیت کے خیالات یکایک دفع نہیں ہوتے۔ جنگ بدر میں چودہ صحابی شہید ہوئے۔ لوگوں نے کہا لو وہ مُردہ اور بے نام و نشان ہو گئے۔ خدائے حی القیوم نے اپنے جاں بازوں کے حق میں یوں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي ... اور نہ کہو انہیں جو قتل کئے گئے اللہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ — کی راہ میں مردہ بلکہ زندہ ہیں لیکن

اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ — تم نہیں سمجھتے۔ (سورۂ بقر)

بے شک شہدا زندہ ہیں مگر ہماری وہ آنکھیں نہیں جو ان نورانی پیکروں کا مشاہدہ کر سکیں، وہ زندہ اور ان کے کارنامے زندہ ہیں۔ ؎

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دشمنوں کے مُردوں کے واسطے بھی رحمت عالم نے تدفین کا اہتمام فرمایا، جس وقت سردار قریش عتبہ کی لاش پیوند خاک ہونے لگی، اُس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہ جو گروہ مہاجرین میں شامل تھے ضبط نہ کر سکے اور اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ آنحضرت نے فرمایا ابوحذیفہ کیا حال ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ میرے باپ میں عقل حلم اور فضل کے صفات تھے مجھے امید تھی کہ وہ نور ایمان سے بھی فائز ہوگا لیکن افسوس اُس نے کفر پر جان دی۔ آنحضرت نے شفقت کے ساتھ غمگین بیٹے کو دعا دے کر کلمات تسکین فرمائے۔[1]

تیسرے دن جب آنحضرت مدینہ روانہ ہونے لگے مقتولین قریش کے مدفن پر تشریف لائے اور عبرت و حسرت کے لہجے میں ایک ایک کو خطاب کر کے فرمانے لگے[2]

"اے اہل قلیب (یعنی گڑھے میں پڑے ہوئے) تم اپنے نبی کے کیسے رشتہ دار

۱؎ طبری جزو ۳ صفحہ ۱۳۸۸ ۲؎ مستشرقین یورپ نولدکی اور مارگولیوث وغیرہ نے اس واقعہ کو ناگفتہ غرور و رعب اور بدی پر محمول کر کے عبارت آرائی کی ہے لیکن ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کہتے کہ غیروں نے تصدیق کی اور تم نے تکذیب۔ تم نے گھر سے نکالا، اور غیروں نے
جگہ دی۔ تم لڑنے آئے اور غیروں نے مدد کی۔ تم نے دیکھا خدا نے جو وعدہ فرمایا
تھا وہ پورا ہوا۔

آپ یوں مشغول کلام تھے کہ صحابہؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا مُردے
بھی سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔[1]

سورۂ انفال

عہدِ جاہلیت میں جنگ و جدال اور قتل و غارت قومی مفاخر سمجھے
جاتے تھے جن کی بنیاد عصبیت، جہالت، تعلّی اور لغویت پر تھی
جیسا کہ بسوس، داحس اور فجار وغیرہ لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے
اسلام کی تعلیم تمام تر تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ قلوب تھی، چونکہ مکہ میں اذنِ قتال
نہ تھا جنگ سے متعلق اصلاحات کا کوئی موقع نہ تھا، لیکن جب مدینہ میں سنہ ۲ھ
سے لڑائی کا سلسلہ شروع ہوا تو قرآن نے ان نام نہاد قومی مفاخر کی بنیادیں
ہلا دیں، اور عدل و انصاف کی ترازو قائم کی اور آہستہ آہستہ عہدِ جاہلیت کے رذائل
دور کرنا شروع کئے۔ سریہ نخلہ میں یہ وہی جہالت کا اثر تھا کہ رسول اللہ کی تحریر کے
خلاف قتل و غارت کا واقعہ پیش آیا۔ غزوۂ بدر میں مدینے سے نکلتے وقت مسلمانوں
کا ایک فریق اسی جاہلیت کے شوق غارت گری میں نکلا تھا۔ میدانِ بدر میں بھی
جب کفار کو شکست ہوئی تو وہی جاہلیت کے جذبات تھے کہ بعض قبیلوں کو بھی
بے دریغ قتل کر دیا اور مالِ غنیمت کی تقسیم پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ آنحضرت نے

---

[1] بخاری کتاب المغازی

لڑائی میں کام تقسیم کر دیے تھے۔ کچھ لوگ محافظت مدینہ پر مامور تھے کچھ عین میدان میں مصروف پیکار رہے لیکن تیغ زن سب خود ہی لینا چاہتے تھے۔ پھر جس کے ہاتھ جو چیز لگی اُس پر بطور خود قابض ہونا چاہتا تھا۔

غنیمت کی تشریح اور اُس کی غایت

لیکن یہ جاہلیت کی جنگ نہ تھی یہ ایک دینی فرض تھا جو وقت ضرورت رسول کی ہدایت میں ادا کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ	پوچھتے ہیں تجھ سے مال غنیمت
الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ	کے متعلق کہہ دے غنیمتیں اللہ و
لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (الآیۃ)	رسول کے لئے ہیں۔

غنیمت کے عوض انفال کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں جہاد کی غایت غلبۂ اسلام یا پھر حصول شہادت۔ غنیمت گویا زائد آنی ہے اس لئے انفال کا لفظ استعمال ہوا اور فرمایا غنائم تمہارے کسب ہیں۔ خدا سے ڈرو اور اپنے معاملات میں اصلاح کرو۔ جب تم نے خدا و رسول کی اطاعت میدان جنگ میں جان پر کھیل کر کی تو اب بعد جنگ بھی سر اطاعت جھکاؤ۔ ایمان کی یہی نشانی ہے کہ ہر حال میں جب خدا کا ذکر ہو دل میں خشیت پیدا ہو اور سب باتوں کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ نماز کی پابندی کرو اور خیرات کی عادت ڈالو غنیمت ذریعہ معاش نہیں اعمال حسنہ رزق کریم ہیں۔

پھر جنگ بدر کے مختصر واقعات بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ	پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن
اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ	اللہ نے قتل کیا اور نہیں پھینکا تو نے
رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔	جب پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا

فاعل حقیقی وہی ایک ذات پاک ہے

دیکھو کس موقع پر کیسی خوبی سے علت و معلول کی بحث پر روشنی ڈالی اور فاعل حقیقی کی یاد دلائی!

مدینے سے نکلتے وقت ایک فریق لشکر اندر سے ایسا خائف تھا کہ گویا موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ بدر پہنچ کر جب فوج قریش بڑے کروفر سے سامنے آئی تو مسلمانوں کے دل بیٹھنا شروع ہوئے۔ اس وقت خدا نے اپنی رحمت نازل کی۔ قلوب کو طمانیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے آسانی سے میدان مار لیا۔ اب یہ کہنا کہ ہم نے یوں حملہ کیا یوں تلوار ماری یوں کافر قتل کئے، انانیت نہیں تو کیا؟ انسان بھی عجیب مخلوق ہے مصیبت میں خدا یاد آتا ہے لیکن جب وہ حالت ٹل جاتی ہے اپنی خودی کے نشے میں اس کو بھول جاتا ہے۔ مصیبت میں جبر کا احساس ہوتا ہے اور راحت میں اختیار کا دعویٰ لیکن جبر و قدر لفظی نزاعیں اور منطقی مغالطے ہیں بات ان کو چھوڑ کے کہ سلسلہ اسباب میں سبب در مسبب کے نقش پر غور کرے۔ علت و معلول کے پیچھے مقدر اور تقدیر کا نام ہے بجز دو تحقیق کو اس میں دخل نہیں۔ فاعل حقیقی وہی ایک ذات پاک ہے

ہمارے راویوں نے اس پاکیزہ تعلیم پر جو توحید کی جان اور توکل کی روح ہے روایت کا پردہ ڈال دیا ہے اور کہنے لگے کہ لڑائی شروع ہوتے وقت آنحضرت نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر کافروں پر پھینکی وہ سب بھاگ گئے؛ اُس دن قتل ہوا بہ جاں

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ	آخرت اور اللہ غالب حکیم ہے اگر نہ
مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا	ہوتا لکھا خدا کی طرف سے پہلے سے
أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝	البتہ تم پر اس لے لینے کی باعث
فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا	پہنچتا بڑا عذاب پس کھاؤ اس سے
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ	جو تم کو غنیمت ملا حلال پاک اور اللہ
رَّحِيمٌ ۝ (سورۂ انفال)	سے ڈرو بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت قیدیان بدر کے معاملے میں نازل ہوئی، ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں لیکن اس قدر اضافہ کرتے ہیں کہ لڑائی کے وقت اس معاملے کے جزو ضعیف ہیں، ان کو ملا کر اس آیت کی تفسیر کرنا چاہیے مطلب آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے اثخان فی الارض کے معنی اگرچہ خونریزی کے لئے جاتے ہیں لیکن اصل میں غیرت حاصل کرنا اور زور توڑنا مراد ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ	پھر جب تم ملو کافروں سے پس
كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ	مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب
حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ	خونریزی کر چکو ان کی تو قید کرو مضبوط
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا	پھر چاہو احسان کرو بعد اس کے
بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ	خواہ عوض لو یہاں تک کہ جب
الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (سورۂ محمد)	رکھ دے لڑائی ہتھیار اپنے۔

جنگ بدر میں چونکہ دشمنوں کی قوت ٹوٹی نہ تھی اس لئے یہ تنبیہ نازل

ہوئی کہ اجازت دی گئی کہ ایسی خوں ریزی کے بعد جب کفار کا زور ٹوٹا اور غنیمت
ملی وہ تم کو حلال ہے لیکن خدا سے ڈرتے رہنا اپنی نیتوں کو صاف رکھنا۔

الغرض اسیرانِ بدر سے چار چار ہزار درہم (تخمیناً ایک ہزار روپیہ) فدیہ
قبول کیا گیا، لیکن جو بالکل نادار تھے وہ یونہی رہا کر دیئے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا
جانتے تھے اُن سے یہ شرط ہوئی کہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو یہ فن سکھا دیں،
تب گھر جائیں۔ قیدیوں میں جو زیادہ دولت مند تھے اُن سے معینہ رقم سے کچھ زائد
لیا گیا۔ اُن میں سے آنحضرت کے چچا عباس بھی تھے۔ انصار ان کا فدیہ چھوڑنا چاہتے
تھے، لیکن آنحضرت نے یہ رعایت گوارا نہ فرمائی۔ بلکہ جب آپ کی بیٹی زینب نے
اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو حضرت ام المومنین خدیجہ نے اُن کو
جہیز میں دیا تھا تو جس وقت آنحضرت کی نظر اُس پر پڑی محبت والی بیوی کو یاد کر کے
آبدیدہ ہو گئے، اور فرمایا، مسلمانو! اگر تمہاری خوشی ہو تو بیٹی کو اُس کی ماں کی یادگار
واپس کر دو۔ جاں بازوں نے وہ ہار واپس کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد ابوالعاص کو "رشتہ
در گردنم افگندہ دوست" کی کشش کھینچ لائی اور وہ ایمان لے آئے۔

بدر میں اگرچہ قریش کے منتخب سردار جو سرمایۂ ناز تھے بہ وقت رسائی
رستے تھے قتل ہو گئے، لیکن اُن کے انتقام کا جوش مکہ کے بچے بچے کے دل میں پیدا
ہو گیا۔ پُر زور مرثیے کہے گئے جن سے یہ آگ اور مشتعل ہو گئی۔ آج کل جو کام پریس
سے لیا جاتا ہے وہ اُس زمانے میں اشعار سے لیتے تھے۔ عرب فطرتاً جوشیلے پھر اُن
کے شعر و جذبات کے خرمن میں دیا سلائی کا کام دیتے تھے۔ یہ اشعار ابن اسحاق

نے نقل کیے ہیں۔ مثلاً ہند زوجہ ابوسفیان نے اپنے باپ بھائی اور بیٹے کا مرثیہ لکھا اسی طرح ابوجہل کا مرثیہ اس کے بھائی حرث ابن ہشام نے اور نضر بن حرث کا اس کی بہن قتیلہ نے لکھا ہے۔

غزوۂ بنی قینقاع

مدینے کے یہود بنی قینقاع کے متعلق ہم پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح وہ اسلام کا استہزا کرتے تھے اور تمام تورات سے نفرت پھیلاتے تھے۔ اذن قتال کے بعد جو معاہدہ آنحضرت اور یہود میں ہوا تھا اس میں دشمن کے مقابلے میں باہمی امداد کی بھی شرط تھی لیکن بدر کے بعد بنی قینقاع نے فتح اسلام کی خبر سن کر آتش حسد سے جل کر ایسی حرکات شروع کیں جو امن و امان کے لئے مضر اور عہد کے خلاف تھیں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کی بازار میں سودا لینے آئی۔ ایک یہودی نے اس کے ساتھ فحش مذاق کیا۔ یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے جوش غضب میں حملہ کیا۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودی نے بجائے اس کے کہ نفس معاملہ پر غور کرتے آشتی کے ساتھ چارہ جوئی کرتے۔ اس مسلمان کو فوراً قتل کر ڈالا جس سے فریقین میں مخاصمت کی آگ بھڑک گئی۔ آنحضرت بنی قینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا خدا سے ڈرو۔ لیکن ان لوگوں کو اپنی قوت اور ہتھیاروں کے ذخیرے پر ناز تھا۔ بولے ہم قریش نہیں ہیں ہم سے جب معاملہ پڑے گا معلوم ہو جائے گا۔ واقعات کی یہ صورت تھی جس کی بنا پر بنی قینقاع

لے ابن ہشام جزو دوم صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۳۱

اور ابن سعد دونوں لکھتے ہیں کہ یہود میں پہلے بنی قینقاع نے عہد شکنی کی۔

آنحضرت بدر سے واپس آکر شوال میں ان کے مقابلے کو نکلے، وہ قلعہ بند ہو گئے، مگر پندرہ دن کے محاصرے کے بعد عاجز آکر اس پر راضی ہوئے کہ آنحضرت جو فیصلہ فرمائیں وہ ان کو منظور ہے۔ عبداللہ بن ابی اُن کا حلیف تھا، اُس نے سفارش کی چنانچہ مدینہ سے یہ لوگ اپنی جائداد چھوڑ کر جلاوطن ہو گئے اور شام کے سرحد میں آباد ہو گئے۔

غزوۂ السویق

ابوسفیان نے واقعۂ بدر سے جوش میں آکر قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لوں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا نہ غسل کروں گا۔ اس امید پر کہ یہود مدینہ سے مدد ملے گی اُس نے اسی سال کے آخر ماہ ذی الحجہ میں دو سو تیز رفتار شتر سوار ہمراہ لیے اور رسد کے لئے صرف سویق یعنی ستو ساتھ لئے۔ تاریکی شب میں مدینے کے قریب پہونچ کر وہ پہلے حیی بن اخطب یہودی کے پاس گیا، مگر اس نے دروازہ نہ کھولا۔ تب سلام بن مشکم جو قبیلہ بنی نضیر کا ایک متمول سردار تھا اُس کے گھر آیا، اُس نے گرم جوشی سے استقبال کیا اور مدینے کے مخفی راز بتلائے۔ صبح کو ابوسفیان نے یکایک عریض پر جو مدینے سے تین میل ہے چھاپہ مارا۔ ایک انصاری کو قتل کیا اور چند مکانات اور اُن کے انبار جلا دیئے۔

آنحضرت کو خبر ہوئی فوراً تعاقب کو نکلے مگر چونکہ ابوسفیان اپنے نزدیک قسم پوری کر چکا تھا، اور راہ میں ستو کے بورے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

غزوۂ اُحد

(سنہ ۳ ھ)

قریش کی تیاری ابوسفیان نے مدینے پر جو حملہ کیا اگرچہ اپنی قسم پوری کرلی تھی لیکن مجموعی حیثیت سے قومی انتقام باقی تھا جس کے لیے بڑی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ قافلہ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اُس کا زرِ منافع سب انتقام جنگ کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور کوشش کی گئی کہ قبائل عرب بھی شریک ہو جائیں۔ چنانچہ ابوعزہ عمرو جمحی ایک مشہور شاعر نے جو جنگ بدر میں گرفتار ہوا تھا اور جسے آنحضرت نے اُس کے افلاس کے باعث احسان رکھ کر چھوڑ دیا تھا مع ایک رفیق شاعر کے قبائل میں گشت کرکے اپنے پرجوش اشعار سے تمام ملک میں آگ لگا دی یہاں تک کہ بنی کنانہ اور بنی تہامہ قریش کے شریک ہو گئے۔

مدینے کے قبیلہ اوس کا ایک باثر ابوعامر جسے اس کی زہد و عبادت کی وجہ سے راہب کہتے تھے اور ہجرت رسول اللہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد آتش حسد و حسد سے جل کر مع پچاس متوسلین کے مدینہ چھوڑ کر مکہ میں مقیم ہو گیا تھا قریش کا شریک ہو گیا اور لڑنے کے لیے ہمراہ ہو گیا۔ اس کینہ ور راہب نے آنحضرت

میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ غزوۂ حنین میں بھی یہ دشمنوں کا شریک تھا پھر فتح اسلام سے پیچ و تاب کھا کر شام چلا گیا۔ اور قیصر کو آمادۂ جنگ کرنے میں کوشاں رہا سنہ ۹ھ تک اس مفسد کا فتنہ باقی رہا۔ اور یہ منافقین مدینہ سے سازش کرتا رہا جس کی تشریح مسجد ضرار کے سلسلے میں آئندہ بیان ہوگی۔

الغرض قریش نے انتقام کے لئے بڑی تیاریاں کیں۔ ایک اور کارروائی یہ کی گئی کہ معزز خواتین قریش جن کے اعزا بدر میں قتل ہوئے تھے اور جوش انتقام میں دیوانی ہو رہی تھیں ہمراہ لی گئیں، ان میں ابوسفیان، عکرمہ ابن ابوجہل اور عمرو بن العاص کی بیویاں ہند، ام حکیم اور ریطہ مصعب بن عمیر کی ماں خناس بنت مالک خالد بن ولید کی بہن، فاطمہ زوجۂ حرث بن ہشام مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ زوجۂ صفوان بن امیہ خاص طور سے مشہور ہیں۔ جبیر بن مطعم کا ایک غلام حبشی تھا جس کا نام وحشی تھا اور جو نیزہ پھینک کر مارنے میں کمال رکھتا تھا۔ وہ آمادہ کیا گیا کہ کسی طرح حضرت حمزہؓ کو جن کے ہاتھ سے ہند کا باپ عتبہ اور جبیر کا چچا قتل ہوئے تھے فنا کر دے تو وہ اس صلے میں آزاد کر دیا جائے گا۔

آنحضرت کا مدینے سے باہر نکلنا

ان انتقامات کے بعد ابوسفیان تین ہزار فوج کے ساتھ ۳ھ میں مکہ سے نکلا۔ آنحضرت کو جس وقت یہ خبر ملی صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض نے باہر نکل کر لڑنے کی رائے دی مگر بعض شہر کے اندر ٹھہر کر لڑنا چاہتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے جنگ بدر کی طرح اس مرتبہ

۱؎ دیکھو مارگولیوتھ لائف آف محمد صفحہ ۲۲۴

بھی باہر نکل کر لڑنا پسند فرمایا۔ کیونکہ شہر کے اندر منافقین کی شرارت اور یہود کے نقض عہد کا بحالت محصوری اندیشہ تھا۔ ارباب سیر نے اگرچہ ان وجوہ پر کافی غور نہیں کیا لیکن واقعات یہی معلوم ہوتے ہیں۔ عبداللہ ابن اُبی منافق کو جس کی رائے شہر کے اندر ٹھہرنے کی تھی، اب ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ آنحضرت ۵ شوال جمعہ کے دن جب ایک ہزار کی جمعیت سے باہر نکلے تو ابن اُبی تین سو آدمیوں کو لے کر ساتھ چھوڑ کر مدینہ واپس آگیا۔ اب صرف سات سو مہاجرین و انصار ہمراہ تھے۔

مدینے سے جانب شمال و مغرب قریب ایک گھنٹے کے راستے پر ایک پہاڑ تھا جس کو اُحد کہتے تھے وادی کے قریب کوہستانی سلسلے سے یہ الگ نظر آتا تھا۔ وہ مشرق سے مغرب تک چار میل تک پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرت نے اُس پہاڑ کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی مشرق کی طرف کوہ عینین تھا جس میں ایک درہ تھا جدھر سے کفار کے گھس آنے کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت نے پچاس تیر انداز عبداللہ ابن جبیر کی ماتحتی میں حفاظت کے لئے مقرر کئے اور حکم دیا کہ وہ آخر تک وہیں ٹھہرے رہیں اور اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں۔ اب لڑائی کی کیفیت قرآن میں یوں مذکور ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ	اور بے شک اللہ نے تم سے سچا
وَعْدَہٗ اِذْ تَحُسُّوْنَہُمْ بِاِذْنِہٖ	وعدہ اپنا جب قتل کرتے تھے تم
حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ	انہیں اللہ کے حکم سے یہاں تک
فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِنْ بَعْدِ	کہ جب نامردی کی تم نے اور
مَا اَرٰکُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْکُمْ	جھگڑے تم آپس میں اور نافرمانی

مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم	کی تم نے بعد اس کے کہ دکھایا تم
مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ	کو وہ جو چاہتے تھے۔ تم میں سے
صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ	بعض وہ ہیں کہ چاہتے ہیں دنیا
وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَاللَّهُ	اور بعض آخرت پھر پھیر دیا تم کو ان
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ	سے تاکہ آزمائے تم کو اور بے شک
إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ	معاف کیا تم سے اور اللہ صاحب
عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ	فضل ہے مومنوں پر جب تم چڑھے
يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ	جاتے تھے اور نہیں پھرتے تھے
فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ	کسی پر اور رسول بلاتا تھا تم کو
لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ	تمہارے پیچھے سے پھر پہونچا تم کو
مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا	غم پر غم تاکہ نہ رنجیدہ ہو اس پر جو گم
أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ	ہوا تم سے اور اس پر جو پہونچا تم کو
بِمَا تَعْمَلُونَ ۝	اور اللہ خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

جنگ احد میں تین مختلف منظر سامنے آئے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

پہلا منظر قریش کی پسپائی

سب سے پہلے نام نہاد راہب ابو عامر یعنی جمعیت کو لے کر نکلا اور پکارا

اے اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو؟ میں تمہارا ابو عامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا ہاں

اے فاسق! ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں! پھر تیر اور پتھر چلنے لگے۔

قریش کا علم بردار طلحہ مبارز طلبی کرتا ہوا نکلا اور پکارا مسلمانو! تم کہتے ہو کہ تمہاری تلواریں ہم کو دوزخ میں بھیجتی ہیں اور ہماری تم کو بہشت میں۔ اب کوئی ہے جو میرے سامنے آئے میں اُس کو بہشت پہنچا دوں؟ فوراً حضرت علی مرتضیٰ لشکر سے نکل کر اُس کے مقابل ہوئے۔ ذوالفقار کی بجلی چمکی اور چشم زدن میں طلحہ فی النار ہو گیا۔ تب اُس کا بیٹا عثمان علم سنبھالے ہوئے تھا۔ اور نیزہ مارتا ہوا بڑھا مگر حضرت حمزہؓ نے اس صفائی سے اُس کے شانے پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی۔

اب جنگ عام شروع ہو گئی۔ قریش جوشِ انتقام میں دیوانہ وار بڑھے۔ پیچھے پیچھے ہند زوجہ ابوسفیان زنانِ قریش کو لئے ہوئے دف پر اشعار جنگ پڑھتی ہوئی اور جوش دلاتی ہوئی چلی اور تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔

اُس وقت حضرت سعدؓ بن وقاص اور عاصمؓ بن ثابت نے جو مشہور تیر انداز تھے چن چن کر نشانے اڑانے شروع کئے۔ ساتھ ہی حضرات حمزہؓ علیؓ اور زبیرؓ غضب ناک شیروں کی طرح جھپٹے اور اپنی آبدار تلواروں کے جوہر دکھا کر صفیں الٹنے لگے۔ آنحضرت نے دستِ مبارک میں تلوار لے کر فرمایا: کون ہے جو اس کا حق ادا کرے؟ بہتوں بازوؤں نے ہاتھ بڑھائے۔ مگر آپ نے وہ تلوار حضرت ابودجانہؓ انصاری کو جو عرب کے مشہور پہلوان تھے عنایت کی۔ وہ اس عزت افزائی پر ناز کرتے ہوئے سر پر ایک سرخ رومال باندھ کر اکڑتے چلتے تھے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا: یہ چال خدا کو پسند نہیں لیکن ایسے موقع پر روا ہے۔ ابودجانہ بے خوف و خطر لشکر اعدا

میں گھسے اور اس تیزی اور صفائی سے تیغ زنی کرنے لگے کہ لاش پر لاش گرنے لگی بڑھتے بڑھتے یہ اس مقام پر پہونچے جہاں ہند زوجہ ابو سفیان جوش دلا رہی تھی، آپ نے اُس کے سر پر تلوار رکھ دی، پھر فوراً اُٹھا لی کہ رسول اللہ کی تلوار ایک عورت کے خون سے کیا رنگین کریں!

حضرت حنظلہ ابو عامر راہب کے بیٹے ایمان لا چکے تھے، اس موقع پر دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے ابو سفیان تک پہنچے اور جھپٹ کر چاہا کہ فیصلہ کر دیں یکایک ایک کافر نے پہلو سے نکل کر یہ وار کیا کہ یہ وہیں گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے

قریش اپنا علم گرنے نہیں دیتے تھے، ایک علم بردار مارا جاتا تھا تو دوسرا فوراً موجود ہو جاتا تھا۔ اُس دن اُن کے متعدد علم بردار قتل ہوئے یہاں تک کہ اُن کی فوج میں ابتری پھیلنی شروع ہوئی، کچھ لوگ بھاگے اور اُن کے ساتھ عورتیں بھی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے غنیمت سمجھی چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنا شروع کیا۔ درہ عینین کے پاس جو تیر انداز جب تک خاموش اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے اب ضبط نہ کر سکے اور شوق غنیمت میں اپنی جگہ چھوڑ کر دوڑے۔ عبداللہ ابن جبیر اُن کے سردار نے بہت روکا، مگر سوائے چند شخصوں کے کسی نے نہ سُنا۔ آنحضرت نے میدان کا یہ رنگ دیکھ کر لوگوں کو آواز دی کہ ابھی غنیمت نہ کریں لیکن انھوں نے توجہ نہ کی۔

دوسرا منظر فوج اسلام کو چشم زخم اور آنحضرت کا زخمی ہونا

خالد ابن ولید نے جس وقت میدان کا یہ نقشہ دیکھا فوراً اپنے سواروں کا

دستہ اور عکرمہ ابن ابی جہل کا رسالہ ساتھ لے کر درّہ کوہ کی طرف حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن جبیرؓ اپنے چند ساتھیوں کے بہادری سے لڑتے ہوئے اسی جگہ شہید ہو گئے۔ خالد نے درّے سے نکلتے ہی پشت پر حملہ کر دیا اور زور و شور سے لڑنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ایک بہادر عورت عمرہ بنت علقمہ نے قریش کا علم جو سرنگوں پڑا تھا اُٹھا کر بلند کیا۔ جس کو دیکھتے ہی کفار پلٹ پڑے اور مسلمان دو طرف سے گھر گئے۔ غضب یہ ہوا کہ اب نہ صفوں کی ترتیب تھی اور نہ بدحواسی میں دوست دشمن کی تمیز۔ حضرت حذیفہؓ غل مچاتے رہے کہ یہ میرے والد یمان ہیں مگر کسی نے نہ سنا اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

حضرت حمزہ کی شہادت

حضرت حمزہ جو دشمنوں سے لڑتے ہوئے دور نکل گئے تھے جب اس مقام پر آئے جہاں وحشی حبشی ایک پتھر کی آڑ میں تاک لگائے بیٹھا تھا، یکایک اس نے حربہ پھینک کر آپ کو مارا جو آپ کے زیر ناف لگا اور پار ہو گیا۔ آپ اس پر جھپٹے مگر زخم کاری تھا لڑکھڑا کر گرے اور وہیں بہشت بریں کو سدھارے۔

آنحضرت کا زخمی ہونا

حضرات ابو دجانہ، زبیر اور علیؓ اور دوسرے شجاعان اسلام میدان میں مختلف مقامات پر تھے کہ یکایک کفار اس مقام پر سمٹ کر آ گئے جہاں آنحضرت قیام پذیر تھے۔ اس وقت جو چند اصحاب آپ کے گرد تھے اپنی جانیں فدا کرنے لگے۔ علم بردار اسلام حضرت مصعب ابن عمیر جو شکل میں آنحضرت سے مشابہ تھے اُن پر ابن قمیہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور وہ

شہید ہو گئے۔ ہر طرف سے تیر، پتھر اور تلواریں برسنا شروع ہوئیں۔ حضرت سعد ابن وقاص تیروں سے دشمنوں کو روک رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے اپنے ہاتھ آنحضرت پر سپر کر دیے، مگر تلوار سے کٹ کر گر پڑا۔ ایک پتھر دہن مبارک پر لگا جس سے دُرِ دنداں شکستہ ہو گئے۔ ابن قمیہ نے بڑھ کر فرق مبارک پر تلوار ماری جس کے صدمے سے مغفر کی دو کڑیاں کٹ کر چہرۂ انور میں چبھ کر رہ گئیں۔ ابن قمیہ نے اب نعرہ مارا اور آپ کی شہادت کا غل مچ گیا۔

مسلمانوں کے دلوں پر بجلی گری، کچھ لوگ مدینے کی طرف بھاگے اور کچھ وہیں پتھروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ پھر بھی چند شجاعانِ اسلام غم و غصہ سے بے تاب ہو کر لڑتے بھڑتے آپ کو تلاش کرتے ہوئے دوڑے۔ کچھ شہید ہو گئے، جن میں حضرت انس بن النضر خاص طور سے مشہور ہیں، انہوں نے چند مسلمانوں کو پتھروں کی آڑ میں دیکھ کر پوچھا "یہاں کیا کر رہے ہو؟" جواب ملا "رسول اللہ شہید ہو گئے، اب کیا کیا جائے؟" بولے "تب بھی تو اٹھو اور جس امر پر رسول اللہ نے جان دی ہم بھی اسی پر جان دے دیں" یہ کہا اور دشمنوں میں گھس کر بے خوف و خطر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اسّی زخم کھا کر فردوسِ بریں کو پہنچے۔

لشکرِ کفار ابن قمیہ کی آواز سے مطمئن ہو چکا تھا، ان کے دل بڑھ گئے تھے اور مسلمان بے دریغ قتل ہو رہے تھے۔ زنانِ قریش جو بھاگ چکی تھیں لوٹ آئیں۔ حبشی نے حضرت حمزہ کا جگر نکال کر ہند زوجۂ ابو سفیان کے سامنے پیش کیا جسے وہ جوشِ انتقام میں چبانے لگی۔ تاریخ نے اس درندگی کو محسوس کر کے [illegible]

پھر اُس دن بدلا لیا جب جگر پارۂ رسولؐ کا سر مبارک دربارِ دمشق میں اُس پلید کے سامنے طشت میں رکھا گیا۔ ہندہ نے اسی پر اکتفا نہ کرکے زنانِ قریش کے ساتھ حق کی راہ میں اور لاشوں کا مثلہ کرکے شہدا کے اعضا کا ہار بنا کر گلے میں ڈالے۔

آنحضرت کے چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ دشمنوں کی طرف دیکھ کر فرمایا "وہ قوم کیوں کر فلاح پائے گی جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے!" پھر درگاہِ باری میں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ — خداوندا میری قوم کو بخش دے

فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ — وہ جانتے نہیں ہیں۔

تیسرا منظر: فوجِ قریش کا میدان چھوڑنا اور آنحضرت کا اُن کے پیچھے ہونا

جاں نثاروں کی ایک جماعت جب آنحضرت کے گرد جمع ہوگئی تو آپ کفار کی کھلی زد سے ہٹ کر پہاڑ کے ایک محفوظ مقام میں تشریف لائے۔ حضرت ابوعبیدہ نے مغفر کی کڑیاں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں جس سے اُن کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ سپر میں پانی لاتے اور زخم دھوتے تھے مگر خون بند نہیں ہوتا تھا۔ حضرت فاطمہ نے جو واقعہ کی خبر سن کر مدینہ سے دوڑی آئی تھیں چٹائی جلا کر زخم میں بھر

اب شام ہو رہی تھی۔ ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے نعرۂ فخر کے ساتھ آنحضرت اور اکابر صحابہ کے نام لے لے کر پکارنے لگا۔ یہ گویا کشتگانِ بدر کا بدلہ تھا جن کی نعش پر آنحضرت نے عبرت کے ساتھ خطاب کیا تھا۔ ابوسفیان

کو جب کچھ جواب نہ ملا۔ بولا، تو وہ سب رخصت ہو گئے۔ پھر جوش مسرت میں اپنے بڑے بُت ہُبَل کی جے پکاری۔ حامیٔ توحید اب خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ زخمی لبوں سے ارشاد فرمایا۔ اب جواب دو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ آنحضرت زندہ ہیں فوراً ایک گروہ ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھا کہ گھس کر پھر مقابلہ کرے مگر حضرت عمرؓ نے چند صحابیوں کے ساتھ پتھر برسانا شروع کئے۔ ابوسفیان یہ خیال کر کے کہ اب اس وقت زخمی شیروں کو چھیڑنا مناسب نہیں ہٹ گیا۔

قریش کے مقتولوں کی تعداد بیس تھی مسلمانوں کی طرف ستر شہید اور اسی قدر زخمی تھے۔ تاہم آنحضرت کے گرد پہاڑ پر اُس وقت کافی تعداد جمع تھی۔ ابوسفیان کے سامنے اب تین صورتیں تھیں

(۱) رات ہو جانے سے آرام لینا اور دوسرے دن پھر لڑنا۔ لیکن وہ دیکھ چکا تھا کہ صبح کو کس طرح قریش کا لشکر پہلے پسپا ہو چکا تھا، اور اگر درۂ عینین کو مسلمانوں نے چھوڑ نہ دیا ہوتا تو یہ حالت نہ ہوتی۔ اب اگر دوسرے دن لڑائی ہوئی تو آج کے دن کا بدلہ بڑے جوش و خروش سے لیا جائے گا۔

(۲) مدینے پر حملہ کرنا۔ لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت کے گرد مسلمان مجتمع ہو گئے۔ اب اگر وہ مدینہ کی طرف بڑھا تو اس کی فوج پر پیچھے سے حملہ ہوگا، اور دو طرف لڑنا پڑے گا۔

(۳) اس دن کی کامیابی کو غنیمت سمجھ کر اور کشتگان بدر کا بدلہ لے کر مکہ واپس ہو جانا۔ یہ صورت اس کو بہتر معلوم ہوئی۔

دھر آنحضرت منتظر تھے کہ فوج قریش اب کیا کارروائی کرتی ہے تاکہ ویسی تدبیر کی جائے۔ چنانچہ شب کو آپ نے حضرت علی کو خبر لانے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ اگر اونٹوں پر سوار اور گھوڑے کوتل کئے ہوئے ہوں تو سمجھو کہ مکہ جا رہے ہیں ورنہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی نے اوّل الذکر صورت معائنہ کرکے اطلاع دی کہ قریش مکہ کی طرف رخ کر رہے ہیں۔

شہدا کی تدفین

الغرض جب لشکر قریش سے میدان خالی ہو گیا، آنحضرت نے شہداء کے دفن کا انتظام کیا۔ اس وقت تک مدینے سے عورتیں بھی حادثے کی خبر سن کر آگئی تھیں۔ حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہؓ آنحضرت کی پھوپھی بھائی کی لاش کی طرف چلیں۔ آنحضرت نے زبیر سے فرمایا اپنی ماں کو اُدھر جانے نہ دو۔ صفیہ نے جس وقت یہ پیغام سنا کہنے لگیں میں سن چکی ہوں کہ میرے بھائی کا کیا حال ہوا۔ خدا کی راہ میں یہ کچھ بھی نہیں جو مجھ کو منظور نہ ہو۔ آنحضرت نے فرمایا اچھا جانے دو۔ صفیہ نے بھائی کی لاش پر ایک نظر ڈالی۔ کلیجہ منہ کو آگیا۔ مگر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ پڑھا اور کانپتے لبوں سے دعائے مغفرت مانگی۔[1]

حضرت حمزہ کے متعلق ایک بے ہودہ روایت کی تردید

حضرت حمزہ چچا ہونے کے علاوہ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی تھے اور بچپن سے محبت تھی جیسا کہ آپ کے ایمان لانے کا واقعہ جو ہم نے اوپر لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت کو کس قدر آپ عزیز رکھتے تھے۔[2]

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۵۸۵

[2] طبری جلد دوم صفحہ ۵۲

کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آنحضرت کو آپ کی شہادت سے نہایت غم ہوا، صحابہ نے مدتوں آپ کا ماتم کیا۔ اُموی دربار میں البتہ بعض جھوٹی روایات آپ کے متعلق مشہور ہوگئیں جو کتب احادیث میں نقل ہوگئیں مثلاً آپ کا حضرت علی کے اونٹوں کا کلیجہ نکال کے مدینے میں ایک مجلس رنداں میں پیش کرنا، پھر نشے کی حالت میں آنحضرت کو جو وہاں رفع شر کے لئے تشریف لائے تھے سخت و سُست کہنا۔ یہ بیہودہ روایت اپنا پردہ آپ فاش کرتی ہے اس کی عبارت سے اموی دربار کی سیہ مستیاں ٹپکتی ہیں۔ جنگ اُحد میں ہند زوجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہ کا جو جگر چبایا تھا وہ اُن دشمنوں کا گویا قدرت کی طرف سے انتقام تھا، اور سادہ لوح واعظین کی گرمیٔ سخن کے لئے ایک دلچسپ قصہ۔ اب سلسلۂ روایت سنو!

حضرت علی مرتضیٰ اپنے شیر دل چچا کی فضیحت کا واقعہ اپنے لخت جگر خامس آل عبا حضرت شہید کربلا سے بیان فرماتے ہیں، وہ اُس کو اپنے بیٹے امام زین العابدینؑ سے نقل فرماتے ہیں۔ وہ پیر اموی دربار کے مقرب زہری سے نقل فرماتے ہیں اور اُن ہی سے یہ روایت امت محمدی کو پہنچی ہے پھر جب ملا گویا اس روایت کے رُو سے رہے کو منبر پر چڑھا جاتے ہیں!

کیا عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا بیان کیا جاتا ہے جب حضرت حمزہ دس برس تک صحبت رسول کریم میں رہ کر فیض اُٹھا چکے تھے اور غزوۂ بدر میں جو ہر بانی نمایاں کر کے واپس آئے تھے۔ شارحین حدیث ابن حجر وغیرہ لکھتے ہیں کہ نشہ

لہ تمدن اینڈ ترکزتی اسلام صفحہ ۲۸۱

کی حالت میں گرفت نہیں۔ حضرت علی کو آنحضرت نے اونٹوں کا تاوان دے دیا ہوگا۔
مگر افسوس ان علماء نے تاویل سے کام لیا لیکن روایت کو نور فراست سے نہ دیکھا
اب اموی دور کی سیہ مستیاں خواب و خیال ہوگئی ہیں۔ وہ زہر پھیلا ہوا جس میں اس
قسم کی روایتوں کی نشو و نما ہوئی صاف ہوگئی ہے۔ قرآن پاک نے ہم کو سمجھا دیا ہے کہ
اہل کتاب کی طرح احبار و رہبان کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ نہ بنائیں۔ صحیح مسلم میں
ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس لوگ ایک کتاب لائے جس
میں حضرت علی کے فیصلے قلم بند تھے۔ ابن عباس نے ایک گز کی مقدار چھوڑ کر باقی سب
مٹا دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس نے صرف ان فیصلوں کے مضمون
سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے۔ اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ روایت و سند
کا پتہ لگائیں۔[1] یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ داستان حضرت حمزہ کو زہری سے
یونس نے نقل کیا جو حضرت معاویہؓ کا غلام تھا۔ یونس کو اکثر محدثین ثقہ کہتے ہیں مگر
امام احمد حنبل کہتے ہیں کہ یونس زہری سے منکرات روایت کرتا تھا۔ ابن سعد بھی
اسی بنا پر یونس کو ضعیف روایت کرنے والا سمجھتے ہیں (دیکھو تہذیب التہذیب ابن حجر
جلد ۱ صفحہ ۴۵۱) کیا عجیب بات ہے کہ ایک غلام حبشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا اور
دوسرے غلام یونس نے مطعون کیا۔ اسی یونس کی وجہ سے زہری ایسے ثقہ محدث
بدنام ہوگئے۔

غزوۂ احد اور قرآن پاک | غزوۂ احد کا بیان سورۂ آل عمران

---

[1] سیرت النبی جلد اول صفحہ ۲۷

کی چوالیس آیتوں میں مذکور ہے جن میں تصریحِ واقعات اور تلقینِ صبر کے بعد یک
خاص تعلیم دی گئی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ	اور نہیں محمد مگر پیغمبر بے شک
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ	گذر گئے پہلے اس سے بہت
الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ	پیغمبر، آیا کہ وہ مر جائے یا قتل ہو
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى	جائے تم پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں
اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ	پر؟ اور جو پھرے اپنی ایڑیوں پر
عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ	پس نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِي	اب عوض دے گا اللہ شکر کرنے
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝	والوں کو۔

خاصانِ خدا کی زندگی تمام تر دین کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اُن کی تعلیم
موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ کو دار پر کھینچ دیا تو کیا ہوا۔ تاریخ
شاہد ہے کہ آپ کی تعلیمات کا عَلَم آج تک سر بلند ہے۔ آنحضرت کی شہادت کی خبر
اعدا نے اُحد میں اُڑا دی تو کیا ہوا۔ آپ تکمیلِ دین کے لئے زندہ رہے! پھر جب
وفات پائی تو کیا ہوا۔ قرآن آج تک ویسا ہی ہدایت کا آفتاب ہے اور قیامت تک
یونہی چمکتا رہے گا۔ ؎

مصطفیٰ را وعدہ داد الطافِ حق
گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

رجیع اور بئر معونہ کے حادثے

قیامِ مکہ کے زمانے میں آنحضرت کو ایامِ حج میں جب کہ مختلف قبائلِ عرب
دُور دراز مقامات سے کعبے کی زیارت کو آتے تھے تبلیغِ اسلام کا موقع مل جاتا تھا
لیکن مدینے میں آ کر یہ صورت نہ رہی۔ قریش کا چونکہ مذہبی اثر قبائل پر تھا اس لئے
جب قریش نے جنگ کا سلسلہ قائم کر دیا تو قبائل بھی اسلام کے دشمن ہو گئے کیونکہ
اسلام بت پرستی اور اخلاقِ ذمیمہ سے منع کرتا تھا اور یہ لوگ بت پرست اور وحشی
غارت گر قبائل پہ گزر کرتے تھے۔ غزوۂ بدر سے پیشتر دو ایک قبائل نے آنحضرت
سے معاہدۂ امن کر لیا تھا، پھر فتحِ بدر کے اثر سے دوسرے مختلف قبائل بھی مرعوب
ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن اُحد کی خبر سنتے ہی ان وحشیوں نے بھی سر اٹھایا۔

مدینے کے چاروں طرف قبائلِ عرب آباد تھے۔ جانب شمال بنی مرہ، بنی
غطفان اور بنی فزارہ، اور جانب جنوب بنی سُلیم اور بنی اشجع، جانب مشرق بنی
کلاب اور بنی محارب، اور جانب مغرب بنی خزاعہ اور بنی مزینہ وغیرہ۔ یہ ان قبائل
کی مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں۔ ان بدوؤں کا کام ہی یہی تھا کہ لوٹیں ماریں
اور وحشیانہ زندگی بسر کریں۔ یہ پہاڑوں کے چھوٹے حریف کو اگر کمزور پاتے تو
سر پر سوار ورنہ نظروں سے غائب پہاڑوں میں بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ لوگ

خوں خواری میں بھیڑیے اور مکاری میں لومڑی تھے۔

غزوۂ اُحد کے چشمِ زخم سے اعراب نے سر اٹھایا۔ بنی اسد کے ایک رئیس خویلد کے بیٹے طلیحہ اور سلمہ نے جو فید کے کوہستانی علاقے میں رہتے تھے لوگوں کو فساد کے لئے جمع کرنا شروع کیا، مگر آنحضرت نے فوراً تدارک کیا، اور ایک سو پچاس مہاجرین و انصار کی جماعت بسرکردگی ابوسلمہ روانہ کی۔ اعراب نے یہ دیکھ کر مقابلہ نہیں کیا اور بھاگ کر پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ لحیان کے ایک رئیس سفین ابن خالد نے سر اٹھایا۔ آنحضرت نے عبداللہ ابن انیس کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا، جس کی وجہ سے اس کے قبیلے کے لوگوں کو پھر جرأت نہ ہوئی کہ جمع ہو کر فساد کریں۔

صفر سنہ ۴ ہجری میں قبائل عضل و قارہ کے چند آدمی آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کیا ہے، آپ چند صحابی تعلیمِ دین کے لئے ساتھ کر دیں۔ آپ نے دس صحابی ساتھ کر دیئے۔ جب یہ لوگ مقام رجیع پر جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے پہنچے تو ان ناخداترس میزبانوں نے دغا کی اور قبیلہ بنولحیان سے مل کر مبلغینِ اسلام کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ بیچارے ایک ٹیکرے پر چڑھ گئے۔ کفار نے کہا "اترو ہم امن دیں گے!" مگر عاصم بن ثابت نے مع سات صحابیوں کے بہادرانہ لڑ کر شہید ہوئے۔ صرف زید اور خبیب کفار کے قول پر بھروسہ کر کے اتر آئے مگر بدعہدوں نے اُن کی مشکیں کس لیں اور مکہ لے جا کر دونوں کو فروخت کر ڈالا۔

خبیب نے جنگ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اب مقتول کے لڑکوں نے بدلہ لینے کے لئے اُن کو خرید لیا۔ اسی طرح زید کو صفوان بن امیہ نے مول لیا۔

حضرت خبیب کو جب حدودِ حرم سے باہر قتل گاہ میں لائے تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوئے۔ پھر قاتلوں سے کہا۔ "دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہوں۔"

حضرت زید کو جب مقتل میں لائے تو سردارانِ قریش بھی تماشہ دیکھنے آئے۔ ان میں ابو سفیان بھی تھا۔ جب قاتل نے تلوار کھینچی، ابو سفیان نے زید سے کہا "اگر اس وقت تمہارے بدلے تمہارے رسول ہوتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے!" زید نے جواب دیا "اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول کے تلووں میں کانٹا چبھے اور میں گھر بیٹھا رہوں!"

ابو سفیان کہا کرتے تھے کہ میں نے اصحابِ محمدؐ سے بہتر شیدائے رسول نہیں دیکھے۔

رجیع کے المناک واقعہ کے بعد ہی اُسی ماہ میں ایک دوسرا دردناک حادثہ بیر معونہ میں پیش آیا۔ قبیلہ کلاب کے ایک رئیس ابو براء نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ چند صحابی میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ میری قوم کو دعوتِ اسلام دیں۔ آپ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے اندیشہ ہے۔" ابو براء نے صحابیوں کی حفاظت

لے طبری جزو ثالث صفحہ ۲

کا ذمہ لیا۔ آپ نے ستر صحابی ہمراہ کر دیئے جن میں اکثر اصحاب صفہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو عامر بن طفیل نے قرب و جوار کے قبائل رعل و ذکوان وغیرہ کو جمع کر کے ان کو گھیر لیا اور سب کو شہید کر ڈالا۔

کیا ظلم ہے کہ ارباب سیر نے رجیع اور بیر معونہ کے حادثوں کو بھی سرایا میں داخل کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ محض تبلیغ دین کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ہمارے راویوں کو لڑائی کی داستان چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔ اس مزے میں وہ جہاد اکبر کی لذت بھول گئے۔ اور تمام واقعات کو غزوات و سرایا کی لمبی چوڑی فہرست میں داخل کر دیا۔ بخاری میں زید بن ارقم سے سترہ غزوات منقول ہیں۔ ابو یعلی نے تیرہ اکیس نقل کئے۔ ابن اسحاق نے ستائیس گنوا دیئے اور اڑتیس سرایا ان کے علاوہ، جن کو ابن سعد نے طبقات میں سینتالیس تک پہنچا دیئے۔ پھر متاخرین نے شوق تکثیر میں سو تک کر دیئے۔

ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔ غزوات کبار صرف سات ہیں۔ بدر، اُحد، خندق، خیبر، فتح، حنین، تبوک۔

ان غزوات کا ذکر قرآن مجید میں اس طور پر ہے —— سورۂ انفال میں بدر —— سورۂ آل عمران میں اُحد —— احزاب میں خندق اور احوال بنی قریظہ —— سورۂ حشر میں بنی نضیر کا ذکر —— سورۂ فتح میں ذکر حدیبیہ و خیبر —— سورۂ نصر میں فتح مکہ۔

---

۱ زاد المعاد صفحہ ۳۴۳ جلد دوم

آیت منسوخ التلاوۃ کی بحث

واقعہ بیر معونہ میں ایک عجیب روایت واقدی کے کاتب ابن سعد نے نقل کی ہے کہ اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر میں یہ آیت نازل ہوئی جو بعد کو منسوخ التلاوۃ ہوگئی۔

بلغوا عنّا	ہماری قوم کو ہماری طرف سے
قومنا انا قد لقینا	یہ پہنچا دو کہ تحقیق ہم اپنے رب
ربنا فرضی عنا و	سے ملے پس وہ ہم سے راضی ہوا
رضینا عنه	اور ہم اس سے راضی ہوئے۔

ابن اسحاق نے یہ روایت نقل نہیں کی، اور چونکہ اُن کا سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے جس کے بعد ناسخ و منسوخ کی معرکۃ آرا بحث اور مسئلہ خلق قرآن کا جھگڑا پیدا ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ ان ہی مباحث کے اثر کا نتیجہ ہے۔ احادیث میں یہ روایت حضرت انس سے مذکور ہے۔ اس لئے اگر اس کی صحت تسلیم بھی کی جائے تو ویسی ہی جیسے عبداللہ بن مسعود کا یہ قول کہ معوذتین داخل قرآن نہیں ہیں، حالانکہ جمع و ترتیب قرآن مجید کے وقت اُن کا یہ قول باطل قرار پایا اور معوذتین داخل قرآن کی گئیں۔ اسی طرح حضرت انس جس کو قرآن سمجھے وہ حدیث ہوگئی نہ آیت منسوخ التلاوۃ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کا آغاز یوں ہوا کہ سورۂ یٰسین میں جہاں حضرت عیسیٰ کے حواریین کا تبلیغ کے لئے قتل کیا جانا مذکور ہے وہاں جنت میں ایک حواری شہید کی زبان سے

یوں منقول ہے یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ اصحاب بیر معونہ کی زبان سے بھی اسی طرح بلغوا عنا قومنا نقل کردیا گیا۔

عمرو ابن اُمیہ الضمری کی داستان

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب کفار قریش جنگ اُحد سے لوٹے تو عمرو ابن اُمیہ ضمری مدینے میں آکر ایمان لائے۔ اور حادثہ بیر معونہ میں ہمراہ تھے مگر قتل سے بچ گئے کیوں کہ دشمن سردار عمر ابن طفیل نے صرف اُن کی چوٹی کاٹ کر آزاد کردیا۔ عمرو ابن اُمیہ جاہلیت میں دشمن کو غفلت میں یکایک قتل کردینے کے لئے مشہور تھے۔ ایمان لانے کے بعد بھی اس قسم کے قصے ان کے متعلق ارباب سیر نے نقل کئے ہیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو ابن اُمیہ نے بنی عامر کے دو شخص جنہیں آنحضرت نے امان دی تھی، قتل کردیئے۔ ان کی دیت ادا کرنے کے لئے آنحضرت بنی نضیر کے پاس گئے جو ہم معاہدہ تھے لیکن یہ روایت جیسا کہ ہم غزوۂ بنی نضیر میں بیان کریں گے بنا و جنگ نہ تھی۔ ابن سعد نے ایک اور روایت کا اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے اُن کو ابو سفیان کے قتل کے لئے خفیہ مکہ بھیجا تھا۔ چونکہ ابن سعد نے اس کو سرایا میں شمار کیا ہے اور مخالفین اسلام نے اس کو مثلب عن رسول اللہ میں داخل کیا ہے اس لئے ہم اس کو تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ ابو سفیان ایک دن چند قریشیوں سے کہنے لگا کہ

محمدؐ مدینے کے بازار میں پھرا کرتے ہیں، کوئی ہے جو انہیں قتل کر دے؟ ایک بدوی تیار ہوا، اور خنجر آب دار چھپا کر چلا۔ آنحضرت مسجد بنی عبد الاشہل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بدوی سامنے آیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا یہ شخص غدار نظر آتا ہے۔ ایک صحابی نے فوراً اٹھ کر اس کا جائزہ لیا، اور اس کی ازار کے اندر سے خنجر نکال لیا۔ اب اس نے امان مانگی، آپ نے قبول فرمایا، تب اس نے سارا واقعہ ظاہر کر دیا۔ آپ نے حکم دیا اچھا اس کو چھوڑ دو۔ بدوی ایسا متاثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

بعد ازاں عمرو ابن امیہ الضمری ایک رفیق کو لے کر ابوسفیان کو قتل کرنے چلے، لیکن مکہ پہنچ کر پہچان لئے گئے۔ ابوسفیان بچ گیا مگر انہوں نے عجیب و غریب طریقے سے چند شخصوں کو قتل کر دیا اور مدینے واپس آ گئے۔

عرب میں اس وقت تک جہاں اور بہت سے وحشیانہ افعال جنگ و جدال اور قتل و غارت رائج تھے، وہاں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ غفلت یا نیند کی حالت میں دشمن کو قتل کر دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے جیسے جاہلیت میں تابط شرا کے واقعات۔

اس قسم کی عادات شراب خوری کی طرح بتدریج تعلیم نبوی سے دور ہوئیں، مثلاً دشمن کی لاش کا مثلہ کرنا، عورتوں اور بچوں کا قتل، عضو کاٹ کاٹ کر ہلاک کرنا، آگ میں جلانا، وغیرہ وغیرہ۔

لے طبری جزء ۳ ص ۱۴۳۴

غزوۂ بنی نضیر

آنحضرت نے یہود سے باہمی امن وامان کا معاہدہ سنہ ۱ھ میں کیا تھا
ان میں سے بنی قینقاع، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں نقضِ عہد کرکے لڑے؛ اور
جلاوطن ہوئے۔ بنی نضیر نے اپنے حسد اور عداوت کا یہ ثبوت دیا کہ کعب ابن اشرف
جو ایک مقتدر سردار اور شاعر تھا اور جس کی ماں بنی نضیر کے سردار ابو رافع ابن
ابی الحقیق کی بیٹی تھی، بدر کا واقعہ سن کر اس قدر جوش میں آیا کہ مکہ پہونچ کر قریش
کے ساتھ ماتم میں شریک ہوا، اور ایک پُرجوش مرثیہ لکھ

طحنت رحا بدر لمهلك اهله

لکھ کر جذباتِ انتقام اور نفرت وعداوت برانگیختہ کیے۔ پھر مدینے واپس آکر اشعار
میں مسلمان عورتوں کے ساتھ تشبیب شروع کی یعنی توہین کرنے لگا۔ گذشتہ صدی
میں جس طرح مدبرین اور شعرائے یورپ گلیڈ اسٹون اور بائرن وغیرہ نے ترکوں کے
خلاف اپنی تقریروں اور نظموں سے نفرت کے جذبات برانگیختہ کردیئے تھے اسی طرح
اس عہد میں تنہا ایک شاعر قبیلے کے قبیلوں میں لڑائی کی ایک آگ لگادیتا تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ قریش بدر کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کعب
ابن اشرف کی یہ حرکات خطرناک تھیں۔ بنی نضیر نے کچھ انسداد نہ کیا اور معاہدے کے

خلاف عمل پیرا رہے تب آنحضرت نے فرمایا کہ اس مفسد کا شر کون دفع کرتا ہے؟ محمد ابن مسلمہ جو قبیلہ اوس کے سردار اور بنی نضیر کے حلیف تھے اُٹھے اور اپنے قبیلے سے مشورہ کرکے چند رفقاء لے کر کعب کے گھر پہنچے اور اس کو بڑی ہوشیاری سے قتل کر دیا کہ بنی نضیر گھبرا گئے۔ اب دو صورتیں تھیں۔ یا بنی نضیر اپنے ایک مجرم سرغنہ کے قتل ہو جانے سے متنبہ ہو کر قریش سے ساز و باز ترک کرتے یا پھر لڑنے کو تیار ہو جاتے مگر انہوں نے دامِ فریب بچھا کر آنحضرت پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔

ابن اسحاق کی روایت پر تبصرہ

غزوۂ بنی نضیر کے متعلق ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک صحابی عمرو بن امیہ الضمری نے بنی عامر کے دو آدمی جنہیں آنحضرت نے امان دی تھی نادانستگی میں قتل کر دیئے آنحضرت کو جب اطلاع ہوئی تو مقتولین کی دیت ادا کرنی چاہی چونکہ بنی نضیر بنی عامر کے حلیف تھے اس لئے دیت کا ایک حصہ وصول کرنے کے لئے آنحضرت بنی نضیر کے پاس گئے انہوں نے وعدہ کیا۔ مگر درپردہ آپ کے قتل کی سازش کی، آپ کو خبر ہو گئی تو اُٹھ آئے اور سنہ ۴ ھ میں فوج لے کر بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔

ابنِ اسحاق نے یہ روایت یزید بن رومان سے نقل کی ہے لیکن حضرت عائشہ سے جو روایت حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

كانت غزوة بني   غزوۂ بنی نضیر
النضير على رأس ستة   واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد
أشهر من وقعة بدر   پیش آیا۔

یہی روایت زہری سے عقیل بن خالد نے نقل کی ۔ ایسی شہادتوں کے مقابلے میں ابن اسحاق کی روایت معتبر نہیں معلوم ہوتی اور جب سنہ وقوع بدر کے چھ ماہ بعد متعین ہوگیا تو وجہ جنگ بھی جو ابن اسحاق نے لکھی غلط ٹھہری کیوں کہ عمرو ابن اُمیہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے جیسا کہ ہم اوپر ابن سعد سے نقل کر چکے ہیں

قرآن مجید میں بنی النضیر کا ذکر سورۃ الحشر میں ہے ۔ ایک آیت میں صاف تصریح ہے :

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ	مثل اُن لوگوں کے جو پہلے اُن سے تھے
قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ	ابھی چکھ مزہ اپنے کاموں کا اور
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	اُن کے لئے عذاب دردناک ہے

مفسرین اور خود ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ کَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قریبًا سے مراد بنی قینقاع ہیں جو بدر کے بعد ہی سنہ ۲ھ میں جلاوطن ہوئے ۔ اب اگر ابن اسحاق کی روایت متعلق بنی نضیر تسلیم کی جائے تو ایک سال پانچ ماہ کا فاصلہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے اجلا میں ہوتا ہے لیکن حضرت عائشہؓ اور زہری کی روایت کے مطابق صرف پانچ ماہ کا فاصلہ ہوتا ہے جو لفظ قرآنی قریبًا کے زیادہ موافق ہے باقی جنگ کی وجہ جو ابن اسحاق نے لکھی اس کا مقابلہ ذیل کی اس روایت سے کرو جو موسیٰ بن عقبہ سے منقول ہے کہ قریش کے بہکانے سے بنی نضیر نے فریب کیا ۔ اس قول کی تائید زہری کی روایت سے جسے ابن مردویہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہوتی ہے

؎ زرقانی جلد ثانی صفحہ ۸۰

فلما كانت وقعة بدر	جب بدر کا واقعہ ہو چکا تو کفار
كتب كفار قريش بعدها	قریش نے یہود کو خط لکھا کہ تم ہتھیاروں
الى اليهود انكم اهل الحلقة	اور قلعوں کے مالک ہو پس بنو نضیر
والحصون يتهددونهم	فریب پر آمادہ ہو گئے اور رسول
فاجتمع بنو النضير على الغدر	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا
فارسلوا اليه صلى الله عليه	کہ اپنے تین صحابیوں کے ساتھ
وسلم اخرج الينا في ثلاثة	نکلیں اور ادھر سے ہمارے تین
من اصحابك ويلقاك ثلاثة	عالم نکلیں پس اگر وہ ایمان لائیں
من علمائنا فان آمنوا بك	تو ہم آپ کی اتباع کریں گے پس تینوں
اتبعناك فاشتمل اليهود	یہودی خنجر لے کر نکلے پس بنی نضیر
الثلاثة على الخناجر فارسلت	کی ایک عورت نے اپنے ایک مسلمان
امرأة من بني النضير الى	انصاری بھائی کو اس کی اطلاع
اخ لها من الانصار مسلم	کر دی اس نے رسول اللہ صلی
تخبره بخبرهم فاخبر اخوها	اللہ علیہ وسلم کو قبل اس کے کہ آپ
النبي صلى الله عليه وسلم	ان تک پہنچیں خبر کر دی آپ واپس
قبل ان يصل اليهم فرجع	آگئے۔ [illegible]

شہادتِ قرآنی اب دیکھو قرآن مجید میں یہ واقعہ کیونکر مذکور ہے۔

(۱)

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ — وہی ہے جس نے نکالا اُن کو جو کافر
كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ — ہوئے اہل کتاب سے اُن کے گھروں
دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ — سے پہلے اجتماع میں۔ تم نے نہ
أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ — گمان کیا کہ وہ نکل پائیں گے اور
مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ — گمان کیا انہوں نے کہ بچا لیں گے
اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ — ان کو قلعے اُن کے اللہ سے پس
لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي — آلیا اُن کو اللہ نے اس طرح کہ نہ
قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ — سمجھتے تھے اور ڈال دیا اُن کے دلوں
بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَ — میں رعب اجاڑتے گھر اپنے اپنے
أَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ — ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ — سے پس عبرت پکڑو اے آنکھوں
(سورۃ الحشر) — والو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نضیر خدا اور رسول کی مخالفت میں سرگرم تھے اور اپنے قلعوں کی مضبوطی پر مغرور۔ لیکن جس وقت محصور ہوئے ایسے مرعوب ہو گئے کہ جلا وطنی اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ بقول ابن اسحاق سنہ ۴ ہجری یعنی غزوہ احد کے چشم زخم کے بعد ہوتا تو وہ اس قدر مرعوب نہ ہوتے۔ اس لئے غزوہ بدر کی فتح کے بعد واقع ہوا ہے۔ الغرض قبیلہ خزرج بنی قینقاع کا حلیف تھا اور قبیلہ اوس بنی نضیر کا۔ لیکن جب سردار اوس محمد ابن مسلمہ نے کعب ابن اشرف کو

قتل کر دیا تو بنو نضیر اپنے حلفاء سے ناامید ہو گئے۔ پھر جب منافقین اور بنی قریظہ کی طرف سے بھی کچھ مدد نہ ملی تو سوائے اس کے کہ مدینہ چھوڑ دیں اور کوئی چارہ نہ دیکھا یہ واقعات ان پر ایسے خلافِ اُمید واقع ہوئے کہ انہیں نظر آنے لگا کہ خداوند ہی اُن کے خلاف ہے اور اس لئے وہ مرعوب ہو کر جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔

(۲)

ما قطعتم من لینة	جو کاٹ ڈالے تم نے درخت یا
او ترکتموها قائمة علی	چھوڑا اُن کو جڑوں پر اُن کے
اصولها فباذن الله	پس اجازت سے اللہ کے تاکہ
ولیخزی الفاسقین۔	نافرمانوں کو بدلہ دے

پانچویں صدی عیسوی میں جب تبع سعد ابوکرب نے مدینے پر حملہ کیا تو اُس نے نخلستان جو مدینے میں دولت پیدا کرتے تھے، کٹوا دیئے تھے۔ بنی نضیر کا جب محاصرہ ہوا آنحضرت صلعم نے ایک قسم کی کھجور کے درخت کٹوا دیئے۔ یہود نے طعنہ دیا کہ یہ کارروائی خداوندی احکام کے خلاف ہے حالانکہ توریت مثنیٰ باب ۲۰ آیت ۱۹ و ۲۰ میں یوں لکھا ہے:

اگر کسی شہر کا محاصرہ دنوں کھینچے تو درختوں پر کلہاڑی نہ چلانا کیونکہ تجھ کو ان کے پھل کھانے ہیں اور نہ محاصرہ میں کام آنے کے لئے انہیں کاٹنا کیونکہ زمین کے درخت انسان کی حیات ہیں۔

۱۔ دیکھو تاریخ مدینہ جلد سوم صفحہ ۷۶

گئے۔ رباخواری کے ساتھ شراب کی تجارت بھی یہود کے ہاتھوں میں تھی اسلام
اس قسم کی برائیوں کو یک قلم مٹانے آیا تھا لیکن موسوی شریعت کی طرح اوامر و
نواہی کا بار ایک دم سے نہیں ڈالا گیا بلکہ بتدریج احکام اسلام نازل ہوئے ابتداً
شراب کے ظاہری نفع و نقصان کا موازنہ کرکے سمجھایا گیا کہ اس میں نفع کے مقابلے
میں نقصان زیادہ ہے۔ اب جو سمجھدار اور سنجیدہ لوگ تھے وہ خود بخود پرہیز کرنے
لگے۔ پھر جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی اور اکثر لوگ شراب کے عادی نشے کی حالت
میں شریک عبادت ہونے لگے تو حکم ہوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ
اب شبانہ روز میں پانچوں وقت شرب کی بندش ہوئی اور چونکہ نماز کی پابندی
سفر و حضر صبح و جنگ صحت و علالت ہر حالت میں تھی اس لئے شراب خوری
مسلمانوں میں مفقود ہو چلی تاہم لوگوں میں تجارتی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حرمت
شراب کا قطعی حکم نازل ہوا۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرادی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو بے شک شراب
إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ	اور جوا اور بتوں کے تھان اور
وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ	فال کے پانسے یہ سب پلید
رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ	ہیں شیطانی کام ان سے
فَاجْتَنِبُوهُ (المائدہ)	بچتے رہو۔

عام روایت ہے کہ شراب فتح مکہ یعنی سنہ ۸ ھ میں حرام ہوئی لیکن یہ
تاریخ اگر صحیح مانی جائے تو شراب کی خرید و فروخت کے متعلق ہو سکتی ہے

اِس تشدید کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی کہ جاہلانہ رسموں کو مٹانا بھی مقصود تھا۔ مشرکین عرب میں یہ طریقہ غیر کو اپنے قبیلے میں شامل کرنے کی غرض سے تھا لیکن نہ اس مذہبی حیثیت سے جیسا کہ مذکورہ بالا قدیم اقوام میں رائج تھا۔ ان میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح بھی جائز تھا اور دو حقیقی بہنیں بھی ایک ساتھ عقد میں لاتے تھے، ان قبیح رسموں کو آنحضرت نے موقوف فرمایا۔ اب صورت واقعات ایسے پیش آئے کہ تبنیت کی رسم مٹائی جائے، لیکن اس رسم کے مٹانے میں چونکہ خود آنحضرت کی ذات پاک متعلق ہو گئی تھی آپ کو زبان خلق کا اندیشہ ہوا، ورنہ تبلیغ رسالت میں آپ نے کبھی پس و پیش نہ فرمایا، اور اس موقع پر بھی جب زید نے آخر طلاق دے دی تو آپ نے فوراً وحی الٰہی کی تعمیل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا	پھر جب زید نے پوری کر لی حاجت
وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ	نکاح کر دیا ہم نے تیرا اس سے
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ	تاکہ نہ رہے ایمان والوں پر تنگی
اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا	بیبیوں میں ان کے لے پالکوں کی
مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ	جب کہ پوری کر لیں ان سے حاجت
مَفْعُوْلًا۔ (سورۂ احزاب)	اور ہے کام اللہ کا کیا گیا۔

ایک ناپاک روایت: یہود اور منافقین اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح آنحضرت کو مطعون کر کے اسلام کی طرف سے نفرت پھیلائیں۔ قرآن مجید نے ان کے مطاعن جا بجا نقل کر کے جواب دیا ہے۔ حضرت

زینب کا واقعہ قرآن نے بیان کیا۔ اور پھر اس صفائی سے کہ حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ اگر آنحضرت وحی کو چھپاتے تو اُن آیتوں کو سب سے پہلے چھپاتے جن میں نکاح زینب مذکور ہے، لیکن جب آنحضرت دنیا سے تشریف لے گئے اور خلفائے راشدین کا زمانہ بھی گذر گیا تو بدطینت دشمنوں کو زہر اُگلنے کا موقع مل گیا حضرت عمرؓ نے یہود کو عرب سے نکال دیا تھا۔ یہ لوگ شام و عراق میں آباد ہو کر اور ذمیوں کے حقوق کی پناہ پاکر کذب وافترا کا پروپیگنڈا پھیلانے لگے۔

حضرت داؤد اور زوجہ اوریا کا قصہ

توریت میں حضرت داؤد کا زوجہ اوریا کو برہنہ دیکھ کر عاشق ہونا پھر شرمناک طریقہ سے اس کو حرم میں داخل کرنا مذکور ہے (جیسا کہ آغاز غزوات میں ہم نے نقل کیا ہے) آنحضرت کے متعلق بھی اب یہ قصہ گڑھا گیا کہ "آپ نے ایک دن زینب کو زید کے گھر برہنہ دیکھ لیا، نکاح کی ہوس پیدا ہوئی۔ زید کو اطلاع ہوئی اس نے زینب کو طلاق دے دی۔ آنحضرت کی مُراد بر آئی"۔ مگر ان بدباطنوں کو یہ نہ سوجھا کہ زینب آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن تھیں، بچپن سے آپ کے سامنے آتی جاتی تھیں، آپ ہی نے بہ اصرار تمام جب وہ باکرہ تھیں زید کے ساتھ نکاح کر دیا، اب یہ یکایک ہوس نکاح کیسی؟ لیکن یہ افترا ایسے زمانے میں مشہور ہوا جب کلبی اور سدی جیسے مفسرین موجود ہو چکے تھے جو اسرائیلیات کے رنگ میں قرآن پاک کے روشن بیان کو دکھلاتے تھے اور آنکھ اور شرمگاہ کا زنا خاصان خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پھر طرہ یہ کہ اُموی اور عباسی سیہ مستیوں نے آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تھے اور آنحضرت کے واقعات

زندگی مسخ کر کے نامہ نہاد "مشبہین رسول" کی عیش پرستیوں کے لئے بطور شہادت پیش
کر کے بیان ہوتے تھے۔ بدیں ہمہ ابن اسحاق نے مذکورہ بالا افترا کو نقل نہیں کیا بلکہ
یہ بہ نفس نفیس جناب واقدی ہیں جنہوں نے اس افترا کو تحریر کا جامہ پہنا کر مشہور کیا
پھر مورخین ارباب سیر نے اس کو نقل کرنا شروع کر دیا۔ واقدی ائمہ اور ثقات کے
نزدیک خود متروک الحدیث اور دروغ گو ہیں پھر طرفہ یہ کہ جس شخص سے انہوں نے یہ واقعہ
سُنا یعنی عبد اللہ بن عامر الاسلمی اس کی نسبت امام نسائی مصنف کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ واقعہ زینب کے ذکر کے بعد سورۂ احزاب کی آخر
آیات میں حق تعالےٰ نے مومنین کو سمجھا دیا تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو نہ ہو جاؤ مثل ان
لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ	کے کہ اذیت دی موسیٰ کو پھر بری
فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ	کیا اُسے اللہ نے اس سے کہ کہا
عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا.	تھا اللہ کے پاس مرتبہ والا۔

توریت کتاب اعداد[1] میں مذکور ہے کہ ہارون اور مریم نے موسےٰ پر ایک
کوشیہ عورت سے شادی کرنے کی وجہ سے تہمت لگائی تب خداوند ہو کے عمود سحاب
میں ہو کے الخیمہ کے سامنے نازل ہوا اور فرمایا: میرا بندہ موسیٰ ایسا نہیں ہے وہ
سارے گھر میں امین ہے۔ پھر مریم پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ اور وہ مبروص ہو گئی۔
ہارون نے موسےٰ سے رحم کی درخواست کی اور مغفرت چاہی موسیٰ نے دعا کی،

---

[1] کتاب العدد صفحہ ۱۰

تب حکم ہوا خیر اب مریم کو سات دن الگ رکھو جس کے بعد اُس کی جذام دور ہو گئی۔

اب دیکھو رسول کریمؐ حضرت خاتم النبیین نے متبنّیٰ کی مطلقہ سے شادی کی اور حکم خدا سے کی مگر بدطینت اشخاص نے آپ کو مطعون کیا۔ کیا یہ رحمۃ للعالمینؐ کا صدقہ نہ تھا کہ ایسی ناپاک روایت کرنے والے مسخ نہ ہوئے؛

حضرتِ عائشہؓ کا گلوبند

منافقین نے ایک اور تہمت تراشی۔ واقعہ بالکل معمولی تھا لیکن اُن کی خباثت اور افتراپردازی نے ایسا رنگ چڑھایا کہ رسول اللہ کی اذیت کا باعث ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

مدینے سے ۹ میل مقام مریسیع میں قبیلۂ خزاعہ کی ایک شاخ بنی المصطلق آباد تھی۔ قریش کے اشارے سے ان کے سردار حارث بن ابی ضرار نے آنحضرتؐ سے لڑنے کی تیاری کی۔ آپ کو خبر ہو گئی۔ فوراً ماہ شعبان میں اُس کے مقابلے کو نکلے حارث کو شکست ہوئی۔ اس کے دس رفیق قتل ہوئے باقی مع عورتوں اور بچوں کے گرفتار ہو گئے۔ اس غزوے میں عبداللہ بن ابی بھی جو سرگروہ منافقین کے ہمراہ تھا۔ راہ میں ایک مہاجر اور ایک انصاری پانی کے لئے سخت کلامی ہو گئی۔ دونوں نے اپنے اپنے حامیوں کو پکارا اور قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار میں لڑائی ہو جائے، مگر دونوں سنبھل گئے اور معاملہ رفت و گزشت ہو گیا۔ لیکن عبداللہ بن ابی کو موقع مل گیا۔ کہنے لگا "اے اہل مدینہ تم نے یہ آفت خود مول لی۔ خیر جب شہر پہونچ کر عزت والے ذلیل آدمیوں کو نکال دیں گے۔" آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے منافق سے دریافت کیا وہ صاف منکر ہو گیا۔

بنی المصطلق

غرض کہ اس حالت میں لشکر اسلام بنی مصطلق کے قیدیوں کو لئے ہوئے مدینے واپس چلا۔ اس سفر میں حضرت عائشہ آنحضرت کے ہمراہ تھیں۔ اتفاق سے ایک شب کو وہ قضائے حاجت کے لئے جنگل میں گئیں واپسی پر معلوم ہوا کہ گلوبند ٹوٹ کر گر گیا، وہ اس کی تلاش میں پھر اُدھر چلی گئیں۔ اس درمیان میں فوج نے شب کو کوچ کر دیا۔ جس اُونٹ پر آپ سوار تھیں، ساربان نے یہ خیال کر کے کہ آپ کجاوے میں آرام کر رہی ہیں، اُس کو ہانک دیا۔ جب آپ واپس تشریف لائیں تو وہیں بیٹھ گئیں کہ کوئی تلاش کرنے والا آئے گا۔ صفوان ابن المعطل جنہیں آنحضرت نے لشکر کے پیچھے نگہداشت کے لئے مقرر کیا تھا، جب وہاں آئے تو حضرت عائشہ کو تنہا بیٹھے دیکھ، فوراً اُونٹ بٹھا کر آپ کو سوار کیا، اور آنحضرت کی خدمت اقدس میں لے چلے۔

آیت تیمّم کا نزول

اُدھر آنحضرت لشکر میں ایک ایسے مقام پر ٹھہر چکے تھے جہاں پانی نہ تھا۔ وضو کے لئے سخت دقت ہوئی تب آیت تیمم نازل ہوئی۔

کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی گلوبند کے سلسلے میں دو قسم کے مختلف خیالات ظاہر ہوئے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت اُسید ابن حضیر کہنے لگے کہ یہ تیمم کی اجازت حضرت عائشہ کی برکت ہے۔ مگر منافقین نے گلوبند کے باعث جو خبر ہوئی اُس کو حضرت عائشہ کی عصمت پر زبان کھولنے کا ذریعہ بنایا۔ کیوں نہیں۔ شعر

نظر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت تیمم کی شانِ نزول اور افکِ حضرت عائشہ
دونوں ایک ہی غزوۂ مریسیع میں واقع ہوئے، جیسا کہ ابن سعد نے بالتصریح ذکر حضرت
عائشہؓ میں نقل کیا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے واقعات کو مذکورہ بالا طور پر ترتیب دے کر
بیان کیا ورنہ ارباب سیر نے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا اور دونوں واقعات الگ الگ
تحریر کئے جس سے بعض اوقات ان کے بیان میں صورتِ واقعہ صاف نظر نہیں آتی۔

افکِ عائشہؓ

غرض جب آنحضرتؐ مع فوج اسلام مدینہ واپس تشریف لائے
تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے گروہ کے ساتھ اس صورت تہمت
کا چرچا شروع کیا کہ بعض سچے مسلمان بھی مثلاً حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر اسلام
مسطح حضرت ابوبکرؓ کے بھانجے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور حمنہ خواہر حضرت
زینب بنت جحش بدگوئی میں شریک ہوگئے۔ عبداللہ ابن اُبی کی غایت یہ تھی کہ کسی
طرح حریمِ نبوی کے اندر اور باہر تفرقہ پیدا ہو جائے اور یار غار اور رفیقانِ جاں نثار
میں ان بن ہو جائے تاکہ اسلام کی روز افزوں قوت کے توڑنے میں اس کو آسانی ہو
یہ کارروائی ایسے نازک وقت میں کی گئی جب کہ دشمنوں کی متفقہ فوجوں کا سیلاب
مدینے کی طرف بڑھ رہا تھا (جیسا کہ واقعات آئندہ سے معلوم ہوگا)۔ ایک بات اور
بھی تھی متبنٰے کی مطلقہ سے عقد کرنے کا واقعہ پیش آچکا تھا دشمنوں کی زبانیں تیز
ہو چکی تھیں۔ اب اس مضمون والتہمت کو بڑھا چڑھا کر بُرے رنگ میں ظاہر کرنا ان
کے نزدیک آسان تھا۔ آنحضرتؐ نے جب یہ چرچا سُنا تو پہلے یہ مناسب سمجھے
کہ معتبر مردوں اور عورتوں سے واقعات معلوم فرمائیں۔ حضرت زینب بنت جحش جو

اگرچہ حضرت عائشہ کی سوکن تھیں صاف کہنے لگیں کہ میں نے عائشہ میں بجز نیکی
اور کچھ نہیں دیکھا۔ اسی طرح اور شہادتیں گذریں۔

تب آنحضرت حضرت عائشہ کے پاس جو اپنے والدین کے یہاں اس تہمت
کی خبر پاکر چلی گئی تھیں اور گریہ و بکا میں مشغول تھیں تشریف لائے اور فرمایا: "اے
عائشہ اگر تو اس تہمت سے پاک ہے تو خدا تجھے بری کرے گا، لیکن اگر تو آلودۂ گناہ ہو
گئی ہے، تو توبہ کر، خدا قبول فرمائے گا۔" یہ سن کر حضرت عائشہ کے آنسو فوراً تھم گئے۔ اپنے
والدین کی طرف اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں۔ انہوں نے کہا "ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" تب
حضرت عائشہ نے جوش شرافت اور اپنی پاک دامنی کے یقین میں یوں جواب دیا۔

اِنّی واللہ لقد علمت	خدا کی قسم مجھے معلوم ہو گیا کہ تم
لقد سمعتم ھذا الحدیث	نے یہ بات سنی، یہاں تک کہ
حتی استقر فی انفسکم	تمہارے دلوں میں قرار پکڑ گئی اور
وصدقتم بہ فان قلت	تم نے اس کی تصدیق کی، پس اگر
لکم انی بریئۃ لا	میں کہوں کہ میں اس سے بری ہوں
تصدقونی ولئن اعترفت	تو تم تصدیق نہ کرو گے اور اگر میں
لکم بامر واللہ یعلم	اس امر کا اقرار کر لوں حالانکہ
انی منہ بریئۃ لتصدقنی	اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری
فواللہ لا اجد لی ولکم	ہوں تو تم تصدیق کر دو گے۔ بخدا
مثلا الا ابا یوسف حین	خدا کی قسم میری تمہاری مثل وہی

لیکن تعصب کا بُرا ہو جس نے انگلستان کے ایک مشہور مستشرق کے قلم کو یہود مدینہ کی زبان بنا دیا۔ مارگولیوث حضرت عائشہؓ کے متعلق نزولِ وحی کا مضحکہ اڑاتے ہیں کاش وہ توریت میں اس واقعے کو یاد کرتے جب خداوند یہواہ خود عمودِ سحاب میں اترتا ہے اور حضرت موسیٰ کی بے گناہی ثابت کرتا ہے۔ اور تہمت لگانے والوں کو مبروص کرتا ہے۔ اسی طرح کتاب پیدائش میں خود خدا حضرت سارہ کی عصمت کی گواہی دیتا ہے جب وہ حاکم مصر کے پنجے میں پھنس گئی تھیں۔ یہود نے حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی مگر مارگولیوث کو شاید یاد نہیں رہا کہ یہ قرآن ہے جس نے مادرِ مسیح کی عصمت کی گواہی پُرجوش طریقے پر دے کر پیروانِ توحید کے قلوب کو تعظیم و توقیر کے جذبات سے لبریز کیا ہے۔

مدینے میں جس وقت بدباطن خبیثوں کی زبانوں کی زہر آلود برچھیاں مومنین کے قلوب کو زخمی کر رہی تھیں عین اُس وقت مکہ کی طرف سے تیغ و تبر کا ایک پُرخیز طوفان اُٹھا اور اُفقِ مدینہ پر چھا گیا۔ ذیل میں ہم اُس کی تشریح کرتے ہیں۔

نہیں ہے لشکرِ اسلام کے گرد ایک خندق کھودی جائے ورنہ نفسِ جنگ کی جائے اہلِ عرب کھلے میدان میں نیزہ بازی اور تیغ زنی کے عادی تھے وہ اس طریقِ جنگ سے واقف نہ تھے۔ آنحضرت کو یہ رائے پسند آئی اور خود بنفسِ نفیس تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر مدینے کی جانب شمال و مشرق ایک ہی خندق جس کا عمق پانچ گز تھا بیس دن کے عرصے میں سامنے کھود کر جنگ کے لئے مستعد ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعے میں بھیج دیا۔

مدینے میں اس وقت تک یہودی قریظہ آباد تھے جنہوں نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت معاہدے کی تجدید کر دی تھی لیکن اس نازک وقت میں حیی بن اخطب کے بہکانے سے نقضِ عہد پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت نے اُن کے حلیف سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو سمجھانے بھیجا، مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ آنحضرت کو جب اس خطرناک دغا بازی کی اطلاع ہوئی فرمایا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ پھر سلمہ بن اسلم کو دو سو آدمیوں اور زید بن حارثہ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لئے متعین کیا اور باقی اصحاب کے ساتھ کفار کی مدافعت شروع کی۔

واقعاتِ جنگ | اس غزوے کا حال قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں یوں مذکور ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ	جب آئے تم پر اوپر سے اور نیچے
وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ	سے اور جب خیرہ ہو گئیں آنکھیں
زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ	اور پہنچ گئے دل حلقوم تک اور

الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ	گمان کیا اللہ سے طرح طرح کے
بِاللّٰهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ	گمان اُس وقت آزمائے گئے
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا	مومن اور ہلائے گئے سخت
زِلْزَالًا شَدِيدًا۔	ہلانا۔

متفقہ فوجوں نے نہایت سختی سے محاصرہ کیا لیکن چونکہ عمیق خندق حائل تھی دُور سے تیر اور پتھر برسانے کے اور کوئی علاج اُن کے پاس نہ تھا۔ آنحضرت نے خندق کے مختلف حصوں پر اصحاب کے دستے متعین کر دیئے تھے جو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے مدافعت میں مشغول تھے انہیں یہ دقت تھی کہ جنگ میں ذرا سی غفلت اور عجلت کا نتیجہ کیسا خطرناک تھا۔ جنگ جو قریش ہر روز یکے بعد دیگرے کی ماتحتی میں زور و شور سے حملہ کرتے تھے مگر ناکام واپس آتے تھے خالد ابن ولید عمرو ابن العاص، ضرار ابن الخطاب اور دوسرے دلیروں نے بڑی بار بڑی سے کوشش کی مگر بہادران اسلام نے اُن کے منہ پھیر دیئے۔

آخر ایک دن کفار نے بہ ہیئت مجموعی تیر اور پتھر برساتے ہوئے حملہ کیا ان میں جو مشہور شہسوار اور شجاع تھے وہ سب آگے غیظ و غضب میں بھرے آ رہے تھے ایک مقام پر خندق چوڑی نہ تھی اُس جگہ کو اُن لوگوں نے پیش نظر رکھ کر گھوڑے ڈالے۔ وہ چشم زدن میں خندق پھاند آئے۔ عمرو ابن عبدود جو اس زمانے میں ایک ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ نوفل ضرار عکرمہ بن ابی جہل اور ہبیرہ بھی تھے۔ عمرو نے آتے ہی رسم عرب کے مطابق آواز دی میرے مقابلے کو کون

نکلتا ہے؟" یہ سنتے ہی حضرت علی مرتضیٰ بے خوف و خطر اس کے سامنے آگئے اور
فرمایا "اے عمرو میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر کوئی دو درخواستیں تجھ سے
کرے تو ایک ضرور تو پوری کرے گا؟" اس نے کہا "ہاں"۔ تب آپ نے فرمایا "تو خدا
اور اس کے رسول پر ایمان لا"۔ اس نے جواب دیا "یہ نہیں ہو سکتا"۔ آپ نے فرمایا "پھر
تو اب تو میرا مقابلہ کر"۔ اس نے جواب دیا "بھتیجے میں نہیں چاہتا کہ تجھے قتل کروں"۔ آپ
نے جواب دیا "مگر میں اب تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں"۔ یہ سنتے ہی عمرو غضبناک ہو کر
گھوڑے سے اترا اور اس کی کونچیں کاٹ کر برق دم تلوار کھینچ کر زور و شور سے حملہ آور
ہوا۔ آپ نے کمال استقلال سے اس کا وار روکا۔ پھر ذوالفقار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا
کہ شانہ کاٹتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ پھر نعرۂ تکبیر بلند کر کے گروہ کفار پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے
آپ کے ساتھ ہو کر دلیرانہ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ کفار منہزم ہو گئے۔ نوفل بھاگتے وقت
خندق میں گرا۔ مسلمانوں نے پتھر مارنا شروع کئے۔ وہ چلایا "اے معاشر عرب میں شریفانہ
موت چاہتا ہوں!" یہ سن کر حضرت علی خندق میں کود پڑے اور تلوار سے مقابلہ
کر کے اس کو قتل کیا۔

کہتے ہیں کہ یہ روز نہایت سخت تھا۔ تمام دن جنگ رہی کئی بار کفار مسلمانوں کو
بہا لے جانا چاہتے تھے مگر وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ اس دن صلوٰۃ الخوف بھی
پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ کیونکہ متصل تیر بازی اور سنگ اندازی کے باعث جگہ سے ہٹنا ممکن
نہ تھا۔ بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر غروب آفتاب
کے وقت کفار کو گالیاں دیتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کی یا رسول اللہ آج تو نمازِ عصر بھی ادا کرنے کا موقع نہ ملا۔ آپ نے فرمایا مجھے کوئی موقع نہ ملا۔ پھر قضا پڑھی۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے یوں دعا فرمائی:

اللّٰھم منزل الکتاب — خداوندا تو کتاب نازل کرنے والا
سریع الحساب اھزم — جلد حساب لینے والا۔ فوجوں کو
الاحزاب اللّٰھم — شکست دینے والا ہے۔ خداوندا
اھزمھم وزلزلھم — ان کو شکست دے اور ان میں
(بخاری کتاب المغازی) — زلزلہ ڈال دے۔

قدرتِ الٰہی کا کرشمہ

وہ خدا جس نے بدر و اُحد میں غیب سے اپنے دین کی نصرت و حمایت فرمائی تھی اب اس موقع پر جب ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا تھا اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا جس کی تفصیل یہ ہے:

دشمنوں کو اپنی کثرت اور قوت پر ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جاتے ہی مدینے کو لوٹ لیں گے اور اسلام کا خاتمہ کر دیں گے۔ لیکن آتے ہی جب خلافِ امید ایک نئے طرزِ جنگ یعنی خندق کا سامنا ہوا، پھر باوجود متواتر کوششوں اور ایک مرتبہ خندق عبور کرنے پر بھی مسلمانوں نے دلیری اور استقلال سے ان کا مقابلہ کر کے منہزم کر دیا تو کفار کے پائے ثبات کو لغزش شروع ہوئی۔ سیماب صفت قبائلِ عرب بہت دنوں تک ٹھہرنے والے نہ تھے وہ لوٹ مار کے شائق تھے موقع ملا تو لوٹ لیا ورنہ واپس لوٹ گئے۔ اس کے علاوہ قریش نے رسد کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا

تھا کہ اتنی بڑی فوج کو عرصہ تک نہ روک سکتے، اس پر شدت یہ ہوئی کہ میدان میں یہود بنی قریظہ اگرچہ نقض عہد کر کے کفار کے شریک تھے لیکن اتنی جرأت نہ تھی کہ ادھر کفار باہر سے حملہ کریں اور یہ فوراً ہی لوگ پیچھے سے نکل پڑیں۔

طبری نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ جس قلعے میں آنحضرت ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو محفوظ رکھا تھا، ایک دن ایک یہودی جاسوس اس کے قریب آکر دیکھ بھال کر رہا تھا۔ آنحضرت کی پھوپھی حضرت صفیہ نے یہ دیکھ کر حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ جا کر اس مخبر کو قتل کر دو۔ انہوں نے جواب دیا اے بنت عبدالمطلب میں مرد میدان ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ یہ سن کر حضرت صفیہ نے ایک چوب اٹھالی اور نیچے آکر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر حسان سے پکار کر کہا۔ اب ادھر آیئے اور اس کے ہتھیار اور کپڑے اتار لیجئے، حسان نے جواب دیا مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ جاسوس کے قتل کے بعد پھر یہود نے ادھر رخ نہ کیا۔[1]

الغرض محاصرے نے طول کھینچا، اور متعدد فاقے ہیں بے دلی شروع ہوئی اس حالت میں دفعتہً ایک شب کو اس زور کا طوفان آیا کہ خیمے اکھڑ اکھڑ کر گر پڑے چولہوں پر دیگچے الٹ گئے، اندھیری رات، سرد ہوا کے جھونکے تیر کا کام دیتے تھے، فوج اس بے سامانی سے بدحواس ہو گئی، صبح ہوتے ہی ابو سفیان لشکر قریش کو لے کر مکہ چلا اور قبائل عرب نے بھی اپنی راہ لی۔

---

[1] طبری جزو ۳ صفحہ ۵

افقِ مدینہ صاف ہو گیا۔ تاہم بانیٔ فساد حیی بن اخطب اور اس کے رفقاء یہودی
بنی قریظہ کے قلعوں میں ٹھہر گئے۔

اس جنگ میں اگرچہ نقصانِ جان بہت کم ہوا لیکن قبیلہ اوس کے سردارِ
اعظم حضرت سعد بن معاذ جو دینِ برحق کے پرجوش حامی اور مشہور جاں نثاروں
میں سے تھے تیر سے ایسے زخمی ہوئے کہ ایک ماہ تک بیمار رہ کر اعلیٰ علیین کو سدھارے
احزاب کے منتشر ہونے کے بعد جو الفاظ آنحضرت کی زبانِ پاک سے نکلے
وہ توحید و توکل اور شکر و ثنا کے آئینہ دار ہیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے
مروی ہے کہ آپ نے یوں فرمایا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ
وحدہٗ اعز جندہٗ ونصر	کے جو اکیلا ہے جس نے اپنے لشکر
عبدہٗ وغلب الاحزاب	کو عزت دی اور اپنے بندے کو مدد
وحدہٗ فلا شیئ بعدہٗ	دی اور اکیلے فوجوں پر غالب ہوا
(کتاب المغازی)	پس کوئی شے اس کے بعد نہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس جنگ کے ذکر میں آپ فرمایا کرتے تھے

نصرت بالصبا واہلکت	مجھے مشرقی ہوا سے مدد دی گئی
عاد بالدبور (بخاری کتاب المغازی)	اور قوم عاد باد مغرب سے تباہ ہوئی

قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی

اذکروا نعمۃ اللہ	نعمتیں جو تم پر ہیں جب تم پر لشکر
علیکم اذ جاءتکم جنود	آگئے پس ہم نے ان پر ہوا کو بھیجا
فارسلنا علیہم ریحا و	اور وہ لشکر کہ نہ دیکھتے تم انھیں کو
جنودا لم تروھا وکان	اور اللہ تمہارے کاموں سے آگاہ
اللہ بما تعملون بصیرا	ہے۔

یہود بنی قریظہ کا سوء خاتمہ

عہد کی پابندی

قدیم زمانے سے جو لوگ شجاع اور شریف تھے انھوں نے رنج و راحت ہر حالت میں وفائے عہد اپنا ہمیشہ شعار رکھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں نے عہد کی پابندی میں اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں یہی حال بہادران عرب کا تھا۔ سموئل بن عادیہ جاہلیت کا مشہور یہودی شاعر تھا کہ حاکم تھا اور اپنے مستحکم قلعہ میں رہتا تھا۔ امراؤ القیس نے قسطنطنیہ جاتے وقت اپنی چند زرہیں اس کے پاس امانت رکھیں۔ منذر شاہ حیرہ کو خبر ہوئی جنھوں نے فوج سموئل کے مقابلے کو بھیجی کہ وہ زرہیں چھین لی جائیں۔ فوج نے قلعہ کا محاصرہ کیا اتفاق سے سموئل کا بیٹا جو ہرن شکار کھیلنے گیا تھا گرفتار ہو گیا۔ سردار فوج نے سموئل سے کہا کہ اگر تم زرہیں نہ دو تو تیرے بیٹے کو قتل کر دوں گا۔ سموئل نے جواب دیا ہر حال میں عہد کا پابند ہوں۔ یہ سن کر سردار فوج نے جگر پارہ سموئل کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس وقت سے عرب میں یہ مثل مشہور ہے وفی کوفاء السموئل

ذیل کے شعر میں سموئل نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وفیت بادرع الکندی انی — اذا ما خان اقوام وفیت

قرآن مجید میں عہد کی پابندی ایمان کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اے ایمان والو پورے کرو
اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (مائدہ)	وعدے۔
اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ	وعدہ پورا کرو بے شک وعدہ
كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل)	پوچھا جائے گا۔

یہود بنی قریظہ سے جب حیی بن اخطب نے کہا۔ دیکھو یہ لشکر الٹا ہوا فوج احزاب آ پہنچی اب تم لوگ بھی ہمارے ساتھ ہو کر مقابلہ کرو تو سردار بنی قریظہ کعب ابن اسد نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ ہم نے محمدؐ کو عہد شکنی کرتے نہیں دیکھا لیکن ابن اخطب کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے باوجودیکہ بنی نضیر کے اجلاء کے وقت تجدید عہد کی تھی ایسے نازک وقت میں عہد شکنی کی جب دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور اسلام کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ آخر عہد شکنوں کو ان کی شامت اعمال نے تباہ و برباد کیا جو نہایت عبرت خیز ہے ؎

ایں جہاں کوہ است و فعل ما ندا

بشارات قرآن

قرآن مجید میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ	اور جن کتاب والوں نے

وَهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ	مددگار ہوئے، ان کو قلعوں سے
مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ	اتارا اور اُن کے دلوں میں رعب
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ	ڈال دیا، ایک گروہ کو تم قتل کرتے
وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا (احزاب)	ہو ایک کو قید۔

جس صبح کو دشمن کی متفقہ افواج پراگندہ ہوگئی۔ لشکر اسلام خندق سے ہٹ کر شہر واپس آیا اُسی سہ پہر کو آنحضرت نے حکم دیا کہ مسلمان ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور فوراً روانہ ہو کر نماز عصر بنی قریظہ کے قلعوں کے سامنے پڑھیں۔ بنی قریظہ عہد شکنی کر کے سمجھ چکے تھے کہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا لیکن حیی بن اخطب اُن کے ساتھ تھا۔ اُمید تھی کہ وہ جوڑ توڑ کر کے پھر قبائل عرب کو برانگیختہ کر کے مدد پر لائے گا لیکن جس غیر معمولی تیزی کے ساتھ آنحضرت لشکر اسلام لئے ہوئے اُسی دن اُن کے قلعوں کے سامنے آپہونچے اِس سے وہ لوگ گھبرا گئے اور یہ جرأت نہ کر سکے کہ باہر نکل کر اور راستہ روک کر مقابلہ کرتے، صرف قلعہ بند ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

محاصرہ

محاصرہ نے جب طول کھینچا تو ایک دن سردار یہود کعب ابن اسد یوں کہنے لگا: "لوگو تم جان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں پھر ایمان کیوں نہیں لاتے تاکہ تمہاری جان اور مال محفوظ رہیں" انہوں نے جواب دیا "ہم توریت کو نہ چھوڑیں گے" تب اُس نے کہا "تو پھر اب اپنے ہاتھوں سے زن و فرزند کو قتل کر کے اور اُن کی فکر سے خالی الذہن ہو کر تلواریں لے کر نکل پڑو، اور مارو اور مر جاؤ" انہوں نے جواب دیا "یہ ہم سے نہ ہوگا" تب اُس نے کہا "اچھا سبت کے دن جب مسلمان تمہاری طرف سے مطمئن

ہوں یکایک نکل کر حملہ کر دو" مگر انہوں نے جواب دیا "ہم سبت کے دن مقابلہ نہ کریں گے"

یہود اسی شش و پنج میں تھے کہ ایک دن حضرت علی مرتضیٰ زبیر ابن العوام کے ساتھ نکلے اور آواز دی "یا تو آج فتح ہے یا مثل حضرت حمزہ شہادت"۔ یہ سُن کر یہود نے کہلا بھیجا کہ "اچھا ابولبابہ کو جو یہود کے حلیف تھے مشورہ کے لئے بھیج دیا جائے"۔ جب وہ آئے تو یہود نے کہا "کیا ہم اپنے آپ کو محمدؐ کے سپرد کر دیں؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں!" مگر ساتھ ہی گردن کی طرف اشارہ کیا، یعنی تم لوگ قتل ہو گے۔ ابولبابہ سمجھے تھے کہ ایسے بدعہدوں کی سزا جب کہ ایسے نازک وقت میں دغا دی بجز قتل کے اور کیا ہو گی، اس لئے انہوں نے ایسا کیا۔ لیکن واپسی کے وقت اپنی اس حرکت پر ایسے نادم ہوئے کہ رسول اللہ کو منہ نہ دکھایا۔

حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ اور اس پر ایک نظر

تب یہود نے اس اُمید پر کہ اُن کے حلیف حضرت سعد ابن معاذ کچھ رعایت کریں گے کہلا بھیجا کہ "ہم اس شرط پر اترتے ہیں کہ ہمارے حق میں جو فیصلہ سعد کریں وہ منظور ہے لیکن سعد نے ان کے حق میں انہیں کی کتاب توریت کا فیصلہ صادر کیا۔

توریت مثنیٰ باب بستم آیت ۱۲ و ۱۴ میں لکھا ہے:

"جب شہر دشمن پر تجھے دسترس حاصل ہو تو ہر ایک مرد کو تلوار کے گھاٹ اُتار دے اور عورتوں اور بچوں مویشی اور جو کچھ شہر میں ہو اُن سب پر تصرف کر۔"

اسی طرح کتاب خروج باب سی و دوم آیت ۲۸ میں لکھا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ نے تین ہزار بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے
جُرم میں ایک دن کے اندر قتل کر دیا"
اسی طرح کتاب یوشع باب یازدہم آیت ۱۱ میں لکھا ہے کہ:
"یوشع پیغمبر نے شہر حاصور پر غلبہ حاصل کر کے کسی ذی روح کو
زندہ نہ چھوڑا پھر شہر کو نذرِ آتش کر دیا"
یہ تھی شریعت موسوی جو بنی قریظہ کے حق میں انہیں کی پسند کے مطابق اُن کے سوءِ خاتمہ کا باعث ہوئی۔ رسولِ کریم نے بنی قریظہ سے بدتر مجرمین قریش کے قیدیوں کو جنگ بدر میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح غزوہ بنی المصطلق، فتح مکہ اور حنین میں جو رحیمانہ برتاؤ آپ نے کیا وہ تاریخ کے صفحات میں آبِ زر سے لکھا ہوا ہے۔ کاش بنی قریظہ رحمۃ اللعالمین کے فیصلے پر اپنے آپ کو سپرد کر دیتے تو ایسا سخت واقعہ پیش نہ آتا جیسا حضرت سعد کے فیصلے سے ہوا جو اس وقت زخمی ہو کر بستر مرگ پر پڑے تھے۔

دردانگیز واقعات

الغرض حضرت سعد ابن معاذ نے جو فیصلہ کتاب الٰہی یعنی توریت کے مطابق کیا وہ یہ تھا کہ مرد قتل ہوں اور عورتیں اور بچے اسیر کئے جائیں۔ ابن اسحاق نے اس بدنصیب گروہ کے سوءِ خاتمہ کے متعلق بعض دردانگیز واقعات بھی نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا قلم ہے جو اپنے دشمنوں کا بھی مرثیہ لکھ سکتا ہے۔

بنی قریظہ میں ایک یہودی زبیر ابن باطا تھا جس نے جنگ بعاث میں

ثابت بن قیس انصاری کی جان بچائی تھی۔ جب بنی قریظہ قتل ہونے لگے تو زبیر نے ثابت سے کہا "مجھے پہچانتے ہو؟" انہوں نے کہا "کیوں نہیں، تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے آج اس کا بدلہ دوں گا۔" یہ کہہ کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ میں زبیر کا ممنون ہوں آپ مجھے اس کو بخش دیجیے۔" آپ نے فرمایا "اچھا اس کو لے جاؤ۔" ثابت نے زبیر کو جان بخشی کی خوش خبری سنائی۔ اس نے کہا "جب اہل و عیال نہیں تو لطفِ زیست کیا؟" ثابت نے پھر سفارش کی جو قبول ہوئی تب اُس یہودی نے کہا "حجاز یوں کو مال کے بغیر چارہ نہیں" چنانچہ وہ بھی اس کو عطا ہو گیا تب یہودی بولا "ثابت بتاؤ وہ روشن چہرہ سردار قبیلہ کعب ابن سعد کہاں ہے؟"

ثابت: وہ تو قتل ہو گیا۔

زبیر: اور وہ شہریوں اور بدوؤں کا سید حیی بن اخطب کہاں ہے؟

ثابت: وہ بھی قتل ہو گیا۔

زبیر: اور وہ ہمارا پیشوا اور حامی عزال بن سموأل کہاں ہے؟

ثابت: وہ بھی مارا گیا۔

زبیر: اچھا اتنا بتا دو کہ بنی کعب اور بنی عامر کے پیارے کہاں ہیں؟

ثابت: وہ تہہ تیغ ہو رہے ہیں۔

زبیر: ثابت میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا آج اُس کا واسطہ دلا کر تم سے ایک سوال کرتا ہوں دیکھو رد نہ کرنا۔

ثابت: میں وعدہ کرتا ہوں رد نہ کروں گا۔

زبیر: ثابت بس اب اٹھو اور تلوار کا ایک تلا ہوا ہاتھ میری گردن پر مارو میں اپنے پیاروں سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیکھو وعدہ خلافی نہ کرنا۔

ثابت حیرت سے زبیر کا منہ تکنے لگے پھر اس کے چہرے پر بلا کا استقلال دیکھ کر اور اس کے اصرار سے مجبور ہو کر اس کی دردناک آرزو پوری کی۔

حضرت عروہ ابن زبیر حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں مقتولین کی فہرست میں ایک یہودن بھی تھی جس نے خلاد بن سوید کو پتھر کی سل ڈھکیل کر قتل کیا تھا وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ مجرموں کے نام پکارے جاتے تھے اور قتل گاہ میں لاتے تھے۔ یکایک اس کا نام پکارا گیا وہ بے تامل اٹھ کھڑی ہوئی میں نے کہا۔ کہاں جاتی ہے؟ بولی "میں نے ایک جرم کیا تھا، اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں" میں نے حیرت سے اس کو دیکھا کہ کس خوشی سے قتل گاہ کو جاتی ہے!

ابن اسحاق اور واقدی کی دو روایتوں پر تبصرہ

ابن اسحاق نے قریظہ کے سوء خاتمہ کے متعلق بعض باتیں ایسی بیان کی ہیں جو صحیح نہیں ہیں پھر ان باتوں کو واقدی کے کاتب ابن سعد نے ایسے بدنما پیرائے میں بیان کیا کہ دشمنان دین کو گرفت کا موقع مل گیا۔ ذیل میں ہم دو روایتیں نقل کرتے ہیں

روایت اول (ابن اسحاق)

ثم خرج رسول اللہ	پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم الی	مدینے کے بازار میں تشریف
سوق المدینۃ التی ھی	لائے جہاں آج بھی بازار ہے

سوقها اليوم فخندق بها
خنادق ثم بعث اليهم
فضرب اعناقهم في تلك
الخنادق يخرج بهم اليه
ارسالا وفيهم عدو الله
حيي بن اخطب وكعب بن
اسد راس القوم وهم ست
مائة او سبع مائة والمكثر لهم
يقول كانوا بين الثمان
مائة والتسع مائة

پھر چند گڑھے کھدوائے پھر ان
کو بلوا کر اُن گڑھوں میں اُن
کی گردنیں ماریں جہاں وہ تھوڑے
تھوڑے آتے تھے اور انہیں میں
دشمن خدا حیی ابن اخطب اور
کعب بن اسد سردار قوم تھے،
اور یہ سب لوگ ۶۰۰ یا ۷۰۰ تھے
اور بعضے کہتے ہیں کہ آٹھ سو اور
نو سو کے درمیان تھے۔
(ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۹۲، ۹۳)

(ابن سعد)

وحضر لهم اخدودا في
السوق وجلس رسول الله
صلى الله عليه وسلم ومعه
اصحابه واخرجوا اليه رسلا
رسلا فضربت اعناقهم
فكانوا ما بين ستمائة الى
سبعمائة (طبقات جزء ثانی صفحہ ۵۴)

اور بازار میں اُن کے لئے خندقیں
کھودی گئیں اور رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم صحابیوں کے ساتھ
وہاں تشریف فرما ہوئے اور
گروہ در گروہ سامنے لائے گئے
اور ان کی گردنیں ماری گئیں اور
ان کا شمار چھ سو سے سات سو تک ہے

بنی قریظہ کے حالات ابن اسحاق نے زہری سے نقل کئے ہیں جہاں جہاں
کسی روایت کا سلسلہ کسی صحابی تک پہونچا ہے اس کی تصریح ابن ہشام نے کر دی ہے
مذکورہ بالا روایت "قال ابن اسحاق" سے شروع ہوتی ہے اس لئے منقطع ہے
ابن اسحاق نے یہ روایات یہود خیبر سے سن کر نقل کی ہیں جیسا کہ ہم نے آغاز کتاب
میں ذکر کیا ہے۔ زبیر ابن باطا کا دردانگیز قصہ اولاد زبیر سے نقل کیا ہے اسی طرح اور
باتیں بھی اولادِ مقتولین سے سُن کر درج کی ہیں۔ آنحضرت نے شہر کے گرد جو مشہور
خندق احزاب کے مقابلے میں کھودی تھی وہ اس وقت پٹ نہیں گئی تھی پھر نئی خندقیں
بنی قریظہ کے لئے کھُدوانا بے فائدہ تکلیف تھی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خندق کھُدی
ہوئی تھی اس میں ان لوگوں کا خون گرایا گیا۔ اب دیکھو واقدی نے کیسا بدنما پیرایہ
اختیار کیا اور خنادق کی جگہ اخدود استعمال کیا۔ قرآن مجید میں اصحاب الاخدود کا قصہ
سورۂ البروج میں مذکور ہے۔ یمن کا یہودی بادشاہ ذونواس سخت متعصب اور ظالم
تھا، اس نے ایک خندق کھُدوائی اور آگ جلاکر عیسائیوں کو زندہ جلوا دیا اور آپ مع
مصاحبوں کے سامنے بیٹھا ہوا یہ ہولناک تماشا دیکھتا رہا۔ واقدی آنحضرت اور صحابہ
کو خندق کے سامنے بٹھاتے ہیں اور یہود کے سر کٹنے کا خونی منظر دکھاتے ہیں۔
مارگولیوث نے واقدی کی اسی روایت کو لے کر اپنی کتاب "محمد" میں زورِ قلم دکھایا
ہے۔ ہم مارگولیوث کو الزام نہیں دیتے ملزم واقدی ہیں جو شوق داستاں سرائی اور
ذوق عبارت آرائی میں رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کو بھول کر جوش میں آیا بک گیا۔

مقتولین کی تعداد ۴۰۰ سے ۹۰۰ تک بتائی جاتی ہے یہ اس وجہ سے کہ

چونکہ حضرت سعد ابن معاذ نے فیصلہ توریت کے مطابق کیا تھا کہ جس قدر مرد ہوں قتل ہوں اور عورتیں اور بچے اسیر ہوں لیکن ابن اسحاق اور واقدی دونوں نے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت کے اس سخت فیصلے کی پوری پوری تعمیل نہیں ہوئی۔ مثلاً زبیر ابن باطا کو آنحضرت نے ثابت ابن قیس کی سفارش سے چھوڑ دیا تھا، اور اس کے اہل و عیال کو بھی۔ اسی طرح سلمی نے رفاعہ ابن سموئل کی جان بخشی چاہی تو آپ نے اس کو بھی رہا کر دیا جیسا کہ طبری سے منقول[1] ہے۔ عورتوں اور بچوں کے قید کرنے کا حکم تھا لیکن ایک ایسی عورت بھی تھی جو قتل ہوئی (جس کا قصہ ہم اوپر لکھ چکے) پھر ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ بنی قریظہ کو دار بنت الحارث میں قید رکھا تھا۔ عروہ کی روایت میں دار اسامہ بن زید منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ گھر کوئی وسیع محل سرا یا جیل خانے نہ تھے جہاں اس قدر تعداد مقتولین بھر دی جاتی سوائے اس کے کہ اس کو کلکتہ کا بلیک ہول کہیں۔ محدثین نے تعداد مقتولین چار سو رکھی ہے مگر صحیح بخاری میں تعداد مذکور نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف سرداران بنی قریظہ اور اس کے ساتھ اکثر لڑنے والے قتل ہوئے باقی سب اسیر ہو گئے۔ قرآن مجید میں صرف فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً مذکور ہے۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام غزوات کے مقتولین کے مقابلے میں بنی قریظہ کی تعداد مقتولین زیادہ تھی جو سوء اتفاق سے اس شریعت کے حکم کی تعمیل تھی جس نے ایک دن کے اندر تین ہزار گوسالہ پرست اسرائیلیوں کو

---

[1] طبری جزو ثالث صفحہ ۵۹

عہدِ موسوی میں ذبح کر دیا تھا۔

دُوسری روایت ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ قیدیوں میں ایک یہودن ریحانہ کو آنحضرت نے اپنے لئے چُن لیا اور ملک یمین کے طور پر تصرف کیا۔ آپ نے چاہا تھا کہ نکاح کر کے پردے میں بٹھائیں مگر ریحانہ کو یہ آسان معلوم ہوا کہ لونڈی بن کر رہے۔ ریحانہ نے کچھ عرصے تک اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ آنحضرت کو گراں گذرا لیکن پھر وہ ایمان لائی اور رسول اللہ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔

ابن سعد نے طبقات میں ریحانہ کے متعلق واقدی سے سات مختلف روایتیں نقل کی ہیں۔ دو روایتیں وہی ہیں جو ابن اسحاق نے بیان کیں۔ تین روایتوں میں آزاد کر کے نکاح کرنا، پھر حجۃ الوداع میں اس کا انتقال کرنا اور بقیع میں دفن ہونا منقول ہے۔ ایک روایت میں نکاح کے چند روز بعد طلاق دے دی، وہ بہت روئی بیٹی، تب آپ نے رجوع کر لیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے اس کا انتقال ہوا ایک روایت میں ہے کہ نہیں جب طلاق دے دی تو وہ اپنے گھر چلی گئی۔

ابن اسحاق کی جو مذکورۂ بالا روایت ابن ہشام اور طبری میں منقول ہے اس میں کسی راوی کا نام نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روایت ضعیف ہے، اور ابن اسحاق نے کسی شخص سے سُن کر ایسا لکھ دیا۔ واقدی کے حافظے کا کیا پوچھنا سات روایتیں مع سلسلۂ اسناد تیار کر کے پیش کر دیں لیکن ان روایتوں کا سلسلہ کسی صحابی تک نہیں پہونچتا۔ حالاں کہ اگر ریحانہ سے نکاح ہوا اور حجۃ الوداع میں انتقال ہوا تو ضرور کوئی صحابی ایسی ام المومنین کا ذکر کرتا جیسے حضرت زینب

بنت خزیمہ کا احوال جن کا انتقال آنحضرت کے سامنے ہوا۔ لیکن اگر وہ لونڈی رہیں اور وفاتِ رسول اللہ کے بعد انتقال کیا تو جس خلیفہ کے عہد میں وفات پائی وہ تاریخ ضرور ضبط کی جاتی جس طرح دیگر ازواجِ مطہرات بشمول حضرت ماریہ قبطیہ کے سن وفات قلم بند کیے گئے۔ اصل یہ ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق چونکہ توریت کے مطابق فیصلہ ہوا تھا جس میں یہ لکھا ہے :-

"اسیرانِ جنگ میں اگر تجھے کوئی حسینہ نظر آئے اور تو پسند کرے کہ اُس کو اپنے حرم میں داخل کرے تو اُسے اپنے گھر میں لاکر اُس کے بال منڈوا دے اور ناخن کتروا دے۔ پھر وہ لباس اسیری اُتار ڈالے اور تیرے گھر میں ایک ماہ تک اپنے ماں باپ کا ماتم کرے" جس کے بعد تو اُس سے ہم بستر ہو۔ پھر اگر تجھے لطف نہ آئے تو اُسے چھوڑ دے جہاں جی چاہے چلی جائے۔ لیکن اُسے بیچ کر روپیہ نہ کما۔ کیوں کہ تو نے اُس کی عزت لی ہے"

(توریت مشنے باب بستم آیت ۱۱-۱۴)

اس لئے اربابِ سیر نے ریحانہ کو ڈھونڈھ نکالا۔ اُموی اور عباسی درباروں کی عیش پرستیاں ملک یمین کی بخشیں۔ اور نام نہاد خلفائے رسول کے لئے تیریانِ جنگ سے متمتع ہونے کے لئے سند جواز یہ وجوہ تھے جن کی بنا پر قصۂ ریحانہ مشہور کیا گیا، ورنہ اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔ (ازواجِ مطہرات کے ذکر میں ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے)

صُلح حُدیبیہ

(سنہ ۶ ھ)

واقعات زندگی میں بھی دریا کی طرح مدّ و جزر ہوتا ہے۔ قریش کا زور جنگ احزاب میں ناکامی کے بعد سے گھٹنا شروع ہوا۔ اُن لوگوں نے ہجرت کے بعد ہی مسلمانوں کو حج و عمرہ کے حق سے بے جا طور پر محروم کر کے لڑائی کی آگ روشن کر دی تھی۔ ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ سخت ترین دشمنانِ اسلام کا اگرچہ خاتمہ ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی جہالت اور ضد صلح و آشتی کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی تھی مان کے وسائل آمدنی محدود ہو گئے تھے۔ جان و مال کا نقصان ہو رہا تھا لیکن پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ آنحضرت نے اس حال کو ملاحظہ فرما کر متفقہ افواج کی پراگندگی کے بعد فرمایا، اب ہم خود قریش پر نکلیں گے۔ چنانچہ جس شان سے نکلے اور جو واقعات پیش آئے ملاحظہ ہوں۔

آنحضرت کی روانگی کا منظر

چودہ سو جاں نثارانِ اسلام کی ہمراہی میں شعار ابراہیمی کا زندہ کرنے والا خلیل اللہ کا پوتا قربانی کے اُونٹ لئے ہوئے بیت اللہ کی طرف عمرہ ادا کرنے نکلا، راہ میں ایک شب پانی برسا صبح کو نماز پڑھ کر صحابہ سے یوں خطاب فرمایا۔ بخاری کتاب المغازی میں زید بن خالد سے یوں روایت کرتے ہیں:۔

فصلے لنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح ثم اقبل علینا بوجہہ فقال اتدرون ماذا قال ربکم قلنا اللہ ورسولہ اعلم فقال قال اللہ اصبح من عبادی مومن بی وکافر بی فاما من قال مطرنا برحمۃ اللہ و برزق اللہ وبفضل اللہ فھو مومن بی وکافر بالکواکب واما من قال مطرنا بنجم کذا وکذا فھو مومن بالکواکب وکافر بی۔ (بخاری)

پس رسول اللہ صلعم نے نماز فجر ہمارے ساتھ ادا کی۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا 'جانتے ہو تمہارے رب نے کیا بات کہی؟' ہم نے جواب دیا 'اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے'۔ آپ بولے 'اللہ فرماتا ہے صبح کی میرے بندوں میں سے میرے ساتھ مومن اور کافر ہو کر پس جس نے کہا ہم پر بارش ہوئی اللہ کی رحمت سے اور اس کے رزق عطا کرنے سے اور اس کے فضل سے پس وہ میرے ساتھ ایمان والا ہے مگر ستاروں کے ساتھ منکر لیکن جس نے کہا کہ ہم پر بارش ہوئی ایسے ایسے تاروں کے اثر سے پس وہ تاروں کے ساتھ مومن ہے اور میرے ساتھ کافر۔

حضرت ابراہیمؑ نے اجرام فلکی کو دیکھ کر لا احب الآفلین کا نعرہ مارا تھا

اور ذات واحد کی طرف توجہ دلائی تھی۔ یہاں رسول اللہ نے اسباب اور وسائط کے پردے اٹھا کر فاعل حقیقی اور مؤثر اصلی کا جلوہ دکھایا۔

حکما جسے علت و معلول کا سلسلہ سمجھتے ہیں وہ اصل میں متقدم و مؤخر کا ظہور ہے جو ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ نظر آرہا ہے۔ فاعل اور مؤثر حقیقی اصل میں وہی ذات پاک ہے۔ انسان جس کی دماغی قوتوں نے قوانین فطرت کی عظیم الشان مشین کے کل پرزوں کو دریافت کر کے عناصر کو بہت کچھ مسخر کیا اور کر رہا ہے، وہ اسباب و علل کے چکروں میں اپنے دامن دل کو الجھنے نہ دے۔ یہ ہے اس تعلیم کا منشا جس کی تشریح کی ضرورت اس دورِ سائنس میں خاص طور سے محسوس ہو رہی ہے جب کہ علم حجاب اکبر ہو رہا ہے۔

قریش کو جب آنحضرت کی روانگی کی اطلاع ہوئی فوراً جنگ کی تیاری کی اور خالد بن ولید کو ہراول کے طور پر دو سو سوار کے ساتھ روانہ کیا لیکن آنحضرت دشوار گذار راستوں سے گذرتے ہوئے حدیبیہ میں پہونچ کر مقیم ہو گئے۔ قبیلہ خزاعہ جو مکہ کے گرد و نواح آباد تھا اگرچہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن آنحضرت کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اس کے سردار بدیل بن ورقہ کو آپ نے قریش کے سمجھانے اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت دینے کے لئے بھیجا، مگر وہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے عروہ بن مسعود ثقفی نے تب صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی مگر وہ بھی ناکام رہا تب آنحضرت نے حضرت عثمانؓ کو سفیر کے طور پر بھیجا۔ مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا اور یوں مشہور ہو گیا کہ آپ قتل ہو گئے۔

بیعت الرضوان

تب آنحضرت ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لازم ہوگیا۔ میرے ہاتھ پر اب مرنے اور مارنے کے لیئے کون بیعت کرتا ہے؟ صحابہ نے جوش و خروش کے ساتھ جاں نثاری کا عہد کیا۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضواں ہے۔

صلح نامہ

قریش نے تب مشہور مقرر سہیل بن عمرو کو جسے آنحضرت نے جنگ بدر میں رہا کر دیا تھا سفیر بنا کر بھیجا، اور حسب ذیل شرطیں پیش کیں:

(۱) امسال مسلمان واپس جائیں، وہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے، ہاں آئندہ سال زیارت کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ صرف تین دن سے زائد قیام نہ کریں، ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف ایک تلوار لاسکتے ہیں وہ بھی غلاف میں۔

(۲) لڑائی دس سال تک موقوف رہے۔ دوست و دشمن آپس میں مل سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی قریشی بغیر اذن مدینے چلا آئے، تو وہ واپس کر دیا جائے گا، مگر جو شخص مدینے سے مکہ چلا آئے وہ واپس نہ ہوگا۔

(۳) عرب کے جس قبیلے کا جی چاہے خواہ قریش سے معاہدہ کرے یا محمد صلعم سے کچھ روک ٹوک نہ ہوگی۔

(ابن ہشام جزو سوم صفحہ ۱۵۹)

آنحضرت نے جن کی جنگ و صلح صرف خدا کے لئے تھی اِن شرطوں کو قبول فرمایا۔ اگرچہ مسلمانوں کو ناگوار گذرا۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سے یوں گفتگو شروع کی:

"کیا آپ رسول اللہ ہیں؟"

"ہاں!"

"کیا ہم مسلمان ہیں؟"

"ہاں!"

"کیا وہ لوگ مشرک نہیں؟"

"مشرک ہیں۔"

"پھر ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟"

"میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول۔ میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔"

حضرت عمرؓ اب خاموش ہوگئے، مگر بعد کو اس بے ادبانہ گفتگو پر ہمیشہ نادم رہے اور کفارہ ادا کرتے رہے۔

الغرض آنحضرت نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ صلح نامہ تحریر کریں۔

آپ نے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا۔ سہیل نے کہا یہ نئی بات کیسی؟ بِسْمِكَ اللّٰھُمَّ لکھو، جو طریقۂ عرب ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔

پھر حضرت علی نے لکھا ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ سہیل بن عمرو۔ سہیل نے پھر ٹوکا اور کہنے لگا۔ محمد کو اگر ہم رسول اللہ مانتے

توجھگڑا ہی کیا تھا۔ رسول اللہؐ کی جگہ پر ان کے والد کا نام لکھو۔ آپؐ نے فرمایا کچھ مُضائقہ نہیں مُحمّد بن عبداللہ لکھ دو۔

بخاری میں روایت ہے کہ حضرت علی نے کہا میں لفظ رسُولُ اللہ نہ مٹاؤں گا۔ تب آنحضرت نے خود مٹا دیا اور اس قضیے کو طے کیا۔

سخت امتحان صبر

اب ایک سخت امتحان پیش آیا جس کی تفصیل قابلِ غور ہے۔

صلح نامہ جس وقت تحریر ہوا عین اس وقت سہیل بن عمرو کے لڑکے ابوجندل جو اسلام قبول کرنے کے باعث پابہ زنجیر رکھے جاتے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں اُٹھاتے تھے بھاگ کر آنحضرت کے سامنے آکر گر پڑے اور اپنے زخم دکھائے بے رحم باپ اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹے کو طمانچہ مار کر کہنے لگا "محمد شرط صلح کے مطابق اس لڑکے کو جو مکہ سے بھاگ کر آیا ہے میرے حوالے کردو"۔ ابوجندل نے فریاد کی "کیا میں پھر مشرکین کی طرف واپس کر دیا جاؤں گا؟ وہ مجھے میرے دین سے گمراہ کریں گے"۔ یہ سخت امتحان کا وقت تھا مسلمان پہلے سے اس صلح سے ناراض تھے اب ابوجندل کو اس حال میں دیکھ کر غم و غصہ سے بے تاب ہو گئے مگر رسول اللہؐ نے نہایت ضبط و استقلال سے ارشاد فرمایا:

"اے اباجندل صبر کر، خدا تجھے اور تیرے ساتھ مستضعفین کو اس مصیبت سے نجات دے گا۔ اب ہم معاہدہ کر چکے بدعہدی نہیں ہو سکتی"

(ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۱۶۰)

یہ بھی وفائے عہد کی عملی تعلیم ہے۔ سبحان اللہ!

ابوجندل کو اسی حالِ زار کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ قریش خوش ہوگئے کہ آنحضرت مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ اب لڑائی موقوف ہو جانے سے آمد و رفت شروع ہو جائے گی اور اسلام کی مقناطیسی کشش اپنا اثر دکھائے گی۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا جیسا کہ سورۃ الفتح میں جو سفر حدیبیہ سے واپسی میں نازل ہوئی مذکور ہے چنانچہ یہ تعبیر دوسرے ہی سال آنکھوں سے نظر آئی جب خیبر اور مکہ دونوں فتح ہو گئے۔ اس سورۃ میں یہ بھی پیشین گوئی ہے کہ

دِینِ الحق لیظھرہ علی الدین	یہ سچا دین سب دینوں پر غالب
کلہ وکفیٰ باللہِ شھیدًا	رہے گا اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اللہ کی گواہی تاریخ عالم سے روشن ہے۔ اسلام بہ لحاظ اپنی حقانیت کے سب ادیان پر ہمیشہ غالب رہے گا۔ اگرچہ مسلمان سیاسی حیثیت سے کبھی غالب کبھی مغلوب ہو جائیں۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ	اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے ہو۔

حال میں برنارڈ شا نے ۲۲ر دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء کو اسلامک ریویو میں یہ الفاظ تحریر کیے کہ "آج کل کی دنیا کو اصلاح شدہ اسلام ہی فتح کر سکتا ہے" یہ اصلاح شدہ اسلام وَاِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی تفسیر ہے۔ کاش اسلامی فرقوں کے رہنما

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا پر عملی حیثیت سے کاربند ہوں۔

مستضعفین کی سرگذشت

جو کمزور اور ضعیف مسلمان آنحضرت کے ساتھ ہجرت نہیں کر سکے تھے اور مکہ میں کفار کے ہاتھوں صبر کے ساتھ مصائب برداشت کرتے تھے ہجرت کے بعد ہی لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو صلح حدیبیہ تک قائم رہا۔ بعد صلح ان کو امید تھی کہ اب ظالموں کے پنجہ سے نجات مل جائے گی لیکن شرط صلح نامہ نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ ابو جندل کو آنحضرت نے وفائے عہد کے لحاظ سے واپس کر دیا تھا۔

ابو بصیر کی کارروائیاں

تاہم ایک شخص عتبہ ابن اسید ثقفی جو ابو بصیر کی کنیت سے مشہور ہیں بھاگ کر مدینے آئے قریش نے دو شخصوں کو بھیج کر آنحضرت سے ان کو واپس طلب کیا۔ آپ نے ابو بصیر سے فرمایا کہ شرط کے موافق میں تم کو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ ابو بصیر مجبوراً ان دو شخصوں کے ساتھ واپس چلے۔ لیکن راہ میں انہوں نے ایک کی تلوار چھین کر اس کو قتل کر دیا، دوسرا بھاگ گیا۔ تب انہوں نے سمندر کے کنارے مقام عیص کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ ابو جندل کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس چلے آئے۔ پھر رفتہ رفتہ اکثر مسلمان بھی اُن کے گرد جمع ہونے لگے اور چونکہ قریش کے ظلم سے نالاں تھے ان کے قافلے سے تعرض شروع کیا۔ تب قریش نے آنحضرت کو لکھا کہ آپ ان لوگوں کو طلب کر لیں ہم اب شرط پر زور نہ دیں گے چنانچہ پھر جو مسلمان مدینے آئے واپس نہیں ہوئے۔ مشہور سردار قریش خالد ابن ولید جو بعد کو سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور عمرو

ابن العاص جو بعد کو فاتح مصر کہلائے، دونوں اس واقعہ کے بعد جب خیبر فتح ہو چکا مدینے میں آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آنحضرت کے داماد ابوالعاص بھی جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے مال تجارت لے کر چلے مگر ابوبصیر نے ان کو لوٹ لیا تب یہ مدینے آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت نے ابوبصیر کو خط لکھ کر اسباب واپس دلایا[1] اور ابوالعاص دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔

ابن اسحاق کی غلط روایت

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابن اسحاق نے ابوبصیر کی روایت میں اکثر بے سند باتیں اضافہ کر دی ہیں لکھتے ہیں کہ ابوبصیر جب کافر کو قتل کر چکے تو پھر آنحضرت کی خدمت میں آئے اور پیچھے پیچھے مقتول کا رفیق بھی آیا اور ماجرا بیان کیا۔ ابوبصیر نے کہا یا رسول اللہ اس شرط کے مطابق آپ نے مجھے حوالے کر دیا تھا، اب آپ بری الذمہ ہیں۔ آپ نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا! "اگر اس کو مددگار مل جائیں تو لڑائی کے لئے خوب ہے" مارگولیتھ لکھتے ہیں کہ ابوبصیر اس اشارہ کو سمجھ کر سمندر کے کنارے ٹھہر گئے اور قافلہ قریش سے تعرض شروع کیا لیکن ابن حجر ابوبصیر کے حال میں صاف لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے اس قصہ میں زیادتی کی ہے اور واقعی ابوبصیر کا مدینے واپس آنا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرت اس صورت میں مقتول کی دیت ادا کرتے جیسا کہ عمرو بن اُمیۃ الضمری کے معاملہ میں کیا تھا، اس قسم کے شرعی حیلے دمشق و بغداد کی سیاسیات میں ارباب سیر نے ایجاد کئے رسول اللہ ایسے "اشارات" سے بری ہیں، آپ ان معاملات میں اس قسم کے حیلوں سے کوسوں دور تھے۔ اور اوفوا بالعقود کے سچے پابند۔

[1] اصابہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۴

شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام

تمہید آفتاب ایک سمت سے طلوع ہوتا ہے مگر ہر سمت کو روشن کرتا ہے۔ مہرِ رسالت اگرچہ فاران کی چوٹیوں پر چمکا مگر عرب و عجم سارے عالم کو منور کر دیا۔ بعثت کے بعد ہی جب سورۂ فاتحہ کا نزول ہوا، تو خدا جس مخصوص صفت "رب العالمین" سے یاد کیا گیا۔ اس کا اقتضا یہ نہ تھا کہ مثل موسیٰ صرف اپنی ہی قوم کو کفر و شرک کے فراعنہ سے نجات دلوائیں، یا مثل عیسیٰ گم شدہ بھیڑوں کی تلاش کی جائے بلکہ بنی نوع انسان کو اوجِ کمال پر پہونچایا جائے۔ سورۂ القلم جو قدیم مکی سورت اور سورۂ مدثر کے بعد نازل ہوئی اس میں قریش کو سنا دیا گیا تھا وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ مگر کفار متعجب تھے کہ جس دعویٔ نبوت کی مکہ کی گلیوں میں تحقیر ہو رہی ہے وہ عالم کے لئے کیوں کر فردوسِ گوش ہو جائے گا۔ تب سورۂ ص میں یوں وعدہ کیا گیا:

اِنْ هُوَ اِلَّا	نہیں ہے یہ مگر ذکر سارے
ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ	عالم کے لئے اور البتہ اس کی
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ	خبر تم ایک وقت کے بعد جان
حِيْنٍ ۔	لوگے۔

آخر وہ وقت آیا۔ صلح حدیبیہ جب آنحضرت کو قریش کی طرف سے اطمینان

ہوا تو مکہ سے واپس آتے ہی اہلِ عالم کو پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ چند خطوط مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام روانہ کئے کہ اگر یہ حکام راہِ حق پر آگئے تو رعایا پر کافی اثر ڈال سکیں گے۔

دینِ عیسوی ابتدائی تین صدیوں تک زار و زبوں رہا۔ لیکن جب قیصر قسطنطین نے صلیب کو بوسہ دیا تو یورپ، ایشیا، افریقہ تثلیث کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

زرتشت نے جب نورِ ایزدی کو چمکانا چاہا تو گشتاسپ کی قوت اور اسفندیار کی تلوار نے آتش کدے روشن کر دیئے۔

مگر اسلام کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ اُس کا شعار ابتدا سے توحید کامل تھا جو اپنے بانی کے مقدس ہاتھوں سے مکمل ہو کر عالم کے سامنے پیش ہو گیا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ زہری کے سامنے ایک نوشتہ پیش ہوا جس میں آنحضرت کے خطوط شاہانِ عالم کے نام درج تھے۔ عام روایت ہے کہ یہ خطوط صلحِ حُدیبیہ کے بعد ہی سنہ ۷ھ میں روانہ کئے گئے۔ لیکن ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ان کی روانگی کا سلسلہ سنہ ۱۰ھ تک جاری رہا۔ بہرحال نجاشی اور مقوقس کے نام جو خطوط روانہ ہوئے وہ بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بعد ہی روانہ ہوئے جن کا ذکر درج ذیل ہے:

(۱) نامۂ نامی نجاشی بادشاہ حبشہ

آغازِ اسلام سے نجاشی نے مسلمانوں کی طرف داری کی تھی۔ مکہ میں جب قریش

مسلمانوں کو طرح طرح سے اذیتیں دیتے تھے۔ مہاجرین حبشہ اطمینان سے اصحمہ نجاشی کی زیر حمایت بسر کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب قریش سے جنگ کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد ٹوٹا تو آنحضرت نے عمرو بن اُمیہ الضمری کو نامۂ مبارک دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، اور اس کو دعوت اسلام دے کر مہاجرین کو واپس بھیجنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ نجاشی کلیسائے روم کی تعلیم متعلق الوہیت مسیح کا مخالف تھا حضرت عیسیٰ کے متعلق جو تعلیم اسلام نے دی کہ خدا کے برگزیدہ رسول اور کلمۃ اللہ تھے اس کے قبول کرنے میں اسے تامل نہ ہوا، اس لئے فوراً ایمان لایا، اور مہاجرین کو بسرکردگی حضرت جعفر ابن ابی طالب کشتی میں روانہ کیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے بیٹے کو بھی ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا تھا، لیکن یہ کشتی ڈوب گئی۔ حضرت جعفر مہاجرین کو لئے ہوئے فتح خیبر کے دن آنحضرت سے ملے۔ آنحضرت اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا فتح خیبر سے خوش ہوں یا قدوم جعفرؓ سے۔

(۲) نامۂ بنام مقوقس حاکم اسکندریہ

مصر اگرچہ قیصر روم کے تحت حکومت میں تھا لیکن اس کا قبطی کلیسا رومی کلیسا سے بالکل الگ اور اس کا مخالف تھا جس کی وجہ سے مذہبی جھگڑے، اور کشت وخون کے واقعات پیش آتے تھے۔ خسرو پرویز نے جب مصر فتح کیا تو مصریوں کو کلیسائے روم سے آزادی ملنے کی خوشی ہوئی مگر دس برس کے بعد ہرقل نے ایرانیوں سے پھر مصر چھین لیا اس وقت وہاں کا مقوقس ایک قبطی سردار جریج

ابن مینا حاکم اسکندریہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کی شکست کے بعد ہی وہ ہرقل کا طرف دار ہو گیا تھا، اور نیم مستقل حیثیت سے حکمراں[1] تھا۔ آں حضرت کا ہدایت نامہ حاطب ابن ابی بلتعہ کی معرفت بھیجا گیا۔ مقوقس اگرچہ ایمان نہیں لایا لیکن چونکہ ملکی حالت پر آشوب تھی، اور رومیوں کی حکومت کو مصری پسند نہیں کرتے تھے اس لئے اسلام کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے لیے مقوقس نے قاصد کی خاطر مدارات کر کے چند تحائف آنحضرت کی خدمت میں روانہ کئے۔

عجیب اتفاق ہے کہ فرعون نے حضرت ابراہیم کی خدمت میں ھاجرہ کو پیش کیا مقوقس نے ماریہ قبطیہ کو۔ ہاجرہ کو یہود اور نصاریٰ لونڈی کہتے ہیں، حالاں کہ وہ حرہ تھیں۔ اسی طرح ماریہ کو بھی۔ حالاں کہ مقوقس نے جو الفاظ ماریہ اور اس کی ہمشیر شیریں کی نسبت تحریر کئے وہ یہ تھے لھما مکان من القبط عظیم[2] تحائف میں ایک سفید خچر تھا جس کو دُلدُل کہتے تھے (غزوۂ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے) مصر کے قیمتی کپڑے، ہزار مثقال سونا اور قریۂ بنہا کا مشہور شہد (جس کے متعلق واقعہ تحریم میں ہم ذکر کریں گے)۔

ان ہدایت ناموں کے علاوہ کسریٰ اور قیصر کے نام بھی خطوط روانہ ہوئے لیکن چونکہ ارباب سیر نے ان پر داستاں سرائی کا ایسا رنگ چڑھایا ہے اور پھر تاریخی غلطی کی ہے اس لئے مارگولیوث کو[3] ضحکہ اڑانے کا موقع مل گیا ہے۔ ذیل

---

[1] تاریخ روما گبن جلد پنجم صفحہ ۴۰۵ ضمیمہ [2] زرقانی جلد سوم صفحہ ۳۴۹ [3] لائف آف محمد صفحہ ۳۶۷

میں ہم اُس کی تشریح کرتے ہیں۔

کسریٰ اور قیصر کے نام خطوط اور اُن پر تبصرہ

ابن اسحاق زہری سے روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت نے خسرو پرویز والی عجم کے نام ایک ہدایت نامہ عبداللہ بن حذافہ السہمی کے ہم دست روانہ کیا۔ یہ روایت ارباب سیر اور محدثین کے یہاں مختلف طرق سے نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ نظامی نے خسرو شیریں میں اس داستاں کو نہایت آب و تاب سے بیان کرکے اس کی دلکشی میں اضافہ کردیا۔ چنانچہ سیرت النبی[1] میں بھی یہ روایت مع نظامی کے اشعار کے نقل کی گئی ہے۔ حالاں کہ قیصر ہرقل نے جب آغاز دسمبر سنہ ۶۲۸ء مطابق ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرو نے قتل کردیا اور خود تخت نشیں ہوگیا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے چند روز پیشتر کا ہے اس لئے شیرویہ کو نامہ مبارک ملا۔ مگر شیرویہ بھی بہت جلد قتل ہوگیا۔ پھر اس کی بہن بوران تخت نشین ہوئی جس نے چند تحائف خدمت رسول اللہ میں بھیجے۔ (دیکھو تاریخ طبری ذکر بوران، ترمذی نے بھی یہی روایت نقل کی ہے)

قیصر رُوم کے نام جو ہدایت نامہ دحیہ الکلبی کے ہاتھ روانہ کیا گیا تھا، اُس کے متعلق ابن اسحاق نے زہری سے ابوسفیان بن حرب کی زبانی ایک لمبی چوڑی داستان بیان کی ہے جس کے جزئیات ممکن ہے مبالغہ ہوں لیکن نفس واقعہ

---

[1] سیرت النبی حصہ اول صفحہ ۳۴۳

پر مستشرقین کا اعتراض بے بنیاد ہے۔ آنحضرت کی تبلیغ اعلیٰ اور ادنیٰ، شاہ و گدا سب کے لئے یکساں تھی۔ آغاز رسالت سے قریش کے ساتھ آنحضرت کی توجہ بھی روم و عجم کی ہولناک آویزش کی طرف متوجہ تھی۔ سورۂ روم کا نزول اُس وقت ہوا تھا جب پیروانِ مسیح پسپا ہو چکے تھے اور بیت المقدس پر عجم کا درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ پھر جب چند سال میں فر کیانی گرد کی طرح اُڑ گیا۔ اہل کتاب آتش پرستوں پر غالب آئے اور قیصر روم ہرقل بیت المقدس میں شکرانۂ الٰہی ادا کرنے آیا، اُس وقت اُس کو دعوت دین کیوں نہ دی جاتی

یا اھل الکتاب تعالوا	اے اہل کتاب آؤ ایسی کتاب کی
الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم	طرف کہ برابر ہے ہم میں اور تم میں
الا نعبد والا اللہ ولا	یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی پرستش
نشرک بہ شیئا ولا یتخذ	نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی
بعضنا بعضا اربابا من	کو شریک کریں اور نہ بعض ہم میں
دون اللہ فان تولوا	سے خدا کے سوا کسی اور کو رب
فقولوا اشھدوا بانا	قرار دیں پس اگر منہ پھیریں تو کہو
مسلمون۔	گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

غزوۂ خیبر

مستشرقین یورپ آنحضرت کے غزوات پر یوں تو طرح طرح کے بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں لیکن غزوۂ خیبر کے متعلق نولاکی اور مارگولیوث وغیرہ خاص طور سے کہتے ہیں کہ آپ نے بلاوجہ یہود پر حملہ کیا اور ان کی آزادی سلب کر کے اسلام کا محکوم بنایا۔

یہودی مؤرخ گرائٹز کا بیان

لیکن حق چھپا نہیں رہتا۔ انہیں مستشرقین میں تاریخ یہود کا مشہور مصنف گرائیٹز ہے جس کے قلم سے خیبر کے واقعات لکھتے وقت بے ساختہ حسب ذیل جملے بھی نکل گئے:

"قبائلِ عرب غطفان و فزارہ نے امداد کا وعدہ کیا۔ اہل خیبر کے روح رواں بنی نضیر کا جلاوطن کنانہ ابن ربیع تھا جس میں غیر متزلزل استقلال اور دلیری کی صفات موجود تھیں اور جس کو شاہِ یہود کا لقب دیا گیا تھا۔ قبیلہ حمیر کا قوی ہیکل دیو مرحب اس کا شریک تھا۔ جنگ شروع ہونے سے پیشتر محمدؐ کو اپنے خدا سے دعا مانگنی پڑی کہ وہ اہلِ خیبر پر فتح نصیب کرے۔" (تاریخ یہود جلد سوم باب سوم صفحہ ۸۳)

بنی نضیر مدینے سے جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ وہ بلائے بے درماں تھے جن کے ایک پرجوش سردار حیّی بن اخطب نے دو سال پیشتر کنانہ ابن ربیع اور دوسرے سردارانِ یہود کی رفاقت میں مکہ پہنچ کر قریش کو ابھارا تھا

اور احزاب کی ہولناک جنگ برپا کر دی تھی۔ ابن اخطب کے قتل کے بعد ابن کنانہ نے "جسے شاہ یہود کا لقب دیا گیا" قبائل عرب کو متفق کر کے دوسری جنگ احزاب برپا کرنی چاہی، لیکن قبل اس کے کہ دشمن اہل مدینہ سے خندق کھدواتے خود ہی ادبار کے کنوئیں میں گر پڑے۔

دُجوہِ جنگ

واقعہ یہ ہے کہ جنگ احزاب میں ناکام رہ کر یہود کی آتش غضب اور بھی مشتعل ہو گئی۔ قبائل غطفان جو لوٹ مار کے شائق تھے اُن کو بھی کچھ ہاتھ نہ آنے سے خفت تھی، اور وہ دُوسرے موقع کے منتظر تھے۔ اس درمیان میں آنحضرت نے قریش سے حدیبیہ میں صلح کر لی اور چونکہ بظاہر شرائط ایسی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ دَب گئے، اس لئے غطفان اور اہل خیبر کی ہمت بڑھ گئی۔ آنحضرت کی حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہی غطفان نے پیش دستی شروع کی، اور پہلے ایک مختصر جماعت کو بطور طلایہ بھیج کر مدینے کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور حضرت ابو ذر کے بیٹے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھے شہید کر ڈالا اور اُن کی بیوی کو گرفتار کر لیا، اگرچہ سلمہ ابن اکوع ایک صحابی نے حیرت انگیز قدر اندازی سے اُن پر تیر برسائے اور اونٹ چھین لئے۔ لیکن غطفان کا طوفان ان تیروں کی بارش سے کب رُک سکتا تھا۔ یہ واقعہ سریہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے۔ بخاری نے کتاب المغازی میں تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے تین دن پیشتر پیش آیا۔

اب آنحضرت نے موقع کی نزاکت پر غور کر کے اس تیزی سے فوری کارروائی شروع کر کے دشمنوں کی بساطِ جنگ کو الٹ دیا کہ ان کے سارے منصوبے

خاک میں مل گئے جس کی تفصیل یہ ہے:

مدینے کی جانب شمال ایک سمت مشرق کی طرف صحرائے نجد اور دوسری طرف جانب مغرب کوہستانی سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جس کے کنارے تقریباً سو میل کے فاصلے پر ایک سبز و شاداب وادی ہے جس کو خیبر کہتے ہیں۔ اُس زمانے میں یہ وادی یہود کی قوت و ثروت کا مرکز تھی۔ جہاں چھ مضبوط قلعے تھے جن کے باعث یہ مقام اور بھی مستحکم ہو گیا تھا۔ خیبر کے قرب و جوار میں بنی غطفان کا زبردست قبیلہ آباد تھا جس کی مختلف شاخیں بنی مرہ اور فزارہ وغیرہ مدینے کے قریب تک آباد ہو گئی تھیں۔

آنحضرت اُن سولہ سو صحابیوں کے ساتھ جو صلح حدیبیہ میں ہمراہ تھے (اب ان میں ۲۰۰ سوار بھی تھے)، اِس تیزی سے روانہ ہوئے کہ تین دن میں آٹھ منزلیں طے کر کے مقام رجیع کے ایسے موقع پر پہونچ گئے کہ بنی غطفان یہود کو نہ صرف کمک پہونچا سکے بلکہ یہ ڈر کر کہ کہیں ان کے گھروں پر حملہ نہ ہو حفاظت کے لئے خود ہی راستے سے ہٹ گئے

یہودؔ کے قلعوں کا محاصرہ

عصر کی نماز آنحضرت نے مقام صہبا میں پڑھی، پھر ستو گھُلے۔ بعد مغرب خیبر کی طرف بڑھے اور آبادی کے قریب پہونچ کر خاموشی کے ساتھ وہیں اتر پڑے۔ یہود اپنے قلعوں میں مدینے پر تاخت و تاراج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ آفتاب رسالت سر پر آگیا صبح کو جب انہوں نے دروازے کھولے تو نبوت کی روشنی دیکھ کر چمگادڑوں کی طرح اپنے قلعوں میں گھُس گئے اور تیر و سنگ برسانے لگے۔ آنحضرت نے فوجِ اسلام کو قلعوں کے چاروں طرف اس طور سے پھیلا کر محاصرہ کیا کہ ایک

قلعے کا دوسرے سے تعلق منقطع ہو گیا۔ پہلے حصن ناعم فتح ہوا جس میں محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود دلیری سے لڑتے ہوئے کنانہ ابن ربیع کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پھر دوسرے قلعے بھی کشت و خون کے بعد فتح ہوئے لیکن حصن قموص جس میں مرحب رہتا تھا کسی طرح فتح نہیں ہوتا تھا اور اکابر صحابہ حملہ کرکے ناکام واپس آتے تھے۔

حضرت علی کی بہادری

بخاریؒ میں سہل ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کل میں علم ایک ایسے شخص کو دوں گا جسے خدا و رسول چاہتا ہے اور جو خدا و رسول کو چاہتا ہے فتح اس کے ہاتھ پر ہو گی۔ پھر صبح کو آپ نے حضرت علی کو جو آشوبِ چشم کے باعث اس وقت میدانِ قتال میں اُترے نہ تھے آواز دی اور دعا فرما کر علم دیا اور یوں ارشاد فرمایا:

ادعھم الی	ان کو اسلام کی طرف دعوت
الاسلام واخبرھم	دے اور خبر کر دے اس چیز سے
بما یجب علیھم من	جو ان پر حق اللہ میں سے
حق اللہ	واجب ہے۔

لیکن یہود کی عداوت اور قساوت حد سے گذر چکی تھی انہوں نے نہ حق کی طرف توجہ کی اور نہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہوئے۔ مرحب بڑے طمطراق سے رجز پڑھتا ہوا فوج لے کر نکلا، اور مبارز طلبی[1] کی۔ وہ بیل مست اپنی قوت کے نشے میں بھول گیا کہ مقابلہ اُس شیر سے ہے جس نے عمرو ابن عبدود جیسے پہلوانِ عرب

---

[1] کتاب المغازی

کو خاک و خون میں ملا دیا تھا۔ ذوالفقار کی بجلی چمکی۔ ضربت حیدری کے کڑاکے سے فوج کے دل دہل گئے۔ اور چشم زدن میں گویا مرحب پیدا ہی نہ ہوا تھا، یہودی بھاگے اور چاہا کہ پھاٹک بند کر لیں مگر زور ید اللہی نے دروازہ اکھاڑ کر پھینک دیا اور فوجِ اسلام قلعے میں داخل ہو گئی۔

عجیب اتفاق ہے جب خیبر میں یہود کو ان کی فتنہ پردازی اور شر انگیزی کی سزا مل رہی تھی، شام میں ہرقل اُن کو سرکشی کے جرم میں بے دریغ قتل کر رہا تھا۔ عارضی فتح کسریٰ کے قلیل زمانے میں ان یہود نے ایرانیوں سے مل کر ہزاروں بے گناہ عیسائیوں کو قتل کر دیا تھا، اب شامت اعمال نے اُن کو پامال کر دیا۔ فَبَآؤُ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ۔

حصن قموص کی فتح کے بعد یہود نے ہمت ہار دی اور صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ وہ اپنے ہتھیار سپرد کر دیں اور سونا اور چاندی اور اس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہ کریں، ورنہ ان سے ذمۂ امن اُٹھ جائے گا۔

کنانہ کا قتل

بنی نضیر جب مدینے سے جلا وطن ہوئے، تو اُن میں ابی الحقیق کا خاندان نہایت متمول تھا۔ ابو رافع سلام ابن ابی الحقیق کا لقب تاجر الحجاز تھا اور قریش اور قبائل عرب میں اُس کا سُودی لین دین تھا۔ کعب ابن اشرف اسی کا نواسہ تھا اور کنانہ ابن ربیع جس کا لقب ملک الیہود تھا اُس کا بھتیجا تھا۔ ان میں سے ابو رافع اور کعب ابن اشرف

---

[1] طبقات جزء ثانی قسم اول صفحہ ۸۰   [2] بخاری باب الجہاد

قریش کی امداد اور سازش کی پاداش میں قتل ہو چکے تھے، اور حیی بن اخطب کا بھی بنی قریظہ کے ساتھ خاتمہ ہو چکا تھا۔ اب کنانہ باقی تھا جس کے پاس یہ دولت خاندانی جمع تھی۔ اُس کو اُس نے پوست خر (ابن سعد نے اونٹ کی کھال لکھی ہے) میں محفوظ کر کے چھپا دیا تھا۔ جب اُس سے پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ سب خرچ ہو چکا لیکن بدبخت اقوام اپنے ہاتھوں تباہ ہوتی ہیں۔ ایک یہودی نے مخبری کر دی[1] اور خزانہ نکل آیا۔ کنانہ جس کے سابقہ جرائم سنگین تھے اُسی نے لڑائی کی یہ آگ روشن کی تھی، اور محاصرے کے ایام میں محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا اب شرائطِ صلح کی خلاف ورزی کی۔ وہ اگر رہا کر بھی دیا جاتا تو بقول مؤرخ یہود "اُس کا عزم متزلزل استقلال" اُس کو چین سے کب بیٹھنے دیتا۔ وہ اپنے خسر حیی ابن اخطب کی طرح یہودِ خیبر کو نقضِ امن پر آمادہ کرتا اور قبائل عرب میں فتنہ پھیلاتا۔ بہرحال اس کی بداعمالیوں کے خاتمے کا وقت آ گیا۔ وہ محمد ابن مسلمہ کے حوالے کیا گیا جنہوں نے بھائی کے خون کے عوض اُس کا سر اُڑا دیا۔

ابن اسحاق نے یہاں ایک روایت لکھی ہے کہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق کنانہ کے سینے پر حضرت زبیر چقماق جھاڑتے تھے تاکہ وہ تکلیف سے بے چین ہو کر خزانے کا پتہ بتا دے۔ ابن اسحاق نے راوی کا نام نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب عادت انہوں نے یہ روایت کسی یہودی سے[2] سنی۔ بخاری

---

[1] طبری جلد سوم صفحہ ۹۵ [2] ممکن ہے حضرت زبیر نے خود ایسا کیا ہو جیسا کہ اُس زمانے میں دستور تھا لیکن روایت کے یہ الفاظ کہ "آنحضرت کے ارشاد کے مطابق" محض یہودی کی تراشی ہوئی تہمت ہے۔

میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے کبھی کسی کو اس قسم کا عذاب نہیں دیا اور جو وحشیانہ طریقے عرب میں رائج تھے ان کی ممانعت فرماتے تھے

اراضئ خیبر کے آنحضرت نے دو حصے کئے۔ نصف بیت المال میں مہمانی، سفارت اور غربا و مساکین کی امداد کے لئے اپنے قبضے میں رکھا۔ باقی سولہ سو مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اراضی یہود کے قبضے میں رکھی گئی۔ وہی کاشت کرتے تھے اور پیداوار کا نصف سالانہ ادا کرتے تھے۔

خیبر کی فتح سے یہود فدک مرعوب ہو کر صلح پر آمادہ ہو گئے چنانچہ اُن سے بھی بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

فکانت فدک لرسول اللہ	فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم خالصۃ	وسلم کا خاص مال تھا
لانہ لم یوجف علیھا بخیل	کیوں کہ وہ بغیر جنگ کے ہاتھ
ولا رکاب (ابن ہشام جزسوم ص۱۹۱)	آیا تھا۔

وادی القریٰ کے یہود سے خفیف مقابلہ ہوا مگر آخر اسی طرح اُن سے بھی صلح ہو گئی۔

اس طرح چھ برس تک یہود نے جو فتنہ انگیزی اور مخالفت کی آگ روشن رکھی تھی وہ غزوۂ خیبر میں بجھ گئی اور مسلمانوں کو اُن کے فتنے سے نجات مل گئی۔

زینب کا زہر دینا

خیبر میں چند روز آنحضرت نے قیام فرمایا۔ ایک دن یہود نے دعوت کی۔ آپ نے قبول فرمائی

لیکن ان قاتلانِ انبیاء نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے ایک لقمہ لیا، مگر ذائقہ محسوس کر کے اُگل دیا۔ اور میزبانوں سے فرمایا: "یہ کیا حرکت تھی؟"۔ مرحب کی بھاوج زینب جس نے یہ کارروائی کی تھی کہنے لگی "میں نے زہر اس لئے ملایا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو خود ہی واقف ہو جائیں گے ورنہ آپ کے وجود سے ہم کو فراغت ہو جائے گی۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا اس لئے ایمان لاتی ہوں"۔ زینب اقراری مجرمہ تھی لیکن آنحضرت نے اپنی ذات کے لئے بدلہ لینا گوارا نہ کیا۔ ابن اسحاق اور واقدی[1] بالاتفاق کہتے ہیں کہ زینب کی آنحضرت نے جاں بخشی کی۔

حضرت صفیہ سے عقد

یہود جب اپنی سزا کو پہونچ چکے، مدینہ اُن کے فتنے سے پاک ہو گیا۔ اور خیبر میں بطور ذمیوں کے رہنے لگے تو آنحضرت نے ترحم اور تالیفِ قلوب کے لئے حیی ابن اخطب کی بیٹی صفیہ کو جو کنانہ کے عقد میں تھیں، اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا۔ یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپ نے یہودیہ سے عقد کیا اور اس نفرت کو جو یہود اور مسلمانوں میں پھیل گئی تھی، کم کرنے کی کوشش کی۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت صفیہ کو طعنہ دیا کہ "یہودی کی بیٹی کیا فخر کر سکتی ہے؟" آنحضرت نے مغموم صفیہ سے کہا "جواب دے کہ میں نبی ہارونؑ کی بیٹی، میرا چچا موسیٰ پیغمبر اور ایک پیغمبرؐ کے نکاح میں ہوں"۔[2]

---

[1] ابن ہشام جزء سوم صفحہ ۱۸۰۔ کتاب المغازی واقدی صفحہ ۲۹۴ مطبوعہ کلکتہ

[2] طبقات جلد ہشتم صفحہ ۹۱

حضرت صفیہ نے سنہ ۵۰ھ میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت اپنے ترکے میں سے جس کی قیمت ایک لاکھ درم تھی اپنے بھائی کے بیٹے کے لئے جو یہودی تھا اس کی وصیت کی۔ امیر معاویہ کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے چاہا کہ یہودی کو کچھ نہ ملے حضرت عائشہ کو خبر ہوئی۔ فرمایا "خدا سے ڈرو اور وصیت پوری کرو" چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔[1]

عُمرۃ القضا

صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق ذی قعدہ میں آنحضرت ان صحابہ کو جو سال گذشتہ حدیبیہ میں ہمراہ تھے ساتھ لے کر بقصد عمرہ مکہ تشریف لے گئے۔ قریش نے اس منظر کو دیکھنا گوارا نہ کر کے شہر خالی کر دیا، اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ ان کو صدمہ تھا کہ جس کو انہوں نے گھر سے بے گھر کیا اور جس کے خون کے پیاسے تھے، آج ایک گروہ کثیر کے ہمراہ جو اس کے اشاروں پر چلتا ہے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔

تیسرے دن آنحضرت نے معاہدے کے موافق روانگی کی تیاری کی حضرت عباس آپ کے چچا نے دوران قیام میں اپنی سالی میمونہ بنت الحارث کے ساتھ آپ کا عقد کر دیا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آنحضرت نے قریش سے فرمایا کہ "میں چاہتا ہوں کہ تم سب کو دعوت ولیمہ میں شریک کروں"۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ خدا کی شان کہ دوسرے ہی سال اُن کا سر پُر غرور دعوت اسلام کے لئے جھک گیا۔

---

[1] طبقات جلد ہشتم صفحہ ۸۰

مکہ سے روانگی کے وقت حضرت سید الشہداء حمزہ کی بیٹی امامہ جو صغیرالسن تھیں اور مکہ میں رہ گئی تھیں چچا چچا کہتی ہوئی آنحضرت کی خدمت میں دوڑی آئیں حضرت علی نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور عرض کی میں ان کو پرورش کروں گا۔ حضرت جعفر بولے میری بنتِ عم کو مجھے دو۔ حضرت زید ابن حارثہ بول اٹھے حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے اس لئے میری بھتیجی کو مجھے دو۔ اسلام کی تعلیم مساوات کا اثر دیکھو کہ وہ جو کبھی غلام رہ چکا تھا اور جو خاندانِ رسالت سے نہ تھا کس بے تکلفی سے اپنا حق ثابت کرتا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا خالہ چونکہ ماں کے برابر ہوتی ہے اس لئے امامہ کی خالہ اسماء کو جو حضرت جعفر کی بیوی تھیں پرورش کرنے دو۔

ایمانِ حضرت خالدؓ

قریش اگرچہ پہاڑوں پر چلے گئے تھے، دعوتِ ولیمہ سے بھی انکار کر چکے تھے، لیکن آنحضرت کی روانگی کے بعد ہی بعض سرداروں کے آہنی دل اسلام کے مقناطیسی اثر سے خود بخود کھچنے لگے۔ خالد ابن ولید نے کفر کی حمایت اس وقت تک نہایت دلیری سے کی تھی، اب اُسی دلیری سے اسلام کی خوبیاں قریش کے سامنے بیان کرنے لگے۔ عکرمہ ابن ابوجہل نے جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا خالد بدر کا دن بھی تو یاد کرو مگر خالد اب وہ خالد نہ تھے جو حمیتِ جاہلیت سے جوش میں آجاتے کہنے لگے مجھ پر اب حق کھل گیا۔ پھر چند گھوڑے آنحضرت کی خدمت میں ہدیۃً روانہ کئے اور قبول اسلام کا اظہار کیا۔ ابوسفیان کو خبر ہوئی کہنے لگا دشمن کو امداد دینا کیا معنی؟ خالد نے کہا یہ صلہ رحم اور قرابت کا حق ہے۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا لات وعزی

کی قسم ایسا جانتا تو محمدؐ سے لڑنے کے عوض پہلے تجھ سے لڑتا۔" خالد نے جوش میں آکر کہا "واللہ وہ حق پر ہیں۔ علیٰ رغم من رغم"۔ یہ سن کر ابوسفیان خالد پر جھپٹا، مگر عکرمہ نے روکا اور کہنے لگا۔" ابوسفیان مجھے اندیشہ ہے کہ تیری اس حرکت سے مجھے غصہ آجائے اور میں بھی وہی کہوں جو خالد کہتا ہے"۔ ابوسفیان خاموش ہو گیا اور خالد مدینے روانہ ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی "خالدؓ سے دین حق کی مخالفت میں جو گناہ ہوئے ہیں ان کو معاف فرما"۔[1]

سریہ موتہ عرب کے شمال میں فلسطین کے مشرقی جانب سے دریائے فرات کے دہانے تک قبائل عرب کی دو مشہور سلطنتیں تھیں ایک عراق عرب میں حیرہ جو شاہان عجم کے زیر اثر تھی اور دوسری غسانیوں کی جنہوں نے دین عیسوی اختیار کر کے قیصر روم کے حلیفوں میں شرکت کر لی تھی۔ تیسری صدی عیسوی سے یہ دونوں سلطنتیں آپس میں برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ خسرو پرویز نے جب قیصر کا ملک فتح کیا تو غسانیوں کی قوت بھی مضمحل ہو گئی۔ لیکن ہرقل کی فتوحات کے ساتھ ہی وہ پھر قوی ہو گئے۔

آنحضرتؐ نے خیبر کی فتح کے بعد شمالی عرب کے سرحدی قبائل میں اشاعتِ اسلام کی کوشش فرمائی۔ زہری سے روایت ہے کہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں آنحضرتؐ نے کعب ابن عمیر الغفاری کو پندرہ صحابیوں کے ساتھ شامی سرحد کے ایک

---

[1] کتاب المغازی واقدی صفحہ ۴۰۰ طبقات ابن سعد جلد چہارم ذکر خالد

مقام ذات اطلاع کی طرف بھیجا لیکن حادثہ بیر معونہ کی طرح یہ مبلغین بھی قبیلے کی جہالت اور تعصب کا شکار ہو گئے۔ صرف ایک صحابی زندہ بچ کر آیا۔ آنحضرت نے اُس قبیلے کی سرکوبی کے لئے تیاری کی مگر معلوم ہوا کہ خانہ بدوش قبیلہ وہاں سے چلا گیا

قاصد رسول اللہ کا قتل ہونا

انہیں ایام میں آنحضرت نے ایک ہدایت نامہ شرجیل بن عمرو فرماں روائے غسان کے نام جس کا پایۂ تخت بُصرے تھا (اب حوران کہلاتا ہے) روانہ فرمایا مگر متکبر حاکم نے نہ صرف پیغام حق کو رد کر دیا بلکہ قاصد کو بھی خلافِ رسم و آئین قتل کر دیا۔ آنحضرت کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو خونِ بے گناہ کا بدلہ لینے اور وقارِ دین قایم رکھنے کے لئے زیدؓ ابن حارثہ کی ماتحتی میں تین ہزار فوج شام کی طرف روانہ کی۔ اس فوج میں آپ کے ابن عم حضرت جعفرؓ اور عبداللہ ابن رواحہ جو انصار کے ایک بہادر شاعر تھے۔ اور خالدؓ ابن ولید جو تازہ مسلمان ہوئے تھے شامل تھے ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آنحضرت کچھ دُور تک فوج کو رخصت کرنے گئے۔

رومیوں کی شرکت

حضرت زید جس وقت شام کی مقام معان پر پہونچے معلوم ہوا کہ شرجیل نے ایک زبردست فوج تیار کی ہے جس میں قبائل عرب اور رومی سپاہی شامل تھے۔ نیز قیصر ہرقل ارض بلقا کے مقام مآب میں ایک لاکھ فوج لئے ہوئے موجود ہے۔ ابن اسحاق کے اس بیان کو مستشرقین یورپ یقین نہیں کرتے۔ لیکن خود رومی مورخ تھوفنیں لکھتا ہے کہ :

قیصر کے بھائی تھیوڈورس نے یہ فوجیں جمع کی تھیں[1]

بہرحال اس جنگ میں غسانیوں کے ساتھ رومی دستوں کی شرکت ثابت ہے۔

واقعاتِ جنگ

حضرت زید نے چاہا کہ توقف کرکے آنحضرت کو اطلاع دیں لیکن عبداللہ ابن رواحہ نے جوش میں آکر کہا ہم دین کے لئے لڑتے ہیں یا فتح یا شہادت!" یہ سُن کر حضرت زید آگے بڑھے اور بلقا کے ایک قریہ موتہ میں دشمن کی کثیر التعداد فوج کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اصحاب رسول کو جنگ آزمودہ رومیوں سے لڑنا پڑا۔ اُن کی صف بندی ایک خاص طرز کی تھی جس کو فیلنکس کہتے تھے۔ آگے پیچھے پیادے غول بندی کے ساتھ نیزے لئے ہوئے اور یمین و یسار رسالے کی کمک۔

ارباب سیر نے اگرچہ رومیوں کی اس مخصوص صف بندی کی تشریح نہیں کی لیکن ابن سعد کے اس جملے سے کہ فقاتل الامراء یومئذٍ علےٰ ارجلھم[2] (اُس دن سردار پیادہ لڑے تھے) ثابت ہوتا ہے کہ لشکر اسلام کے سرداروں نے غنیم کی اِس صف بندی کو توڑنے کے لئے پیادہ ہو کر مقابلہ کیا۔ حضرت زید علم رسول لئے ہوئے دلیری سے لڑتے رہے آخر نیزوں میں چھد کر شہید ہوگئے۔ یہ دیکھ کر حضرت جعفر گھوڑے سے کودے علم رسول سنبھالا پھر اپنے گھوڑے کو عقر کرکے پیادہ غنیم کی صفوں میں تلوار کی بجلی چمکاتے ہوئے گھسے۔ ہنگامۂ گیرودار گرم ہوا۔ بہادروں کے سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت جعفر زخموں سے چُور ہوگئے۔ ایک رومی نے

---

[1] میور لائف آف محمد صفحہ ۴۰۸

[2] دیکھو طبقات جلد دوم صفحہ ۹۳

بڑھ کر تلوار ماری جس سے دست راست قلم ہو گیا۔ آپ نے فوراً علم کو دوسرے ہاتھ میں سنبھالا مگر جب وہ بھی قلم ہو گیا تب بازوؤں کو ملا کر سینے سے علم کو لگایا یہاں تک کہ ایک شقی کی تلوار نے آپ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ عبداللہ ابن عمر اس جنگ میں شریک تھے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جعفر کی لاش دیکھی تلواروں اور برچھوں کے نوّے زخم تھے لیکن سب سامنے کی جانب۔

حضرت جعفر کے بعد عبداللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا۔ رجز پڑھتے پڑھتے صفِ اعدا میں گھُسے اور دادِ شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔ تب مسلمانوں نے حضرت خالد کو آگے کیا وہ علم لے کر بڑھے اور اس دلیری سے لڑے کہ اُس دن شام تک نَو تلواریں اُن کے ہاتھ سے ٹوٹیں۔ لیکن کثیر التعداد باقاعدہ فوج کا مقابلہ کہاں تک ہو سکتا تھا حضرت خالد کمال ہوشیاری سے مسلمانوں کی عمرِ رواں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو دریائے خون سے سلامت نکال لے گئے۔ غنیم سردارانِ اسلام کی حیرت انگیز شجاعانہ جنگ سے کچھ ایسا مرعوب تھا کہ تعاقب کا خیال نہ آیا ورنہ جانبری مشکل تھی۔

آنحضرتؐ کو اس حادثہ کی خبر ہو چکی تھی۔ حضرت جعفر کے گھر تشریف لے گئے دیکھا اسمائؓ نے اپنے شوہر کے انتظار میں خمیر گوندھ رکھا ہے اور بچوں کو نہلا دُھلا کر کپڑے پہنائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ پھر اُن کو پیار کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ اسمائؓ نے گھبرا کر پوچھا یا رسول اللہؐ آپ اس قدر غمگین کیوں ہیں کیا خبر بد پہونچی؟ آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پھر باہر تشریف لا کر لوگوں نے کہا آلِ جعفر مبتلائے مصیبت ہیں ان کے کھانے کا انتظام رکھنا۔

اصحاب موتہ جب مدینے پہونچے تو لوگوں نے بجائے استقبال کے اُن پر خاک ڈالی کہ راہِ خدا سے بھاگ کر آئے۔ آنحضرت نے فرمایا، "یہ فرار نہیں ہیں انشاءاللہ کرار ثابت ہوں گے" چنانچہ ایسا ہی ہوا چند ہی سال میں خالدؓ نے کسریٰ اور قیصر کی فوجوں کو گرد کی طرح اُڑا دیا اور حیرہ اور غسان کی سلطنتوں کو فتح کرلیا۔

موتہ میں اگرچہ فوج کی پسپائی عمل میں آئی لیکن امرائے صحابہ کا خون رائیگاں نہ گیا، ان کی مخلصانہ اور بہادرانہ کوششوں نے بہت جلد اپنا اثر دکھایا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حاکم معان فروہ ابن عمرو جو قبیلہ بنی جذام سے تھا مسلمان ہوگیا، اور چند تحائف آنحضرت کی خدمت میں روانہ کئے۔ رومی حکام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس فدائے اسلام پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ عجیب ہے لیکن کچھ نہ کچھ واقعہ ضرور ہے کیوں کہ رومی مؤرخ تھیوفینس لکھتا ہے کہ سرحد شام کے عربی قبائل کو بعض رومی افسروں نے انعامات عطا کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کیا، جس کے باعث قبائل بگڑ اُٹھے اور شہر غازہ پر حملہ کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے رومیوں سے الگ ہو کر پیغمبر اسلام کی طرفداری شروع کی، جس کا نتیجہ سال آئندہ غزوۂ تبوک کی شکل میں نظر آیا۔

سریۂ ذات السلاسل

واقعہ موتہ کے ایک ماہ بعد آنحضرت نے عمرو ابن العاص کو جو فتح خیبر کے بعد ایمان لائے تھے، سرحد شام کے سرشور عربی قبائل بنی عذرہ اور بنی بلی کی طرف تین سو کی جمعیت

لـه ابن ہشام جلد سوم ۲۱۷-۲۱۸   لـه لائف آف محمد صفحہ ۴۱۰

سے بھیجا عمرو کا ننھیال قبیلہ بلی میں تھا جس سے امید تھی کہ وہ لوگ بہ آشتی پیش آئیں گے لیکن عمرو جب قریب پہونچے تو قرابت کام نہ آئی اور قبیلہ برسرپیکار ہوگیا یہ دیکھ کر عمرو ٹھیر گئے، اور رسول اللہ سے کمک کے خواستگار ہوئے۔ آنحضرت نے ابو عبیدہ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ جن میں مہاجرین وانصار بھی شامل تھے اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی روانہ فرمایا۔ تب عمرو بن العاص آگے بڑھے لیکن اعراب نے مقابلہ نہیں کیا اور پہاڑوں میں متفرق ہوگئے۔

محبتِ رسول اللہ کا اثر

اس سریہ میں بعض ایسے امور پیش آئے جس سے سابقین اولین کے طبائع کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحبتِ رسول اللہ نے ان کے قلوب کو خالص خدمتِ دین کے لئے کیسا مصفا کردیا تھا۔ ذیل میں ہم دو واقعے نقل کرتے ہیں۔

پہلا واقعہ

اول حضرت ابو عبیدہ جب کمک لے کر پہونچے تو عمرو ابن عاص کہنے لگے آپ صرف کمک لے کر آئے ہیں اس لئے میرے ماتحت رہ کر کام کرنا پڑے گا۔ اُس زمانے میں جو سردار لشکر ہوا کرتا تھا وہی پیش امام بھی ہوتا تھا عمرو تازہ ایمان لائے تھے۔ ابو عبیدہ سابقین اولین سے تھے برسوں صحبت رسول میں رہے تھے جب دیکھا کہ عمرو کو اصرار ہے تو کہنے لگے رسول اللہ نے اختلاف سے منع فرمایا ہے تو اگر میری اطاعت نہیں کرتا تو میں مطیع اور مقتدی ہو کر رہوں گا۔

دوسرا واقعہ

دوم۔ رافع بن عمیرہ پہلے نصرانی تھے ایمان لاکر اس سریہ میں شریک ہوئے اور حضرت ابوبکر کی رفاقت میں سفر کر رہے تھے حضرت ابوبکر

کے پاس ایک کمبل تھا جسے منزل پر پہونچ کر بچھاتے تھے اور روانگی کے وقت بطور سائبان کے استعمال کرتے تھے۔ رافع کہتے ہیں کہ میں نے راہ میں ابوبکرؓ سے کہا میں نے آپ کی رفاقت اس لئے اختیار کی ہے کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپ نے ارکان دین کی تشریح کے بعد فرمایا رافع دو مسلمانوں پر حکومت کرنے کی ہوس نہ کرنا۔ رافع نے کہا ارکان دین کی میں پابندی کروں گا لیکن یہ نصیحت عجیب ہے میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہؐ سے لوگ حکومت حاصل کرتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا رافع تیرا اعتراض سخت ہے اب غور سے سُن۔ خدائے پاک نے اپنے رسول برحق کو ارشاد و ہدایت کے لئے بھیجا لوگوں نے دین متین کو طوعًا اور بعضوں نے کرہًا اختیار کر لیا، اب یہ سب جوار الٰہی میں داخل ہیں۔ ایسی حالت میں جار اللہ پر کسی نے حکومت کر کے سختی کی تو وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر گرفتارِ عذاب ہوگا۔ رافع کہتے ہیں کہ پھر میں اس سریہ کے بعد جدا ہوا اور جب سُنا کہ ابوبکر خلیفۂ رسول ہو گئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، کیا آپ نے مجھے دو مسلمانوں پر حکومت کرنے سے منع نہیں کیا تھا؛ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا رافع اب بھی میں تجھے وہی نصیحت کرتا ہوں، رہا میرا معاملہ، سُن مجھے خوف تھا کہ امت محمدی میں تفرقہ پڑ جائے گا اس لئے میں اس بار گراں کا متحمل ہوا ہوں[1]۔

---

[1] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۳۶ و ۲۷۴ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ کے دفن سے پہلے ہی مہاجرین اور انصار میں امارت کے واسطے جھگڑا پیدا ہو گیا جو اگر فوراً رفع نہ ہوتا تو ایسی حالت میں جب کہ مدینہ دشمنوں سے گھرا ہوا تھا عرب مرتد ہو چکے تھے رومیوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی نااتفاقی کے باعث اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا حضرت ابوبکرؓ نے ایسی ہی نازک موقع پر خلافت قبول کر کے نفقۂ قوت اسلام قائم رکھی حضرت علی مرتضیٰ نے اسی تفرقہ کے خوف سے باوجود کہ ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم دعویٰ خلافت کرو تو تمہاری حمایت میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں، خلفائے ثلاثہ سے مخالفت نہیں کی لیکن جب آپ کا زمانہ آیا تو امیر معاویہ اور عمرو ابن العاص نے خلیفۂ برحق سے مخالفت کر کے امت میں تفرقہ ڈال دیا۔

فتح مکہ

(سنہ ۸ھ)

حملے کی وجہ حدیبیہ کی شرائط صلح کے موافق قبیلہ خزاعہ آنحضرت کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے۔ بنی بکر اور خزاعہ میں مدت سے عداوت تھی، کشت و خون ہو چکا تھا۔ انتقام کی آگ سینوں میں دبی ہوئی تھی صلح حدیبیہ سے جب اسلام اور کفر کا تصادم کچھ عرصے کے لئے رک گیا تو بنی بکر نے شعبان سنہ ۸ھ میں ایک شب خزاعہ پر یکایک حملہ کر دیا۔ چند سرداران قریش صفوان بن امیہ حویطب ابن العزیٰ وغیرہ بھیس بدل کر اپنے حلیفوں کے ساتھ قتل و غارت میں شریک ہو گئے، خزاعہ نے بھاگ کر حدود حرم میں پناہ لی جہاں کشت و خون منع تھا مگر نوفل سردار بنی بکر نے کچھ لحاظ نہ کیا اور بیس خزاعی قتل ہو گئے۔ بنی خزاعہ نے تب اپنے حلیف یعنی رسول اللہ کی خدمت میں چالیس ناقہ سوار بھیج کر فریاد کی اور بنی بکر کا ظلم اور قریش کا نقض عہد مفصل بیان کیا۔ اب آپ کے لئے ضروری تھا کہ حلیفوں کی مدد اور عہد شکنوں کو سزا دیں چنانچہ فوراً ایک قاصد مکہ روانہ کیا گیا' اور تین شرطیں پیش کیں۔ ابن اسحاق اور واقدی نے اگرچہ ان شرطوں کا ذکر نہیں کیا لیکن واقدی کے ہم عصر محمد بن عائذ دمشقی نے اپنی مغازی میں ابن عمر کی روایت یوں نقل کی ہے۔

"جب خزاعہ نے حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تمہارا گمان کس پر ہے؟ وہ بولے بنی بکر پر۔ آپ نے فرمایا کیا سارے قبیلے کو مجرم قرار دیتے ہو؟ بولے نہیں صرف بنی نفاثہ کو جن کا سردار نوفل ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ لوگ بنی بکر سے ہیں اور اب میں اہل مکہ سے بازپرس کرتا ہوں۔ پھر ضمرہ کو روانہ فرمایا اور تین شرطیں پیش کیں:

(۱) دیت مقتولان خزاعہ ادا کی جائے۔

یا (۲) بنی نفاثہ حلیف ہونے سے خارج کر دیئے جائیں۔

یا (۳) مقابلہ کیا جائے۔

پس ضمرہ آئے اور یہ شرطیں پیش کیں تب قرطہ بن عمرو نے جواب دیا کہ نہ ہم دیت دیں گے نہ بنی نفاثہ کو حلیف ہونے سے خارج کریں گے، ہاں مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ پس ضمرہ واپس چلے۔ لیکن قریش کو اب ندامت ہوئی اور انہوں نے ابو سفیان کو رسول اللہ کی خدمت میں روانہ کیا"

(زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۹۲)

قریش کی اس وقت حالت یہ تھی کہ ان کے مشہور صاحب اثر اور مدبر اشخاص یا تو سابقہ غزوات میں قتل ہو چکے تھے اور یا ایمان لا چکے تھے۔ شہر میں شورہ پشتوں کا زور تھا جن کے قول و فعل پر مشکل سے اعتبار ہو سکتا تھا۔ اس لئے ابو سفیان سے معاملہ طے نہ ہوا اور وہ مکہ واپس آیا۔ تب آنحضرت نے خاموشی کے ساتھ تیاری شروع کر دی اور حلیف قبائل کو شرکت کے لئے طلب کیا اور تدبیر یہ کی کہ قریش

تک اس نقل و حرکت کی خبر قبل از وقت نہ پہونچے لیکن ایک صحابی حاطب ابن ابی بلتعہ نے چپکے سے ایک قاصد قریش کے پاس اطلاع کے لئے روانہ کر دیا۔ آنحضرت کو معلوم ہو گیا۔ چند صحابہ کو بھیجا، قاصد پکڑا گیا اور خط برآمد ہوا۔ حاطب سے باز پرس ہوئی۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ میرے کچھ عزیز مکہ میں بے وسیلہ ہیں میں نے خیال کیا کہ قریش پر کچھ احسان کروں شاید وقت پر کام آئیں۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے حاطب منافق ہو گیا، حکم ہو تو قتل کر دوں؟ مگر رسولِ کریم نے حاطب کی صداقت کو ملحوظ رکھ کر فرمایا اس نے غزوۂ بدر میں دین کی خدمت انجام دی ہے اس کو معاف کیا ہے۔

قریش کو اگرچہ اطلاع نہ ہونے پائی لیکن ان کے ہمسایہ قبیلہ ہوازن کو جو مکہ کے جنوب و مشرق میں دور تک پھیلے ہوئے تھے خبر ہو گئی اور وہ جنگ جُو فوراً جنگ کے لئے جمع ہو گئے۔ طبری عروہ بن الزبیر کی روایت سے غزوۂ حنین کے ذکر میں یوں لکھتے ہیں:-

وکانوا قد جمعوا قبل	اور اس سے پہلے جب انہوں
ذلک حین سمعوا بمخرج	نے رسول اللہ کی روانگیٔ مدینہ
رسول اللہ من المدینۃ	کی خبر سُنی تھی مجتمع ہو گئے تھے
وھم یظنون انہ انما	اور اُن کو یہ گمان تھا کہ آپ
یرید ھم حیث خرج	ان کی طرف مدینے سے نکلے
من المدینۃ فلما اتاھم	ہیں پس جب انہیں معلوم ہوا

لہ طبری جلد سوم صفحہ ۱۱۴

انه قد نزل مكة اقبلت	کہ آپ مکہ میں اُترے ہیں تو
هوازن عامدين الى النبي	ہوازن مقابلے کو بڑھے، اور
صلى الله عليه وسلم واقبلوا	ان کے ساتھ ان کی عورتیں بچے
معهم بالنساء والصبيان	اور مال واسباب تھا۔
والاموال	(طبری جلد سوم صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ کیسا نازک تھا۔ قریش اور ہوازن اگر متفقہ طور پر مقابلہ کرتے تو نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلتا اور خطرناک پیچیدگیاں پیدا ہوجاتیں لیکن آنحضرت نے جس طرح خیبر کی طرف تیزی سے بڑھ کر غطفان اور یہود کے مشترکہ منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، اسی طرح مکہ کی طرف بڑھ کر قبل اس کے کہ قریش وہوازن وغیرہ قبائل عرب متفق ہوکر مقابلہ کریں، مکہ فتح کر لیا، پھر پندرہ دن کے بعد ہوازن اور ثقیف کے اجتماع کو توڑنے کے لئے حنین کی طرف بڑھے جہاں ہولناک معرکہ پیش آیا۔ تفصیل آگے آئے گی۔

آنحضرت کا لشکر اسلام لیکر روانہ ہونا

رمضان کی دسویں تاریخ آنحضرت پانچ ہزار مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ راہ میں قبائل عرب اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اور اشجع کے ایک ایک ہزار سپاہی شامل ہوگئے۔ اس طور سے دس ہزار کی جمعیت مکہ کی طرف چلی، راہ میں آپ کے چچا عباسؓ جو ایمان لاچکے تھے مکہ سے نکل کر شریک لشکر ہوگئے مرالظہران میں پہونچ کر آنحضرت نے شب کو وہیں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ دلدی

میں آگ روشن کر کے لوگ قیام کریں۔

ابن اسحاق کی روایت پر ایک نظر

ابن اسحاق نے یہاں ایک روایت لکھی ہے جس کو عام طور سے ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ عباس رسول اللہ کے بغلہ پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ راہ میں ابوسفیان ملے جو خبر لینے نکلے تھے۔ عباس نے سمجھا کہ اگر ابوسفیان کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ اور لشکرگاہ کی طرف چلے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا دوڑے کہ دشمن دین ابوسفیان کو قتل کر دیں، مگر وہ جلدی سے رسول اللہ کے سامنے حاضر ہو گئے۔ ساتھ ہی حضرت عمر بھی پہونچ گئے۔ تب ابوسفیانؓ نے کلمہ پڑھا۔ آنحضرت نے فرمایا ابوسفیان قریش کے پاس جاؤ اور اعلان کر دو کہ جو کوئی تمہارے گھر میں پناہ لے اُس کو امان[1] ملے۔

لیکن عروہ ابن زبیر نے یہ روایت دوسرے طور سے عبدالملک ابن مروان کو ایک خط میں لکھی تھی جس کو طبری نے اپنی تاریخ[2] میں نقل کیا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

قریش نے ابوسفیان اور حکیم بن حزام کو خبر رسانی کے لئے بھیجا، کیوں کہ وہ جانتے نہ تھے کہ آنحضرت طائف کی طرف ہوازن و ثقیف کے مقابلے کو جا رہے ہیں یا مکہ پر بڑھ رہے ہیں۔ راہ میں بدیل بن ورقہ بھی ہمراہ ہو گئے۔ جب مرالظہران پہونچے تو آنحضرت کے ورود کی اطلاع ملی، تینوں اشخاص آپ کی خدمت میں

---

[1] ابن ہشام جزء سوم صفحہ ۲۲۳-۲۲۷ | [2] طبری جلد سوم صفحہ ۱۱۷

حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، تب آپ نے ان کو قریش کی طرف بھیجا کہ اُن کو بھی اسلام کی ہدایت کریں اور اعلان کردیں کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں یا حکیم ابن حزام کے مکان میں پناہ لے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ رہے ان سب کو امان ہے۔

ابوسفیان کے جانے کے بعد آنحضرت نے لشکر اسلام کو مختلف دستوں میں تقسیم کرکے شہر کے بالائی اور نشیبی حصوں میں داخل ہونے کا حکم دیا، اور لڑائی کی ممانعت کی لیکن قریش کا ایک شورش پسند گروہ عکرمہ ابن ابی جہل اور سہیل بن عمرو کی ماتحتی میں مقام خندمہ پر جدھر سے خالد ابن ولید قبائل عرب کے ہمراہ داخل ہو رہے تھے حائل ہو گیا۔ خالد اور ان کے ہمراہی تازہ ایمان لائے ہوئے تھے۔ ان میں خزاعہ کے لوگ بھی شامل تھے جن پر قریش نے ظلم کیا تھا، اس لئے دشمن کو سدِ راہ دیکھ کر لڑنے لگے اور دونوں جانب لوگ مارے گئے، یہاں تک کہ راستہ صاف ہو گیا، آنحضرت کو خبر ہوئی، فرمایا میں نے جنگ سے منع کیا تھا، تب صورت واقعہ بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ قضائے الٰہی تھی[1]

اشتہاریان قتل کی روایت پر ایک نظر

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جنگ کی ممانعت کرتے وقت آنحضرت نے آٹھ شخصوں کے متعلق فرما دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کردیئے جائیں، متاخرین نے دو اور بڑھا کر دس کئے۔ محدثین نے دو کم کرکے چھ رکھے۔ صحیح بخاری میں صرف ایک

---

[1] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۲۴۱

شخص ابن خطل کا قتل ہونا مذکور ہے۔ مختلف روایات پر ایک غائر نظر ڈالنے سے واقعہ یوں معلوم ہوتا ہے جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

آنحضرت قریش کی عہد شکنی کی سزا دینے اور قبائل میں امن قائم کرنے کے لئے مدینے سے نکلے تھے لشکر میں بنی خزاعہ بھی شامل تھے جن کے سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ پھر قبائل عرب کی ایک بڑی جمعیت تھی جو اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن صحبت رسول اللہ کے اثر سے اُن کے قلوب مہاجرین اور انصار کی طرح منور نہ تھے۔ آنحضرت چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور آشتی سے معاملہ طے ہو جائے سردارِ قریش ابوسفیان کے مسلمان ہو جانے اور شرائط امن کے اعلان سے امید تھی کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے گی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا خندمہ کے مقام پر خالد ابن ولید کو قریش کی ایک شورہ پشت جماعت سے لڑنا پڑا جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کے متعلق "اشتہار یان قتل" مشہور ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ مقیس الکنانی اور اس کے ہمراہی قریش جن میں حویرث بن نفیل بھی تھا سد راہ ہو کر لڑنے لگے۔ خزاعہ نے مسلمانوں کی طرف سے ان پر حملہ کیا مقیس مارا گیا اور ابن خطل بھاگ کر پردۂ کعبہ میں چھپ گیا۔ لیکن سعید بن حریث اور ابو بردہ الاسلمی نے اُس کو دیکھ لیا اور وہیں قتل کر دیا[1]۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب سیر جن کو "اشتہار یان قتل" سمجھتے ہیں وہ اس لئے قتل نہیں ہوئے کہ اماں دیتے وقت آنحضرت نے ان کو واجب القتل قرار دیا تھا، بلکہ یہ لوگ شرط اماں سے

---

[1] کتاب المغازی صفحہ ۴۱۴

فائدہ نہ اُٹھا کر لڑنے لگے اور اپنے کیفر کردار کو پہونچے

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ابن خطل وہ شخص تھا جو پہلے اسلام لایا تھا پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ یہی حال مقیس[1] کا بھی تھا۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ لوگ حقیقتاً "اشتہار یان قتل" میں شامل نہ تھے۔ اسی طرح ابن خطل کی ایک لونڈی کو بھی جو اُس دن قتل ہو گئی، شمار کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ فتح مکہ میں آنحضرت نے ایک عورت کو مقتول پایا۔ پس آپ نے منع فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل مت کرو[2]۔ معلوم ہوتا ہے یہ وہی ابن خطل کی لونڈی تھی جو اس وقت قتل ہوئی جب مشرکین خالد ابن ولید کی فوج کے سدِ راہ ہو کر لڑ رہے تھے۔

الغرض شہر میں داخل ہو کر آنحضرت پہلے کعبہ کی طرف چلے جسے مشرکین نے بیت الصنم بنا رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم نے جس گھر کو سب سے پہلے خدائے واحد کی عبادت کے لئے مخصوص کیا تھا وہ تین سو ساٹھ بتوں کا مندر ہو گیا تھا۔ آغازِ رسالت سے آنحضرت نے بُت پرستی کی برائیاں جس پُر زور اور مؤثر طریقے سے بے خوف و خطر بیان کی تھیں اُس کے باعث اس رسم قبیحہ کی بنیادیں ہل چکی تھیں لیکن قریش کی جہالت اور عداوت سہارا دیئے ہوئے تھی فتح مکہ سے وہ سہارا جاتا رہا۔

اب خلیل کا پوتا بیت اللہ میں داخل ہوا۔ لا احب الآفلین کا وہ نعرہ جس نے بتانِ آذری کو ٹکڑے کر دیا تھا، اب جاء الحق و زھق الباطل کا رُعد

---

[1] ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۲۴۲ — [2] کتاب الجہاد باب قتل النساء فی الحرب

بن گیا۔ نورِ حق کی بجلی اصنامِ قریش پر گری اور چشم زدن میں وہ سب نسیاً منسیا ہو گئے

خطبۂ رسول اللہ

حرم کو بتوں کی آلائش سے پاک کر کے آنحضرت نے سقایہ، حجابہ اور رفادہ کے عہدے جو حقیقتاً خدمتِ دین تھے قائم رکھ کر باقی وہ تمام جاہلانہ رسمیں جو محض تفاخر اور تکاثر پر مبنی تھیں موقوف کر کے ایک خطبے میں جو درجِ ذیل ہے، اسلام کی سچی زندگی کی تصویر کھینچ دی۔ آپ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر یوں ارشاد فرمایا:۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ، جو
وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ	ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں
صِدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ	ہے اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا
عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الاحزاب	اور اپنے بندے کی مدد کی، اور
وحدہ الاکل ماثرہ	فوجوں کو تنہا شکست دی۔ ہاں
اودم اومال یدعی فھو	تمام مفاخر، انتقام اور خوں بہا
تحت قدمی ھاتین	سب میرے قدموں کے نیچے
الاسدانۃ البیت و	ہیں صرف تولیت حرم اور حاجیوں
سقایۃ الحجاج.....	کو آب رسانی مستثنیٰ ہیں ......
یامعشر القریش	اے قوم قریش اب جاہلیت
ان اللہ قد اذھب	کا غرور اور نسب کا افتخار خدا
عنکم نخوۃ الجاھلیۃ	نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی

وتعظمها بالآباء الناس	نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا
من آدم وآدم من تراب	ہوئے۔ پھر یہ آیت تلاوت
(ثم تلا) یا ایھا الناس	فرمائی ، اے لوگو! ہم نے تم کو
انا خلقنا کم من ذکر	مرد اور عورت سے پیدا کیا اور
وانثیٰ وجعلنا کم	تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے
شعوبًا وقبائل لتعارفوا۔	تاکہ آپس میں پہچانے جاؤ ،
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	بے شک اللہ کے نزدیک شریف
ان اللہ علیم خبیر۔	وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو خدا بڑا
(طبری بروایت ابن اسحاق جلد سوم صفحہ ۱۲۰)	دانا اور واقف کار ہے ۔

اخوت اور مساوات کے یہ زریں اصول نہ صرف قریش کے لئے بلکہ اُن مہذب اقوام کے لئے جو قومیت اور وطنیت کے پردے میں فرعون بے ساماں بن جاتی ہیں باعث رحمت ہیں بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ کاش نئی اور بیرونی دنیا کے دول اور اکابر غور کریں۔

عفو رسُول کریم

دورانِ خطبہ میں آپ نے مجمع قریش کی طرف دیکھ کر فرمایا! لوگو جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ قریش کی اب آنکھیں کھُل گئی تھیں۔ ندامت اور التجا کے لہجے میں کہنے لگے۔

اخ کریم وابن	تُو بھائی نیک اور نیک بھائی
اخ کریم	کا بیٹا۔

رحمت عالم کے لب جاں بخش تب یوں گویا ہوئے:

اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ تم سب آزاد ہو

قریش پر اس برتاؤ کا ایسا اثر ہوا کہ لوگ جوق جوق حاضر ہوتے تھے، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کے ساتھ زنانِ قریش نے بھی ارکانِ اسلام کی پابندی اور محاسنِ اخلاق کی پیروی کا عہد کیا۔ ان عورتوں میں ہند زوجۂ ابوسفیان بھی تھی جس کے اعمال کی سیاہی آبِ رحمت سے دھودی گئی۔

ابوجہل کی بہو اُم حکیم ایمان لاکر کہنے لگی "یارسول اللہ میرا شوہر عکرمہ جان بچا کر بھاگ گیا ہے آپ اُس کو امان دیجئے"۔ آپ نے قبول فرمایا۔ عکرمہ جو بدترین دشمن تھا واپس آکر زمرۂ جاں نثاروں میں شامل ہوگیا۔

صفوان بن امیہ بھی جدہ بھاگ گیا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عُمیر بن وہیب نے عرض کی یارسول اللہ سردارِ قریش غریب الوطنی کی مصیبت میں ہے اُس کو امان دیجئے۔ آپ نے علامتِ امان کے واسطے اپنا عمامہ عطا فرمایا۔ صفوان حاضر ہوا، اور کہنے لگا، مجھے دو ماہ کی مہلت ملے کہ میں اسلام پر غور کر دں۔ آپ نے اجازت دی[1]۔

عبداللہ ابن ابی سرح مُرتد ہوکر مکہ بھاگ آیا تھا، اور کفار کا شریک ہوگیا تھا فتح مکہ کے دن خوفِ جان سے اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان کے پاس چھُپ رہا، آپ اُس کو ہمراہ لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش کی،

---

[1] صفوان ایک ہی ماہ کے اندر یعنی غزوۂ حنین کے بعد ایمان لائے۔

اُس کا جرم اگرچہ سنگین تھا لیکن رسول کریم نے معاف فرمایا۔

سانحہ بنی جذیمہ

آنحضرت کا قیام مکہ میں پندرہ دن رہا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ دورانِ قیام میں آپ نے ہمسایہ قبائل میں دعوتِ حق کے لئے صحابہ کو بھیجا۔ قریش کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجانے اور مکہ کے گرد و نواح میں جو عزیٰ، سواع اور مناۃ کے مشہور بُت خانے تھے اُن کے انہدام سے عرب بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

ان میں سے بنی جذیمہ اسفل مکہ سے ایک شب کے فاصلے پر یلملم کی جانب آباد تھے۔ خالد ابن ولید جس وقت تین سو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ ان کے قریب آئے تو وہ مسلح ہو کر استقبال کو نکلے اور کہنے لگے ہم مسلمان ہیں۔

خالد نے کہا۔ پھر مسلح ہو کر کیوں نکلے؟

کہنے لگے، ہم سمجھتے تھے دشمن آرہے ہیں۔

خالد کو اُن کے ایمان میں شبہ ہوا، طبیعت جوشیلی تھی، پھر بنی جذیمہ اور قریش سے عہدِ جاہلیت میں اَن بَن تھی حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قتل کرو۔

بنی سلیم جو تازہ ایمان لائے تھے انہوں نے حکم کی پوری تعمیل کی۔ لیکن جو مہاجر و انصار تھے اور برسوں صحبتِ رسول اللہ میں رہ چکے تھے انہوں نے کسی قیدی پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔

آنحضرت کو جس وقت اِس سانحے کی خبر ہوئی بے تابانہ کھڑے ہوگئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر درگاہِ باری میں یُوں عرض کرنے لگے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَبْرَأُ اِلَیْکَ	خداوندا جو کچھ خالد نے کیا
مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ	میں اُس سے بَری ہوں

پھر حضرت علی کو بھیجا کہ مقتولوں کا خوں بہا ادا کر دیں اور وارثوں کو تسلی دیں۔ حضرت علی نے مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے ساتھ جانوروں کا بھی خوں بہا ادا کیا۔ پھر جو مال بچ رہا اُس کو آنحضرت کی طرف سے بطور عطیہ تقسیم کر دیا۔ آنحضرت نے جب سُنا فرمایا اے علی تُو نے بہت اچھا کیا۔[1]

کیا عجیب بات ہے کہ مذکورۂ بالا سانحے کو بھی ارباب سیر نے سریہ میں داخل کیا ہے، حالاں کہ طبری نے ابن اسحاق سے جو روایت لکھی ہے، اس میں صاف مذکور ہے:

بعث رسول اللّٰہ صلے	جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی
اللّٰہ علیہ وسلم حین افتح	اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید
مکۃ خالد ابن الولید	کو دعوتِ دین کے لئے بھیجا تھا
داعیا ولم یبعثہ	نہ لڑائی کرنے کے لئے۔
مقاتلا۔	(طبری جلد سوم صفحہ ۱۲۳)

اصل یہ ہے کہ بنی جذیمہ کا سانحہ حادثہ رجیع و بیر معونہ کی طرح تھا۔ فرق یہ ہے کہ وہاں کفار نے مبلغین اسلام کو شہید کیا، اور یہاں ایک مسلمان سردار نے جاہلیت کے جوش میں اپنے نومسلم بھائیوں کو قتل کیا۔

---

[1] طبری جلد سوم صفحہ ۱۲۴

غزوۂ حُنین

وَجہِ جنگ مکہ کے جنوب و مشرق جو کوہستانی سلسلہ دور تک چلا گیا ہے، وہ اعراب بادیہ کے ایک زبردست قبیلہ ہوازن کا آج تک مسکن ہے اُس کی متعدد شاخوں میں سے ایک مشہور شاخ بنی ثقیف طائف کی سرسبز و شاداب وادی میں آباد تھی۔ یہ لوگ دولت مند، متکبر اور جنگ جُو تھے۔ ہجرت سے پیشتر آنحضرت اُن کے شہر میں تبلیغ دین کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ لیکن ان کے سرداروں نے نہایت حقارت سے کلام حق کی توہین کی تھی۔ ہجرت کے بعد جب قریش نے سلسلۂ جنگ چھیڑ دیا تو یہ لوگ سمجھے تھے کہ ایک غریب یتیم کا جس کی مخالفت میں اس کی قوم کھڑی ہو گئی ہے بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن بدر و خندق نے اُن کی آنکھیں کھول دیں۔ پھر جب حدیبیہ میں قریش سے صلح ہو گئی، اور اُس کے بعد ہی خیبر کی فتح نے قبائل عرب پر اسلامی قوت کا سکہ بٹھا دیا تو بنی ہوازن جن کو اپنی قوت و مکنت پر ناز تھا جوش جاہلیت میں مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور ایک سال تک قبائل میں[1] دورہ کر کے اعراب کو مقابلے کے لئے تیار کر دیا

آنحضرت جس وقت فوجِ اسلام لے کر مکہ کی طرف بڑھے تو بنی ہوازن جیسا کہ

---

[1] زرقانی جلد سوم صفحہ ۵

ہم نے فتح مکہ میں بیان کیا ہے وادی اوطاس میں جو طائف کے شمال و شرق واقع ہے جمع ہو گئے تھے۔ سردار لشکر ایک جوشیلا نوجوان مالک بن عوف تھا جس کے ساتھ عرب کا مشہور نبرد آزما درید بن صمہ بھی تھا جس کی عمر سو سے زائد ہو چکی تھی اور جو اگرچہ چپقلش جنگ کے قابل نہ تھا لیکن تدبیر جنگ میں طاق تھا۔ لوگ اُس کو ایک ہودج میں بٹھا کر لائے تھے۔ درید کی رائے تھی کہ اہل وعیال ہمراہ نہ لئے جائیں لیکن مالک بن عوف نے کہا کہ اُن کی موجودگی میں مرد زیادہ جوش سے لڑیں گے۔ غرض کہ مالک منتخب بہادر دل کے ساتھ آگے بڑھا اور وادی حنین میں جو مکہ سے تین منزل پر ہے پہونچ گیا۔

وادی حنین کی سرگذشت

آنحضرت کو جس وقت اس طوفان بلا کے اٹھنے کی خبر ہوئی جس قدر لشکر مدینے سے ہمراہ آیا تھا اور دو ہزار قریشی نو مسلم جو طلقاء کے لقب سے مشہور تھے کل بارہ ہزار کی جمعیت سے مکہ سے کوچ کیا۔

دشمنوں نے جو مشہور تیر انداز تھے پیشتر سے تنگنائے وادی میں دونوں جانب کمین گاہ قائم کر کے قدر اندازوں کو بٹھا دیا تھا۔ علی الصباح جس وقت لشکر اسلام اُدھر سے گذرنے لگا یکایک تیروں کی بارش ہوئی اور ایسے خوفناک طریقے سے کہ چشم زدن میں سیکڑوں بسمل ہو گئے اور مسلمانوں کی صفیں درہم وبرہم ہو گئیں۔ سب سے پہلے بنی سلیم اور نو مسلم قریش جو خالد بن ولید کی زیر کمان آگے آگے جا رہے تھے بھاگے۔ پھر جو دستے پیچھے آ رہے تھے اُن میں بھی ابتری پڑ گئی، اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ مکہ سے چلتے وقت بعض صحابہ نے لشکر اسلام کی شوکت کو دیکھ کر کہا تھا کہ آج ہم پر کون غالب

آسکتا ہے؟ لیکن اب آنکھیں کھلیں اور دیکھ لیا کہ دینِ برحق کثرت و قلت کا رہینِ منت نہیں ہے، وہ خدا جس نے بدر میں غیب سے مدد دی۔ جس نے اُحد میں اپنے رسول کی حفاظت کی جس نے خندق میں کثیر التعداد دشمنوں کو گرد کی طرح اُڑا دیا۔ اب حنین میں بھی لشکرِ اسلام کے منتشر ہو جانے سے جنودِ غیبی کے ساتھ امداد کو پہونچا۔

ویوم حنین اذا	اور حنین کے دن جب تم نے اپنی
عجبتکم کثرتکم فلن	کثرت پر ناز کیا پھر وہ تمہارے
تغن عنکم شیئا وضاقت	کچھ کام نہ آیا اور زمین کشادگی
علیکم الارض بما رحبت	کے ساتھ تم پر تنگ ہو گئی پھر تم
ثم ولیتم مدبرین ثم	نے پشت دکھائی اور بھاگے۔
انزل اللہ سکینتہ علی	پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین
رسولہ وعلی المومنین	پر تسلی نازل کی اور ایسی فوج جو
وانزل جنوداً لم تروھا و	تم کو نظر نہ آئی اور کافروں
عذب الذین کفروا وذلک	کو عذاب دیا، اور یہ ان کا
جزاء الکافرین	بدلہ ہے۔ (سورہ برات)

میدان میں حواس کا قائم رہنا بڑی چیز ہے۔ آنحضرت اس ناگہانی افتاد سے جب لشکرِ اسلام منتشر ہو گیا پہاڑ کی طرح اپنے مقام پر جمے رہے اور مفروروں کو آواز دی لیکن جب وہ نہ پلٹے تو شجاعت کے جوش اور صداقت کے احساس میں سے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

کارجز پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے لیکن جو چند جاں نثار گرو باقی تھے، انہوں نے دلدل کی باگ پکڑلی۔ آپ نے فرمایا مہاجرین و انصار کو پکارو۔ حضرت عباس نے جو بلند آواز تھے پکارا، جس وقت شیدائیان حق نے آواز سنی فوراً مرکز ایمان کی طرف دوڑے اور پھر جوش و خروش سے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ مالک بن عوف اپنے خاندان اور منتخب جوانوں کے ساتھ دیر تک لڑتا رہا۔ آخر سخت نقصان اُٹھا کر بھاگا اور شہر طائف میں قلعہ بند ہو گیا۔

وادی حنین جب دشمنوں سے صاف ہو گئی تو آنحضرت نے لشکر کا ایک حصہ ابو عامر اشعری کی ماتحتی میں اوطاس کی طرف بھیجا جہاں درید ابن الصمہ فوج متحفظ کے ساتھ مقیم تھا اور خود بہ نفس نفیس طائف کے محاصرے کو بڑھے۔ فوج درید نے سخت مقابلہ کیا، ابو عامر درید کے بیٹے کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور عَلم اسلام دشمن نے چھین لیا، لیکن ابو موسی اشعری فوراً بڑھے اور ایک خوں خوار معرکے کے بعد دشمن کو قتل کر کے علم واپس لیا۔ درید اُس وقت تک ہودج میں بیٹھا ہوا لڑائی کی آگ تیز کر رہا تھا یہاں تک کہ ربیعہ بن رفیع نے آب شمشیر سے اُس کو ٹھنڈا کر دیا، اور لڑائی کا اسی کے ساتھ خاتمہ ہو گیا۔

آنحضرت حنین اور اوطاس کا مالِ غنیمت ایک مقام جعرانہ میں محفوظ کر کے طائف کے محاصرے میں مشغول ہوئے۔ طبری عروہ ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ محاصرے کے دوران میں جو قبائل شہر کے باہر تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف محصورین سختی سے مقابلے پر تُلے رہے۔[۱]

۱۔ طبری جلد سوم صفحہ ۱۳۴

آنحضرت نے یہ خیال فرما کر کہ ہوازن و ثقیف کی قوت حنین و اوطاس میں ٹوٹ چکی ہے سارا مال و اسباب اور اہل و عیال مسلمانوں کے قبضے میں آگئے صرف اہلِ شہر اپنی ضد پر قائم ہیں جنگ کو طول دینا صرف شکوہِ سلطنت ہے نہ شعارِ نبوت اس لئے ایک ماہ کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔ صحابہ نے عرض کی آپ بد دعا کریں مگر آپ نے یوں دعا کی الہیٰ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لا۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی

طائف سے واپس آکر آپ جعرانہ میں تشریف لائے دیکھا کہ چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی (تخمیناً چالیس ہزار روپیہ) جمع ہیں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جعرانہ میں ہوازن کا ایک وفد حاضر ہوا اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کی درخواست کی۔ مالک بن عوف بھی ساتھ تھا۔ قبیلہ بنی سعد جن میں آنحضرت نے ایامِ رضاعت گذارے تھے ان کا سردار زہیر بن صرد بھی حاضر ہوا اور یوں تقریر شروع کی۔

"یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی وہ پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جنہوں نے آپ کو پرورش کیا۔ شاہان عرب حارث بن ابی شمر اور نعمان بن منذر نے اگر ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو آج ہم انعام و اکرام کے ساتھ واپس جاتے اور آپ سے تو بہت سی توقعات ہیں۔"

رؤف الرحیم نبی نے یہ سُن کر فرمایا۔ "مجھے اور میرے خاندان عبدالمطلب

کو جس قدر حصہ ملا ہے وہ سب تم کو واپس کرتا ہوں۔ لیکن دوسروں سے واپس ملنے کی تدبیر یہ ہے کہ بعد نماز مجمع میں اپنی درخواست پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے بعد ظہر درخواست کی۔ آپ نے فرمایا "لوگو میں نے اپنے اور اپنے خاندان کا حصہ بخش دیا"۔ مہاجرین اور انصار جو اپنے ہادی برحق کے نقش قدم پر چلتے تھے، بول اُٹھے "اور ہم نے بھی بخش دیا"۔ لیکن دوسرے مسلمانوں کو تامل ہوا۔ تب آپ نے ہر فرد کے عوض چھ اونٹ کے وعدے پر بقیہ اسیروں کو بھی رہا کرا دیا۔ اس طور سے ہوازن کے چھ ہزار قیدی آزاد ہو گئے[1]۔

قیدیوں میں آنحضرت کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں اپنے گرفتار کرنے والے سے کہنے لگیں "میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں"۔ لوگ تصدیق کے لئے آپ کے پاس لائے۔ آپ نے دیکھ کر پہچانا اور فرط محبت سے آنسو بھر آئے پھر اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور ان کی تسلی و تشفی کے بعد فرمایا "میرے گھر چل کر آرام سے رہو یا پھر جیسی تمہاری خوشی"۔ صحرا نشیں شیما نے شہری زندگی کے مقابلے میں اپنے قبیلے میں رہنا پسند کیا۔ تب آنحضرت نے انعام عطا کر کے عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا[2]۔

نو مسلموں کی تالیف قلوب اور انصار کی کبیدگی

آنحضرت کی مؤثر تقریر

اسیران جنگ کی رہائی کے بعد لشکر اسلام نے جن میں اب طلقائے قریش اور اعراب بادیہ بھی شامل تھے

[1] طبری جلد سوم صفحہ ۱۳۴

[2] الاستیعاب جلد ثانی صفحہ ۷۶۲

مال غنیمت کی تقسیم کے لئے بے تابی ظاہر کی۔ آپ نے خمس علیٰحدہ کر کے باقی فوج پر تقسیم کر دیا۔ تالیفِ قلوب کے لئے قریش کے نومسلم اور بدوی سرداروں کو آپ نے بڑے بڑے انعام عطا کئے۔ کیوں کہ آپ سمجھتے تھے کہ مہاجرین اور انصار جو دولتِ ایمان سے مالا مال ہیں اُن کو اس قسم کی مراعات کی ہوس نہ ہو گی لیکن تقاضائے بشریت سے بعض نوجوانانِ انصار کو گراں گذرا اور حرفِ شکایت زبان پر آیا۔ سعد ابن عبادؓ نے آپ کو اطلاع دی، آپ نے فرمایا اچھا اپنی قوم کو ایک خیمے میں جمع کر دو پھر یوں خطاب فرمایا:

"اے گروہِ انصار جو کچھ تم نے کہا اور تمہارے دل پر اثر ہوا مجھے معلوم ہے بشنو تم کیسی ضلالت میں مبتلا تھے خدا نے ہدایت دی۔ تم تنگ دست تھے خدا نے غنی کیا۔ تم آپس میں لڑتے تھے خدا نے تمہارے دلوں کو ملا دیا"

جواب ملا "ہاں ہم پر خدا و رسول کا انعام ہے"۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا:-

"خدا کی قسم تم دوسرا جواب دے سکتے ہو اور بے شک وہ جواب درست ہے اگر یوں کہو کہ ذرا اپنا وقت تو یاد کیجئے جب آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی مگر ہم نے تصدیق کی۔ آپ کو کوئی پوچھتا نہ تھا مگر ہم نے حمایت کی۔ آپ گھر سے بے گھر ہوئے ہم نے جگہ دی۔ آپ درماندہ تھے ہم نے جان و مال نثار کیا"

انصار کو ان جملوں سے زیادہ سننے کی تاب نہ رہی، زار و قطار روتے ہوئے اُٹھے اور دست و زانوئے مبارک چوم کر کہنے لگے "یا رسول اللہ ہم نے سب کچھ پایا"۔ تب آپ نے فرمایا

میں نے تالیفِ قلوب کے لئے قوم کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ وہ
اسلام کی طرف مائل ہوں اے گروہِ انصار کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ تو
اونٹ اور بکریاں گھر لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو اپنے ساتھ لے جاؤ
اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر تمام آدمی ایک
راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر تو میں اس راہ پر چلوں جس پر انصار ہیں
خداوندا انصار پر رحمت بھیج اور ان کی اولاد و احفاد پر بھی[1]"

الغرض جب قریش اور اعراب بادیہ غنیمت سے لدے پھندے گھر چلے انصار
نوعِ انسانی کے ایک کامل اور نورانی پیکرِ قدسی کو اپنے ہمراہ مدینے لے گئے ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اِس غزوے میں چونکہ اسیرانِ جنگ سب رہا کر دیئے گئے۔ رسم غلامی پر
ہم ذیل میں کچھ لکھتے ہیں :

رسمِ غلامی پر ایک نظر

علم الانسان کے ماہرین کا قول ہے کہ دنیا میں رسمِ غلامی کی بنیاد اسیرانِ جنگ پر قائم ہوئی ہے، جو
فاتحوں کے مغرورانہ اظہارِ فتح مندی کے ساتھ زیادہ تر اقتصادی پہلو لئے ہوئے تھی
جیسا کہ مصر میں بنی اسرائیل کی پُر درد داستان اور بابل اور نینوا کے سلاطین کی
ہولناک لڑائیوں کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن
اقوام میں یہی قصۂ پُر درد دُہرایا گیا ہے اور باوجودیکہ حکمائے ہند و یونان نے تعلیم

[1] ابن ہشام جلد سوم صفحہ ۳۰۸ و طبری صفحہ ۱۲۸ و بخاری کتاب المغازی

اخلاق میں نوعِ انسان کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں لیکن اس اہم مسئلے کے متعلق وہ تاریکی سے باہر نہ آئے۔

افلاطون افلاطون جس کو الٰہی کا لقب ملا ہے قومی افتخار کے لہجے میں کہتا ہے کہ صرف یونانیوں کو غلام بنانا نہ چاہئے۔ ارسطو جس کو معلّم اوّل کا لقب ملا ہے حکمت مآبی کی شان سے یوں گویا ہے "یہ قانونِ فطرت ہے کہ بعض لوں کو غلام بنایا جائے"۔ ہندوؤں کے دھرم شاستر نے غلاموں کو مثل مویشیوں کے آقا کی ملک قرار دیا تھا جو اراضی کی طرح وراثۃً تقسیم ہوتے تھے۔ یہ عبید الارض نہ صرف داس اور شودر کے ذلیل ناموں سے پکارے جاتے تھے بلکہ جو بے رحمانہ اور ظالمانہ برتاؤ ان کے ساتھ کیا جاتا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان ہے جو کرۂ خاکی پر جانوروں سے بھی زائد بے رحم و خوں خوار ہے۔ رومیوں نے جو مشہور مقنن مانے جاتے ہیں اپنے عروج کے زمانے میں غلاموں کو سزا دینے یا قتل کرنے میں آقاؤں کو نا محدود اختیار دے رکھے تھے۔ بوڑھے غلام جب ضعیف اور ناکارہ ہو جاتے تھے تو ٹائبر کے جزیرے میں زندہ درگور کر دیئے جاتے تھے جہاں وہ بے چارے فاقہ مستی کرتے کرتے تڑپ تڑپ کر مر جاتے تھے۔[1]

شریعتِ موسوی شریعت موسوی نے بنی اسرائیل کے لئے اگرچہ آسانیاں پیدا کر دیں مثلاً اسرائیلی غلام چھ سال کے بعد آزاد سمجھا جاتا تھا لیکن آقا نے اگر اس کا عقد کر دیا اور اولاد ہو گئی اور وہ اہل و عیال سے جُدا

---

[1] ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن جلد

ہونا نہیں چاہتا تو پھر وہ حلقہ بگوش ہو کر آقا کا غلام رہتا۔ افلاس کے باعث جو لوگ خود کو یا اپنے اہل و عیال کو فروخت کر ڈالتے تھے وہ سب سال جوبلی میں آزاد ہو[۲] جاتے تھے لیکن یہ آسانیاں غیروں کے لئے نہ تھیں وہ ابداً غلام رہتے تھے اور بطور ترکہ تقسیم ہوتے[۳] تھے۔

حضرت مسیح نے چونکہ فرمایا کہ میں احکام توریت بدلنے نہیں آیا بلکہ اُن کو پورا کرنے آیا ہوں، اس لئے مسئلہ غلامی بدستور رہا جیسا کہ مسیحی علماء کو اقرار[۴] ہے۔

رسم غلامی عرب میں

عرب میں یہود اور نصارٰی، صابئین اور مشرکین سب ہی آباد تھے اس لئے عہد جاہلیت میں غلامی کی یہ رسمِ بد اُن میں بھی رائج تھی اسیرانِ جنگ غلام بنائے جاتے تھے ان کی عورتوں پر مجرد گرفتار کرنے کے وحشیانہ طور پر تصرف ہوتا تھا، لونڈی غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور ترکہ کی طرح تقسیم ہوتے تھے ان کو نہایت ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے اور وہ بے چارے خود بھی اس کو محسوس کر کے اخلاقی پستی میں گرتے جاتے تھے لیکن عربی خون کی گرمی اکثر اپنا کرشمہ دکھاتی تھی۔ عنترہ ابن شداد کی ماں ایک حبشی لونڈی تھی، بے چارہ لونڈی بچہ خدمت گاروں کے کام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دشمن نے قبیلے پر حملہ کیا اور مویشی پکڑ لے چلے، اہل قبیلہ نے پیچھا کیا، عنترہ کے باپ نے بیٹے سے کہا خوب لڑ۔ اُس نے جواب دیا، غلام لڑنا کیا جانے وہ مویشی چرانا جانتا ہے۔ باپ نے پھر کہا کر وانت حر

[۱] توریت خروج ۲۱/۶-۲   [۲] سفر لاویین ۲۵/۳۹   [۳] سفر لاویین ۲۵/۴۴

[۴] انسائیکلوپیڈیا آف رلیجن جلد یازدہم صفحہ ۶۰۲

(خوب لڑ اور تو آزاد ہے) عنترہ پھر ایسی بہادری سے لڑا کہ دشمن کو بھگا دیا، اور مویشی چھین لئے۔ اہل قبیلہ اُس کی شجاعت دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ شجاعت اور شاعری میں آج تک عنترہ کا نام مشہور ہے۔[1]

آنحضرت کی تعلیم اور طرز عمل

آنحضرت نے ابتدائے عہد سے قولاً اور فعلاً غلاموں پر شفقت اور ان کی آزادی کی کوشش فرمائی، یہاں تک کہ وقتِ وصال جو آخری کلمہ آپ کی زبان پاک سے نکلا وہ یہ تھا۔

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَت	نماز کی پابندی کرو اور لونڈی
اَیمَانُکُم	غلاموں کا خیال رکھو۔

حضرت زید کے ساتھ آپ کا پدرانہ برتاؤ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ نزول وحی کے بعد مکہ میں آپ نے غلاموں کی آزادی کی تعلیم مؤثر الفاظ میں شروع کی۔ سورۃ البلد قدیم مکی سورت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ	پس نہ طے کیا گھاٹی کو۔ اور تو کیا
وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ	سمجھا کہ گھاٹی کیا ہے۔ گردن
رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ	(لونڈی غلام) آزاد کرنی اور کھانا
مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	کھلانا مصیبت کے دن میں کسی
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ	یتیم قرابتی کو یا محتاج خاکسار کو۔

ہجرت کے پہلے ہی سال مدینے میں جب احکام نازل ہونا شروع ہوئے تو غلاموں

---

[1] ابن قتیبہ الشعر والشعراء

کی آزادی کی تعلیم نے بھی بتدریج عملی صورت اختیار کرنی شروع کی اور یہ عین مصلحت تھی کیوں کہ یکایک اس رسم کو جو اس زمانے میں معاشرت کا جزو لاینفک ہو گئی تھی، موقوف کر دینا خرابی کا باعث تھا جس طرح شراب بتدریج منع ہوئی۔

عرب میں جن صورتوں سے انسان کو لونڈی غلام بناتے تھے، وہ یہ تھیں:
(۱) قیدیان جنگ، (۲) کسی قبیلے پر چھاپہ مار کر یا دغا و فریب سے لوگوں کو پکڑ لے جانا پھر فروخت کر ڈالنا (۳) قحط میں یا کسی مصیبت میں اشخاص خود کو یا اپنی اولاد کو فروخت کر ڈالتے تھے۔

آنحضرت نے ان تمام وجوہ کو جن سے غلامی کی رسم بد قوموں میں رائج تھی پیش نظر رکھ کر ایک ایسا کلیہ سمجھایا جس سے غلامی کی جڑ کٹ گئی، ارشاد ہوتا ہے:

کلکم عبید اللہ و	تم سب مرد خدا کے بندے ہو
کل نساءکم اماء اللہ	اور تم سب عورتیں خدا کی بندیاں

حضرت ابوذر غفاری جو سابقین اولین میں شامل ہیں ایک دن غصے میں اپنے غلام کو ماں کی گالی دے بیٹھے آنحضرت نے اس موقع پر جو کلمات ارشاد فرمائے وہ یہ ہیں:

ابوذر انک امرء فیک	اے ابوذر تجھ میں اب تک امر جاہلیت
جاھلیۃ ھم اخوانکم	باقی ہے یہ (غلام) تمہارے بھائی
وخوالکم جعلھم اللہ	ہیں جنہیں خدا نے تمہارے ماتحت
تحت ایدیکم فمن	کیا ہے بس جس کا بھائی اس
کان اخوہ تحت یدیہ	کے تحت میں ہو چاہیے کہ جو آپ

فلیطعمہ مما یاکل و	کھائے اُسے بھی کھلائے جو آپ
لیلبسہ مما یلبس	پہنے اُسے بھی پہنائے اور ان کو
ولا تکلفوھم ما یغلبھم	کام کی ایسی تکلیف نہ دو جو کر نہ
فان کلفتموھم	سکیں لیکن اگر اتنا کام دو تو خود بھی
فاعینوھم علیہ۔	ان کی مدد کرو۔

ابو مسعود ایک دن اپنے غلام کو کوڑے مار رہے تھے۔ آنحضرت نے دیکھا اور آواز دی وہ غصے میں تھے متوجہ نہ ہوئے دوبارہ اور سہ بارہ آنحضرت نے پکارا۔ پھر قریب آکر فرمایا:

ان اللہ اقدر	بے شک اللہ تجھ پر اس سے زیادہ
علیک منک علی	قدرت رکھتا ہے جتنی تو اس
ھذا الغلام	غلام پر رکھتا ہے۔

ابو مسعود یہ سن کر تھرا گئے۔ کوڑا ہاتھ سے گر پڑا۔ پھر یوں عرض کیا یا رسول اللہ میں اس غلام کو خدا کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا اگر تو اس کو آزاد نہ کرتا تو بے شک آتشِ دوزخ میں جلتا۔[1]

تعلیم رسولؐ سے غلامی غلامی نہ رہی

رسول کریم کی ان تعلیمات سے حقیقت یہ ہے کہ غلامی غلامی نہ رہی جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے مؤثر تعلیمات کے ساتھ عملی پیرایہ بھی اختیار کیا اور اکثر گناہوں کے کفارے میں غلام کا آزاد کرنا شامل کر دیا۔

---

[1] صحیح مسلم

مثلاً روزہ یا قسم توڑنے یا کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی حالت میں۔ اسی طرح غلام کو مکاتب کرنے کا حکم دیا یعنی ایک مقررہ رقم کما کر وہ مالک کو دیں اور آزادی حاصل کر لیں۔ مصرف زکوٰۃ ہیں جو ہر مستطیع پر فرض ہے غلام کا آزاد کرنا شامل کر دیا۔ غرض کہ یہ تمام احکام جن پر بغیر تادیل کے ہمیشہ عمل ہوتا رہا رسم غلامی کے مٹانے والے ہیں۔

مسلمانوں میں انما المومنون اخوۃ کی تعلیم نے غلامی کی جڑ کاٹ دی۔ اب رہے غیر مسلم جن کے ساتھ اسیران جنگ کی صورت کے سوا کوئی اور صورت غلام بنا لینے کی جو عہد جاہلیت میں رائج تھی اختیار نہیں کی گئی۔ اسیران جنگ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اب اس پر غور کرو۔ سریہ نخلہ اور اس کے بعد ہی غزوہ بدر الکبریٰ میں جو قیدی ہاتھ آئے وہ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے۔ ابو عزہ شاعر جو مفلس تھا احساناً رہا کر دیا گیا۔ یہودی قریظہ کا سو خاتمہ اور ان کی عورتوں اور بچوں کا افسوسناک انجام خود ان بدبختوں کے اختیار کیے ہوئے فیصلے کا نتیجہ تھا جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد جب بنی المصطلق کے ایک سو خاندان گرفتار ہو کر آئے۔ آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ فتح خیبر کے بعد یہود جو بدترین دشمن تھے غلام نہیں بنائے گئے۔ وہ اپنی اراضی پر بعد صلح قابض رہے اور عبید الارض نہیں بنائے گئے۔ ہوازن کے چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے مگر سب کے سب آزاد کر دیئے گئے۔ اس کے بعد پھر قیدی پکڑے نہیں گئے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ سورۂ محمد کی یہ آیت جو یقیناً مدنی ہے:

فَإِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَإِمَّا — پھر چاہو احسان کرو بعد اس

فِدَآءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ — کے خواہ عوض لے لو یہاں تک کہ

اَوْزَارَھَا ۔ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

آیت عزیمت اور باعث رحمت ہے۔

رسم غلامی اور فقہا کی مُوشگافیاں

کچھ شک نہیں کہ رسول کریم نے مسئلہ غلامی کا حل جس طور سے فرمایا وہ حقیقتاً غلامی کا انسداد تھا۔ اور اگر آپ کے اُسوۂ حسنہ اور منشائے تعلیم کے مطابق بعد کو عمل ہوتا تو یہ رسم قطعاً مٹ جاتی۔ لیکن خواہشات نفسانی کا بُرا ہو، پیروان اسلام نے فقیہانہ موشگافیوں کی آڑ میں عہد جاہلیت کی صورتیں منتقل غلامی دوسرے پیرائے میں پھر اختیار کرلیں، اور استیلاء کے مفہوم میں عجیب و غریب وسعت دے کر ہوس ملک گیری اور تعیش کے جوش میں اشرف المخلوقات کی آزادی کو سلب کرتے رہے۔ زمانۂ حال میں سیاسی مصلحتوں سے اگرچہ غلامی قانوناً موقوف کی گئی اور اس کا سہرا بعض عیسائی سلطنتوں کے سر ہے۔ لیکن تمام دنیا میں اقتصادی کش مکش اور سرمایہ داروں کی دراز دستیوں نے حسن معاشرت کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ خدا کے غریب بندے بے جا تحکم سے ستائے جاتے ہیں اور ان کو جانوروں سے بدتر سمجھ کر آزار پہنچایا جاتا ہے۔

کاش التوائے جنگ کی یادگار دو منٹ کی خاموشی میں اہل دنیا اپنے مشاغل کو ملتوی کر کے آنحضرت کے ان بلیغ الفاظ پر غور کریں:

کلکم عبید اللہ	تم سب مرد خدا کے بندے ہو
وکل نساءکم اماءاللہ	اور تم سب عورتیں خدا کی بندیاں

حضرتِ ابراہیم کی ولادت

اور چند خانگی حالات

اولادِ نرینہ کی تمنا کس کو نہیں ہوتی۔ انبیاء تک نے اس کی دعا کی ہے حضرت زکریا بڑھاپے میں کس قدر گڑگڑا کر درگاہِ باری تعالیٰ میں دعا مانگتے ہیں:-

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ	خداوندا میری ہڈیاں سست
مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ	ہوگئیں اور بڑھاپے سے سر سفید
شَیْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ	ہوگیا اور میں تجھے پکار کر محروم
رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ	نہیں رہا، اور مجھے اپنے بعد بھائی
الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ	بندوں سے اندیشہ ہے اور میری
امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ	بی بی بانجھ ہے تو اپنے کرم سے
مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَ	مجھے ایک فرزند عطا کر جو میرا اور
یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ	اولادِ یعقوب کا وارث ہو اور
وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (سورہ مریم)	خداوندا اس کو چہیتا بنا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پیرانہ سالی میں جب اولاد ہوتی ہے تو یوں شکر ادا کرتے ہیں:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ	خدا کا شکر ہے جس نے مجھے

وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ۔ — بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق کو عطا فرمایا بے شک میرا رب دعا سنتا ہے۔

آنحضرت نے پچیس سال کی عمر میں بی بی خدیجہ سے عقد کیا۔ خدا نے کئی اولادِ نرینہ عطا کیں، مگر سب بچپن میں انتقال کر گئیں۔ قسی القلب کفار قریش آپ کو الاَبْتَر کہنے لگے کہ اب آپ کے بعد آپ کا نام ونشان باقی نہ رہے گا۔ خدائے کریم نے آپ کی تسلی کے لئے سورۂ کوثر نازل فرمائی جس میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَانِئَكَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ حضرت خدیجہ سے صرف چار لڑکیاں یادگار رہیں۔ زینبؓ رقیہؓ، کلثومؓ، فاطمہؓ۔ ان میں صرف حضرت فاطمہؓ آپ کی وفات تک زندہ رہیں باقی تین لڑکیاں فتح مکہ تک وفات پا چکی تھیں۔

اولادِ نرینہ کی تمنا

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آنحضرت نے سودہؓ اور عائشہؓ سے قبل ہجرت عقد کیا۔ پھر بعد ہجرت مدینے میں سات سال کے اندر زینبؓ اُم المساکین (جن کا عقد کے تین ماہ بعد انتقال ہو گیا)، حفصہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ بنت حجش، جویریہؓ، ام حبیبہؓ، صفیہؓ، میمونہؓ کو شرف زوجیت بخشا۔ یہ متعدد شادیاں جن مصلحتوں پر مبنی تھیں اُن کی طرف ہم اُوپر کے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن ایک اور قوی وجہ جس پر ہمارے علمائے نے غور نہیں کیا یہ بھی تھی کہ آپ کو اولادِ نرینہ کی تمنا تھی کیوں کہ ماریہؓ قبطیہ کو جب سنہ ۷ ھ میں شرف زوجیت حاصل ہوا، اور آغاز سنہ ۸ ھ میں وہ حاملہ ہوئیں تو پھر آپ

نے کسی عورت سے عقد نہیں کیا۔ ارباب سیر اور مورخین کا بیان ہے کہ ذی الحجہ
سنہ ۸ھ میں جب آپ غزوۂ طائف سے مدینے واپس تشریف لائے۔ خدا نے
آپ کو پیری میں ماریہ قبطیہؓ سے ایک اولادِ نرینہ عطا کی جن کا نام آپ نے
ابراھیمؓ رکھا۔

عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح حضرت سارہ اپنی سوکن ہاجرہ مصریہ کو
حاملہ دیکھ کر اپنے شوہر حضرت ابراہیم سے لڑنے لگیں اور جب تک اُن کو جنگل میں
اُسی حالتِ[1] حمل میں نکلوا نہ دیا دم نہ لیا۔ اسی طرح بعض ازواج مطہرات سے نے
نسوانی فطرت کے اقتضا سے ایسے موقع پر کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا جو اُن کی
شان کے خلاف تھا۔ طبری نقل کرتے ہیں:

وغارت نساء رسول	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الله صلے الله علیه وسلم	کی بیبیوں کو رشک ہوا اور جب
واشتدت علیهن حین	اس کے بیٹا پیدا ہوا تو اُن
رزقت منه الولد۔	پر بہت گراں گذرا۔ جزء سوم ص۱۳۹

ارباب سیر کی روایات قرآن پاک کی روشنی میں

خود قرآن مجید جس میں اصلاح عقائد اور
تہذیب اخلاق کے ساتھ حسن معاشرت کی
اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے رسول اللہ کی خانگی
زندگی کے ان واقعات کو نہایت سچائی اور صفائی سے ذکر کرتا ہے لیکن روایت

---

[1] توریت کتاب پیدائش باب ۱۶

پرستی اور شوقِ داستاں سرائی کا بُرا ہو جس نے ہماری کتب تفاسیر اور احادیث کو تورات اور اناجیل کے قصص بنا کر قرآن پاک کی روشن آیتوں پر پردہ ڈال دیا۔ یہ پردہ ڈالنے والے سب سے پہلے واقدی پھر ابن اسحاق ہیں۔

ذیل میں ہم قرآن پاک کی روشنی میں روایات کے پردے کو چاک کر کے اصل واقعات بیان کرتے ہیں:

پہلی روایت، واقعہ تحریم کی بحث

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ	اے نبی تو کیوں اس چیز کو حرام
مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ	کرتا ہے جسے اللہ نے تیرے لئے
مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ	حلال کی، تو اپنی ازواج کی
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	خوشنودی چاہتا ہے، اور اللہ
(سورہ تحریم)	بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور مذکورہ بالا آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب آپ نے بمقتضائے اس عطوفت اور رافت کے، جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لئے کسی شے کو جو حلال تھی آپ نے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لی اس ذاتی فعل کا گرچہ تبلیغ احکام سے تعلق نہ تھا لیکن خانگی زندگی کو زیادہ خوش گوار بنانے کے لئے یہ آیات ازواج مطہرات کی اصلاح حال کے لئے خصوصاً اور مسلمان بیبیوں کے لئے عموماً نازل ہوئیں۔

ابن سعد اور ان کے استاد واقدی کے نزدیک حضرت حفصہ کی خوشنودی کے لئے آپ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا لیکن امام بخاری نے متعدد ابواب[1] میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرت ایک دن حضرت حفصہ کے یہاں وقت معہود سے زائد ٹھہرے کیوں کہ عمدہ قسم کا شہد انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا سودہ او صفیہ سے کہا کہ جب آنحضرت ہمارے یہاں تشریف لائیں تو ہم سب یہ کہیں کہ آپ کے دہن پاک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرت کی لطافت طبع یہ سُن کر متحمل نہ ہو سکی، فوراً قسم کھالی کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔ زرقانی[2] نے تصریح کی ہے کہ مقوقس نے ماریہ کے ہمراہ مصر صعید کے ایک قریہ بنہا کا مشہور شہد بھی بھیجا جو بطور تحفہ ازواج مطہرات میں تقسیم ہوا تھا۔

لیکن اس معمولی واقعے کی تہہ میں چند اور واقعات تھے، جن کی تشریح ضروری ہے:

آنحضرت اختیاری فقر و فاقے کی زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو بھی ایسی ہی تاکید فرماتے تھے۔ باوجودیکہ روز افزوں فتوحات سے مال غنیمت کا حصہ ملتا تھا، لیکن آپ اس کو اہل و عیال کے لئے بقدر کفاف رکھ کر باقی مستحقین اور مساکین کو تقسیم فرماتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد آپ نے حضرات صفیہ اور ماریہ قبطیہ کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل کیا۔ صفیہ یہودن تھیں اور ماریہ عیسائی۔ اگرچہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کی قومی خصوصیات کو دوسری ازواج مطہرات بھول

---

[1] بخاری باب النکاح و باب التفسیر

[2] زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۷۲

نہیں سکتی تھیں۔ صفیہ تو خیر ایک مشہور یہودی عرب کی بیٹی تھیں، لیکن ماریہ بالکل اجنبی تھیں، ان کے مقابلے میں قومی مفاخرت کے جذبے کو دبانا آسان نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر آنحضرت نے اگرچہ ازواج کے لئے مسجد کے متصل حجرے بنوا دیئے تھے یہاں تک کہ صفیہ کے لئے بھی حضرت عائشہ کے حجرے کے متصل جگہ دی گئی تھی، ماریہ قبطیہ کی قیام گاہ علیحدہ مقرر فرمائی۔ ابن سعد حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے ماریہ کو جو نہایت حسین تھیں حارثہ ابن نعمان کے ایک گھر میں جو ہمارے گھر کے پاس تھا ٹھہرایا تھا بعد ازاں ان کے لئے شہر کے باہر بمقام عالیہ ایک مختصر مکان بنا دیا، جس کو مشربہ ام ابراہیم کہتے تھے۔

سنہ ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا، اور سالانہ محاصل آراضی آنا شروع ہوئے، آنحضرت نے ہر ایک بی بی کو ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو مقرر فرمائے۔ لیکن ان بیبیوں میں اکثر سردار قبیلہ کی بیٹیاں تھیں جو اپنے گھروں میں نازونعمت سے پلی تھیں، اس لئے قدرتاً فراغ بالی کی زندگی چاہتی تھیں اور توسیع نفقہ کی خواہش ظاہر کرتی تھیں۔ پھر حضرات عائشہ و حفصہ جن کے والدین آغاز نبوت سے آنحضرت پر جان و مال سے فدا رہے بمقتضائے فطرت نسوانی مشکل سے گوارا کر سکتی تھیں کہ ایک نووارد مصریہ عورت اُن کے برابر ہو جائے۔ اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ اُسی عورت کے بطن سے خدا نے اپنے رسول کو اولاد نرینہ عطا کی جس کے باعث ازواج

---

[1] طبقات جلد ہشتم صفحہ ۱۵۳

میں قدرتاً رشک کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ لیکن وہ خدا جس نے اپنے رسول کریم کو ایک غریب اندھے مسلمان سے اعراض کرنے پر سورۂ عبس نازل کر کے متنبہ کیا۔ اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کی اصلاح قلوب اور تزکیۂ نفوس کے لئے سورۂ تحریم میں آیات تخویف نازل کیں۔

آنحضرت نے حفصہ سے کوئی بات چھپا کر کہی تھی، انہوں نے عائشہ سے کہہ دی، متعدد ازواج میں ایسی باتیں قدرتاً پیش آتی ہیں قرآن نے اس بات کی تصریح نہیں کی لیکن حفصہ کا یہ فعل کہ اپنے شوہر اور رسول کی خلاف مرضی عمل کیا، اور حفصہ اور عائشہ دونوں کا یہ زعم کہ ان کے والدین جان و مال سے نثار رہے ہیں، روحانیت کے عالم میں پسندیدہ نہ تھا، اس لئے مادر مومناں کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ تخویف اور تحذیر کے نشتر سے یہ زہریلا مادہ اُن کے قلوب سے دور کیا جائے۔

افسوس واقدی نے اس نکتے پر غور نہیں کیا اور داستان سرائی کے شوق اور ہمہ دانی کی دُھن میں ایک لغو قصہ بیان کر دیا۔ حالاں کہ قرآن مجید نے اس بھید کو جو حفصہ نے عائشہ سے ظاہر کیا تھا بیان نہیں کیا اور نہ خود ان دونوں بیبیوں نے کسی سے، اس کی روایت کی جیسا کہ سلسلۂ اسناد دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے[1] اس لئے افسانہ روایتاً اور درایتاً دونوں طور سے ضعیف اور لغو ہے۔

ارباب سیر نے واقدی کے اس بیہودہ قصے کو اپنی کتابوں میں بکثیر روایات

---

[1] تفسیر ابن جریر سورہ تحریم

کے شوق میں آنکھ بند کر کے نقل کر دیا، جس سے مخالفین کو آنحضرت کی خانگی
زندگی کو بدنما دکھانے کے لئے ایک سند ہاتھ آ گئی جس کی ذمہ داری واقدی پر ہے
اور وہی ملزم ہیں۔

دوسری روایت ازواج رسول کے متعلق ایلاء تخییر

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ	اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ
لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ	دے کہ اگر دنیا کی زندگی اور اس
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا	کی زینت چاہتی ہو تو آؤ تم کو نفع
فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ	دوں اور اچھی طرح سے رخصت
سَرَاحًا جَمِيْلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ	کر دوں لیکن اگر تم اللہ اور اس
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ	کے رسول کو اور دار آخرت کو
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ	چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ	تم میں سے نیک بیبیوں کے لئے
أَجْرًا عَظِيْمًا (سورہ احزاب)	بڑا ثواب رکھا ہے۔

طبری اپنی مشہور تفسیر میں قتادہ اور عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس وقت یہ
آیت نازل[1] ہوئی، آنحضرت کی نو بیبیاں تھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس
کا شان نزول سنہ ۹ھ کے بعد کا ہے۔ جب بعض ازواج مطہرات ان وجوہ

[1] تفسیر ابن جریر سورۂ احزاب

سے جن کی تفصیل ہم اوپر لکھ چکے ہیں آنحضرت کے سکون خاطر میں خلل انداز ہوئیں اور آپ نے ایک ماہ تک سب سے علیحدگی اختیار کی جس کو ایلا کہتے ہیں، یہ ایک ماہ کی جدائی وصال ابدی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس مدت میں آتش فراق نے لذات فانی کے خس و خاشاک کو جلا دیا۔ اور قلوب کو خدا و رسول کے انوارِ محبت سے مجلا کر دیا جس وقت آنحضرت نے ایک ماہ کے بعد بالاخانے سے اُتر کر ازواج کے سامنے دو باتیں پیش کیں کہ یا لذاتِ دنیاوی کی خواہش میں مجھ سے علیحدہ ہو کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت ہو جاؤ اور یا طلب آخرت اور خدمتِ دین کے لئے میرے ساتھ سادہ فقیرانہ زندگی بسر کرو، تو کسی بیوی نے شق اول کو اختیار نہیں کیا اور خدا اور رسول کی محبت میں دنیائے فانی کی لذات کو قربان کر دیا۔

ازواج کے اس ایثارِ نفس کے صلے میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو

یوں ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ	نہیں ہیں عورتیں حلال تجھ پر
بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ	بعد کو اور نہ یہ کہ بدلے تو ان میں
مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ	سے بیبیاں اگرچہ اُن کا حُسن
حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ	تجھے اچھا معلوم ہو مگر وہ جو ملک
يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ	یمین ہوں، اور اللہ ہر شے پر
كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا (سورۂ احزاب)	نگہبان ہے۔

جو فیصلہ تراضی فریقین سے ہوتا ہے وہ زیادہ خوش گوار اور پائیدار ہوتا ہے

اس لئے ازواج کی طرح آنحضرت کو بھی تخییر کی اجازت دی گئی، لیکن جب ازواج نے آنحضرت کی خدمت میں رہنا بخوشی قبول کیا، تو آپ کو بھی حکم ہوا کہ اب کسی عورت سے عقد نہ کرنا اور نہ ان کے عوض کسی اور کو لانا، چنانچہ آپ نے وفات تک اسی پر عمل فرمایا۔

ان تمام حالات پر ایک غائر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی بنا ر حظ نفس اور تعیش پر نہ تھی ورنہ یہ تخییر اور یہ قیود عمل میں نہ آتے مسلمانوں کو اگرچہ چار عورتوں تک کی اجازت تھی، لیکن طلاق دینے کا ان کا پورا اختیار تھا، اور دوسری عورتیں اُن کے عوض لا سکتے تھے۔ لیکن آنحضرت کے معاملے میں یہ بندش تھی کہ کسی حال میں ان بیبیوں کو جن میں جوان بھی تھیں اور بوڑھی نیک مزاج بھی تھیں اور تیز خو علیحدہ نہ کریں۔

ایک دقیق نکتہ ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے جس پر اب تک غور نہیں کیا گیا، اور جو خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے۔ سورۂ حدید میں حق تعالیٰ پیروانِ مسیح کے متعلق فرماتا ہے:۔

وَرَهْبَانِيَّةً	اور رہبانیت جو انہوں نے نئی
ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا	نکالی جسے ہم نے اُن پر نہیں لکھا
عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ	تھا، مگر اللہ کی رضامندی کے
رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا	لئے پس نہ رعایت کی اس کی جو
حَقَّ رِعَايَتِهَا۔	حق ہے اس کی رعایت کا۔

عیش و آرام سے اعراض کر کے خدمتِ دین کے لئے رضائے حق کی خاطر وقف ہو جانا بڑا کام ہے، مگر اس کی رعایت مشکل ہے خاص کر جب جذبۂ خدمت رسوم ظاہری کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔

سچی رہبانیت دین عیسوی کے سچے راہب چراغ ہدایت اور خلق خدا کے لئے باعث رحمت تھے مگر رسم رہبانیت کا برا ہو جس نے ہزاروں بدنام کنندہ نکو نامے چند پیدا کر کے اس کی اصلی خوبی کو غارت کر دیا۔ اسلام جو تمام تر روحانیت اور خلوص کا حامی ہے رسم رہبانیت کو مذموم قرار دیتا ہے مگر اس کے اصلی جذبۂ خدمت اور شیوۂ رضا کی تعریف کرتا ہے۔ ازواجِ مطہرات کے سامنے جب یہ آیۂ تخییر پیش کی گئی تو ان سبھوں نے خدا و رسول کو دنیائے دنی کے مقابلے میں اختیار کیا، اور خدمتِ دین اور رضائے الٰہی کے لئے رسول اللہ سے ایسی وابستہ ہو گئیں کہ نہ زندگی میں آپ سے الگ ہو سکتی تھیں نہ بعد وفات کسی اور سے منسلک۔ تاریخ شاہد ہے کہ کس طور سے ازواجِ مطہرات نے وفاتِ رسولؐ کے بعد اپنے انہیں تنگ و تاریک حجروں میں جو انوارِ نبوت سے مجلا رہتے تھے شمع ہدایت بن کر حریم ملت کو روشن کیا۔ حضرت عائشہ کا تفقہ اور علمی خدمات حضرت زینب کا زہد و ورع، حضرت صفیہ[1] کا صلہ رحم اور جملہ ازواج کا فقرا مساکین اور حاجتمندوں

---

[1] حضرت صفیہ نے وقت وفات وصیت کی کہ میرے ذاتی مال سے ایک حصہ میرے بھتیجے کو دیا جائے۔ یہ زمانہ امیر معاویہ کا تھا، لوگوں نے چاہا کہ بھتیجا چونکہ یہودی ہے اس لئے اس کو نہ دیا جائے۔ حضرت عائشہ اس وقت زندہ تھیں فرمایا "مذہب کی آڑ لے کر وصیت صفیہ پوری نہ کرنا جائز نہیں" یہ سن کر وصیت پوری کی گئی۔

کی امداد میں اپنے آپ کو وقف کر کے خود فقیرانہ زندگی بسر کرنا، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ امہات مومنین اسلام کی سچی راہبہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ کو چند سال صحبتِ رسول اللہ کا شرف حاصل رہا۔ عین شباب میں بیوہ ہوئیں اور پھر ۴۸ برس تک زندہ رہیں۔ اس مدت میں نشرِ دین تشریحِ احکام اور حلِ رموز میں جو خدمات انجام دیں وہ آفتاب کی طرح روشن ہیں، با ایں ہمہ آپ نے خود اختیاری فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی۔ آپ عبداللہؓ ابن زبیر کی خالہ تھیں، ایک مرتبہ عبداللہ نے ایک لاکھ درہم آپ کی خدمت میں بھیجے آپ نے اُسی دن سب راہِ خدا میں صدقہ کر دیئے۔ اُس روز آپ روزے سے تھیں شام کو خادمہ نے سوکھی روٹی سامنے رکھی اور کہنے لگی اگر آج کی رقم سے کچھ بچا لیا جاتا تو سالن پیش کر سکتی۔ آپ نے فرمایا اُس وقت یاد دلایا ہوتا۔[۱]

حضرت اُم حبیبہؓ امیر معاویہؓ کی بہن تھیں جو اسلام کے کسریٰ یعنی مطلق العنان بادشاہ کہلاتے۔ اُم حبیبہؓ چاہتیں تو اپنے بھائی کے پاس دمشق میں سونے کے محل کھڑے کر کے رہتیں لیکن آپ نے اپنا اُسی کھجور کی ٹٹی سے بنے ہوئے حجرے میں جہاں سرورِ کونین کی خدمت کی تھی زہد و عبادت اور خدمتِ خلق میں ساری زندگی بسر کر دی۔

ازواجِ مطہرات کا جب ایک ایک کر کے انتقال ہو گیا، تو ولید ابن عبدالملک نے حجروں کے توڑ ڈالنے اور مسجد نبوی میں شامل کر دینے کا حکم دمشق سے

---

۱ زرقانی صفحہ ۲۳۴ جلد سوم

بھیجا، اُس وقت اصحاب رسول اللہ کی جو اولاد زندہ تھی ان مہبط ملائکہ کو مٹتے ہوئے دیکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ یہاں تک کہ داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں خارجہ ابن زید کہنے لگے:

"کاش یہ یادگاریں منہدم نہ ہوتیں تاکہ لوگ جو عالی شان محل کھڑے کر رہے ہیں، عبرت حاصل کرتے اور دیکھتے کہ وہ فخر کونین جس کو کلید خزائن دنیا و آخرت عطا ہوئی کس طرح رضائے الٰہی کے لئے ان فقیرانہ حجروں میں بسر کرتا تھا:

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ پر نبوت ختم ہو گئی ازواج مطہرات پر وہ سچی رہبانیت ختم ہو گئی جس کی شان یہ ہے:

اَلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ

ازواجِ مطہرات کی سچی رہبانیت کی کیفیت سنی اب بنت رسول اللہؐ جناب سیدۃ النساء کی سچی رہبانیت کا جلوہ دیکھو۔ اور قرآن مجید کی سورۂ دہر کی ان آیات پاک پر ویُطعِمُونَ الطَّعامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا پر غور کرو پہلے شانِ نزول سن لو۔ بچپن میں ایک مرتبہ حضرات حسنین سخت علیل ہوئے جناب سیدہ اور علی مرتضیٰ دونوں نے نذر مانی کہ خدائے کریم ان کو شفا بخشے تو ہم تین روزے رکھیں گے۔ بعد صحت دونوں نے پہلا روزہ رکھا۔ ایک یہودی سے تھوڑے سے جَو قرض منگوائے۔ خود ہی کر شام کے لئے روٹیاں پکائیں۔ وقتِ افطار ایک مسکین نے سوال کیا۔ دونوں کی روٹیاں اس کو دے دیں اور خود پانی سے افطار

کرلیا۔ دوسرے اور تیسرے روزے پر وقت افطار ایک یتیم اور ایک قیدی (جو اس عہد میں اپنا کھانا مانگ کر لاتے تھے) آئے۔ دونوں نے پھر اپنا کھانا یتیم اور قیدی کو دے کر پانی سے افطار کرلیا۔ اس طور سے تین فاقوں سے دونوں کی حالت زار تھی۔ رسول اللہ شب کو تشریف لائے اور واقعہ سُن کر اور یہ حالتِ زار دیکھ کر آنسو نکل آئے اور فرمایا۔ بیٹی! تو خاتونِ جنت ہے۔ سبحان اللہ! رضائے الٰہی کے لئے اُس کی مخلوق کی خدمت ایثار و سخاوت کی جان ہے۔ مرحوم علامہ اقبال نے جناب سیّدہ کی منقبت میں چند فارسی اشعار کیا خوب لکھے ہیں۔ سنو سنو ؎

مریم از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز — از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز

نورِ چشمِ رحمۃ للعالمینؐ — آں امامِ اولین و آخرین

بانوئے آں تاجدارِ ھل اتیٰ — مصطفےٰؐ مشکل کشا شیرِ خدا

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گردان و لب قرآں سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز — گوہر افشاندے بدامانِ نماز

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست — پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰؐ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے

سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

بے شک جناب سیدہ مادر ائمہ طاہرات کی شان کس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے!

غزوۂ تبوک

(سنہ ۹ ھ)

ابُوعامر راہب

مدینے میں آنحضرت کی تشریف آوری کے وقت انصار میں دو شخص دینی اور دنیوی اقتدار کے طالب تھے۔ قبیلہ خزرج میں عبداللہ ابن اُبی اپنی تاج پوشی کا منتظر تھا۔ اسی طرح قبیلۂ اوس میں ابوعامر جو نصرانی ہوگیا تھا، راہب کے لقب سے پیشوائے دین بننا چاہتا تھا مگر دونوں میں سے کسی کی مُراد برنہ آئی۔ ابن اُبی نے آخر تک مدینے میں منافقانہ زندگی بسر کی مگر ابوعامر مع اپنے غلاموں کے مدینہ چھوڑ کر کفار قریش سے مل گیا، اور غزوۂ اُحد میں سب سے پہلے میدان میں یہ سمجھ کر آیا کہ انصار اُس کو دیکھتے ہی آنحضرت کا ساتھ چھوڑ دیں گے، لیکن رہبانیت کا جادو اسلام کے شیدائیوں پر چل نہ سکا ابوعامر پسپا ہوا اور پھر ایسا غائب ہوا کہ دوبارہ جنگ حنین میں صورت دکھائی، مگر جب وہاں بھی شکست ہوئی تو بھاگ کر شام میں اپنے ہم مذہبوں سے جا ملا، اور پوشیدہ طور پر منافقین مدینہ سے سازش کرنے لگا کہ عنقریب با افواج قیصر کے ساتھ اسلام کی بیخ کنی کو آتا ہوں تم تیار رہو۔ منافقین نے خوش ہو کر ایک علیحدہ مسجد بنائی جو ضرار کے لقب سے بعد کو مشہور ہوئی (اس کا ذکر آگے

ف۱ تفسیر ابن جریر سورۂ برات

آئے گا)، اور وردِ مسیحا کی طرح اُس کی آمد کے منتظر تھے۔

اس زمانے میں غسانیوں سے جنگ چھڑ چکی تھی (جیسا کہ سریۂ موتہ میں بیان ہو چکا) اب ابو عامر ایسے کینہ ور دشمن کی سازشوں نے لڑائی کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ قیصرِ روم ہرقل جس نے چند خوں خوار معرکوں میں دولتِ عجم کی دراز دستی کا بدلہ لے کر اپنی سلطنت کو پھر قوی کر لیا تھا اگرچہ اپنی تازہ فتوحات اور کثرتِ افواج کے نشے میں عربی خطرے کو کچھ نہ سمجھتا تھا لیکن ایسا غافل بھی نہ تھا کہ کچھ فکر نہ کرتا۔ حُدودِ شام میں اس کے ہم مذہب غسانی اُس کی سلطنت کے قدیم معاون تھے ایسے موقع پر اُس نے اُن کی قوت سے کام لیا اور مدینے پر حملے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ آنحضرت کو جب اس کی اطلاع[1] ملی کہ مقدمہ لشکر بلقا تک پہونچ چکا ہے تو مدینے سے پیش قدمی کر کے جانبِ شام روانہ ہوئے۔

جیش العسرة

یاد ہوگا کہ جب یہودِ خیبر نے غطفان کے زبردست قبیلے کی اعانت سے مدینے پر حملے کی تیاریاں کیں تو آنحضرت اس تیزی سے خیبر پہونچ کر غطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو گئے کہ دشمن متفقہ طور پر کارروائی نہ کر سکا، اس موقعے پر بھی آپ ایسے وقت مدینے سے نکلے، جب دشمن کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی صاحبِ لشکر روانگی کی جرأت کرے گا۔ شدتِ گرما کا زمانہ، اور گرمی بھی ریگستانِ عرب کی جو نمونۂ جہنم تھی، پھر اُس پر قحط کی مصیبت، اور پھر مقابلہ افواجِ قیصر سے جنہوں نے فرکیانی اور دولتِ عجم کو خاک

---

[1] ابن سعد طبقات جلد دوم صفحہ ۱۱۹

میں ملا دیا تھا۔ غرض یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ منافقین کی اس موقعے پر ساری قلعی کھل گئی۔ اور وہ طرح طرح کے حیلے کرکے پیچھے رہ گئے۔ کسی نے کہا اس موسم میں جب کہ آگ برس رہی ہے کیسے سفر کریں؟ کسی نے کہا گھر بار کس پر چھوڑیں؟ ایک منافق جد ابن قیس کہنے لگا مجھے تو نہ لے جایئے۔ مجھے اپنے نفس پر قابو نہیں کہیں حسینانِ روم کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ غرض کہ منافقین اس طور سے پیچھے رہ گئے۔ لیکن وہ خدا جس نے غارِ ثور میں دشمنوں کے مقابلے میں تسلی دی تھی اب ایک زبردست سلطنت کے مقابلے میں معین و یاور ہو گیا۔

الا تنصروہ فقد نصرہ	اگر اس کی مدد نہ کروگے تو اللہ
اللہ اذ اخرجہ الذین	نے اُس کی مدد کی جب کافروں
کفروا ثانی اثنین	نے اس کو نکالا۔ دوسرا تھا دو کا
اذ ھما فی الغار اذ یقول	جب دونوں غار میں تھے جب
لصاحبہ لا تحزن ان	کہا اُس نے اپنے ساتھی سے غم
اللہ معنا فانزل اللہ	نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ
سکینتہ علیہ وایدہ	ہے پس اللہ نے اُس پر سکینہ
بجنود لم تروھا و	اتارا اور مدد دی اُس کو ایسے لشکر
جعل کلمۃ الذین	سے جو نظر نہ آیا اور کافروں کی
کفروا السفلی وکلمۃ	بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات

لہ واقدی نے اسی روایت کو مسخ کرکے بیان کیا ہے جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

اللّٰہ ھی العلیا و اللّٰہ — اونچی ہے اور اللہ غالب حکمت والا

عزیز حکیم — ہے۔ (سورۂ برات)

اصحاب وفا شعار جان و مال سے حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے جو نہایت متمول تھے تین سو اونٹ پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے چار ہزار درم دیے ابو عقیل بے چارے مفلس تھے مزدوری کر کے ایک صاع چھوہارے لاکر پیش کئے منافقین ہنسنے لگے مگر آنحضرت نے اس غریب مجاہد فی سبیل اللہ کی ہمت افزائی کر کے چھوہارے صدقات پر پھیلا دیئے۔ غرض کہ اصحاب نے اس طور سے مدد دی لیکن پھر بھی عسرت کا سامنا تھا۔ اکثر جاں بازوں کے لئے سامانِ سفر نہ ہو سکا ان مجاہدوں نے اجسام کے عوض اپنے بے تاب دلوں کو آنسوؤں کی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آنحضرت تیس ہزار کی جمعیت سے نکلے۔ عبداللہ ابن اُبی اپنے گروہ کے ساتھ باہر نکلا، مگر جس طرح غزوۂ اُحد میں عین موقع پر الگ ہو گیا تھا اُس وقت بھی فوج مجاہدین میں بددلی پھیلانے کے لئے پیچھے لوٹ آیا لیکن سچے جاں بازوں کو پھر بھی جنبش نہ ہوئی۔

حضرت علی کی حضرت ہارون سے تشبیہ

آنحضرت نے اس مرتبہ بُعدِ مسافت اور خطرناک جنگ کی اہمیت کے لحاظ سے حضرت علی کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت اور منافقین کی روک تھام کے لئے مدینے میں چھوڑا لیکن جب منافقین نے طعنہ دیا تو حضرت علی مُسلح ہو کر

خدمتِ پاک میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے آج تک ہر موقعے پر جاں نثاری کے لئے حاضر رہا اب اس مرتبہ کیوں محروم رکھا جاتا ہوں؟ آنحضرت نے فرمایا:

الا ترضی ان تکون	کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو
منی بمنزلۃ ھارون من	میرے ساتھ ایسی نسبت ہو جیسی
موسیٰ الا انہ لیس نبی	ہارون کو موسےٰ کے ساتھ مگر یہ
بعدی (بخاری کتاب المغازی)	کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

حضرت ہارونؑ اور اُن کی اولاد میں امامت مخصوص تھی، اسی نسبت کی طرف حوالہ دیا ہے۔ ایک اور نکتہ بھی ہے جو گویا بطور پیشین گوئی کے تھا۔ حضرت موسیٰ جب احکام توریت کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اپنی جگہ ہارون کو مقرر فرمایا تو بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کی۔ حضرت موسیٰ نے واپس ہو کر ہارون سے باز پرس کی۔ وہ کہنے لگے میں اس خیال سے کہ قوم میں تفرقہ نہ پڑ جائے خاموش رہا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح اُمت میں تفرقہ مٹانے کے خیال سے جنگ صفین میں جب کہ دشمنوں کا قلع قمع ہو رہا تھا، صفِ اعدائے چالاک میں کلام مجید کو نیزوں پر بلند دیکھ کر لڑائی موقوف کرادی اور تحکیم پر راضی ہو گئے، جس کے باعث مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھا کر دین میں تفرقہ ڈال دیا

غسّانیوں کا مرعوب ہو جانا

الغرض رجب سنہ ۹ھ میں آنحضرت فوجِ اسلام کو جس میں قبائلِ عرب کی بھی تعداد شامل تھی لئے ہوئے سرحدِ شام کی طرف بڑھے اور چودہ منزل پر ایک مقام پر

جس کا نام تبوک تھا ٹھہر گئے اور بیس دن تک قیام فرمایا۔ اس اچانک فوج کشی نے نہ صرف غسانیوں کو مرعوب کر دیا، بلکہ قرب وجوار کے عیسائیوں نے بھی اطاعت کا اظہار کیا۔ ایلہ کا سردار یوحنا اور اسی طرح جرباء اور اذرح کے عیسائیوں نے اسلام کی ذمی رعایا بن کر رہنا قبول کیا۔

آنحضرتؐ کی تحریرِ امن

آنحضرتؐ نے اُن کو ایک تحریر لکھ دی، جس کو ابن اسحاق نے اس طور سے نقل کیا ہے:

(ترجمہ) اللہ اور اُس کے رسول محمد کی طرف سے یوحنا بن رویہ اور باشندگان ایلہ کے واسطے یہ عہد نامہ لکھا جاتا ہے مقیم و مسافران بحر و بر کے لئے خدا اور اُس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے اور اس کے ساتھ جو لوگ شام یمن اور ساحل بحر پر آباد ہیں۔ اس عہد نامے کی جو کوئی خلاف ورزی کرے گا اُس کو اُس کی دولت بچا نہ سکے گی۔ اور جو لوگ اس کی پابندی کریں گے اُن کو بہتری ہے۔ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ ان لوگوں کو اُن چشموں پر جانے سے منع کرے جہاں وہ جایا کرتے ہیں یا خشکی وتری کے راستوں پر جانے سے انہیں روکے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کی آزادی اور قبائل کی بے روک ٹوک نقل و حرکت کے لئے بھی آنحضرتؐ نے پیش قدمی فرمائی تھی۔ ملک شام کے ساتھ عربوں کے گہرے تعلقات تھے جس کے لئے ضروری تھا کہ سرحدی قبائل سے صلح رہے اور امن وامان قائم رہے۔

دورانِ قیام میں آنحضرت نے خالد کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اکیدر والی دومۃ الجندل کی طرف جو دمشق سے پانچ منزل ہے بھیجا۔ اتفاق سے وہ شکار کے لئے چند آدمیوں کے ہمراہ قلعے سے باہر نکلا تھا، خالد نے فوراً حملہ کر کے اُس کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اس کو معاہدہ صلح کر کے چھوڑ دیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اکیدر جس وقت حاضر ہوا، ایک نفیس قبائے رومی پہنے ہوئے تھا جس کو مسلمان مس کر کے تعجب کے ساتھ تعریف کرنے لگے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا "سعد ابن معاذ کو خدا نے جنت میں اس لباس سے کہیں بہتر پوشاک عطا فرمائی ہے" یہ اس تعلیم کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین قیصر و کسریٰ کے خزائن پر قبضہ کر کے بھی خرقہ پوش رہے اور لباس تقویٰ پہنے ہوئے فردوس بریں کو سدھارے۔

مسجد ضرار تبوک سے واپس ہو کر آنحضرت جب مدینے کے قریب آئے، تو منافقین کی سازش اور نفاق انگیزی کے دفعیہ کے لئے اُس مکان کو جسے انہوں نے مذہب کی آڑ پکڑ کر خانۂ خدا کے نام سے منسوب کیا تھا مسمار کرا دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے :

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا	اور جنہوں نے بنائی مسجد ضرار اور
ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا	کفر اور پھوٹ ڈالنے کے لئے
بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا	مسلمانوں میں اور کمین گاہ بنانے
لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ	کو اس کے لئے جو پہلے سے اللہ

من قبل ولیحلفن ان	اور اس کے رسول سے لڑا، اور
اردنا الا الحسنیٰ واللہ	البتہ قسمیں کھاتے ہیں کہ نہیں
یشھد انھم لکذبون	چاہی ہم نے مگر نیکی اور اللہ گواہی
لا تقم فیہ ابدًا۔	دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس
(سورۂ برات)	میں کبھی کھڑا نہ ہو۔

اسلام رُوحانیت کا حامی ہے۔ اشکال وافعال اگرچہ دینی لباس میں بھی نظر آئیں لیکن اگر خلوص سے معرا ہیں اور روحانیت سے دُور تو بالکل بے سُود ہیں۔ مساجد خدائے واحد کی عبادت اور برادران دین میں باہمی محبت اور اخوت کے لئے ہیں لیکن اگر نام ونمود تشخص اور فرقہ بندی کے لئے ہوں تو اُن کی ظاہری شکل پر فریب نہ کھانا چاہئے۔ وہ اصل میں خبث باطنی کی ظاہری علامات ہیں جن کا مٹانا لازمی ہے جیسا کہ اس مسجد ضرار کے ساتھ کیا گیا۔[1]

وفود کی آمد ہجرت سے پیشتر آنحضرت باوجود قریش کی بے جا مداخلت اور ایذا کے موسم حج میں قبائل عرب کے سامنے جب وہ زیارتِ کعبہ کے لئے مختلف مقامات سے آتے تھے تبلیغ دین فرماتے تھے لیکن بعد ہجرت جب قریش نے جنگ چھیڑ دی اور مکہ میں آنحضرت اور مسلمانوں کا آنا بند ہوگیا۔ تو وہ ذریعہ جاتا رہا۔ چھ برس کی مسلسل جنگ کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹا سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا۔ اور کعبہ جو عرب کا قبلۂ عبادت تھا بتوں کی آلائش سے پاک ہوکر

---

[1] ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۲۴۳

خدائے واحد کا گھر بن گیا تو قبائل عرب جو فیصلے کے منتظر تھے اسلام کی طرف رجوع ہوئے اور سنہ ۹ھ کے آغاز میں اپنے اپنے وفد اظہار اطاعت اور قبولِ دین کے لئے آنحضرت کی خدمت اقدس میں بھیجنے لگے۔

وفدِ طائف

رمضان کے آخر میں جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس مغرور اور قلعہ بند شہر نے جس نے قبل ہجرت آپ کے ساتھ نہایت بُرا برتاؤ کیا تھا، اور بعد ہجرت محصور ہو کر فتح نہیں ہوا تھا اب دینِ حق کی کشش سے اپنا وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عروہ بن مسعود مشہور سردار طائف آنحضرت کی خدمت میں شہر کا محاصرہ اُٹھ جانے کے بعد حاضر ہوئے اور ایمان لا کر اپنی قوم میں واپس جا کر تبلیغ دین میں مشغول ہوئے لیکن جس طرح حضرت عیسٰی کے حواری سمٰعون کو انطاکیہ والوں نے دعوتِ دین دینے پر شہید کر ڈالا تھا عروہ کو بھی ان کی قوم نے تیروں کا نشانہ بنایا، لیکن خونِ شہدا آخر رنگ لاتا ہے۔ قوم کو اس فعل پر ندامت ہوئی، اور یہ دیکھ کر کہ اسلام روز بروز قوی ہو رہا ہے اور رومیوں کے مقابلے میں بھی آنحضرت تبوک سے بخیر و عافیت واپس تشریف لائے ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس کا سردار عبد یالیل تھا۔

آنحضرتؐ نے ناحیہ مسجد میں اُن کے لئے خیمے نصب کرائے تاکہ برکات اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ خالد بن سعید بن العاص مہمان داری اور گفت و شنید کے لئے مقرر ہوئے آخر وفد نے اسلام قبول کیا مگر دو شرطیں پیش کیں:

اوّل: اُن کا بُت اعظم لات تین سال تک محفوظ رہے اس میں انہوں نے یہ مصلحت بیان کی کہ عوام اور عورتیں اس کی پوجا میں اس قدر منہمک ہیں کہ یکایک ایسی کارروائی مناسب نہ ہوگی۔ دوم: نماز معاف کر دی جائے۔ طائف میں انگور وغیرہ میوے کثرت سے ہوتے ہیں، یہ لوگ بڑے شراب خور تھے اس پر متکبر خاک پر سر رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ سوم: وج کا جنگل اُن کے واسطے محفوظ کر دیا جائے۔

آنحضرت نے درخواستوں کو سُن کر فرمایا۔ اُس دین میں کچھ خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔ بُت کے متعلق بھی درخواست قبول نہیں ہو سکتی کیوں کہ ایسی خواہش ایمانِ کامل کے لئے سنگِ راہ ہے اور معبودِ حقیقی سے اعراض۔ تب انہوں نے کہا ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے معبود کو کیسے توڑیں! آنحضرت نے تب غزوۂ اُحد میں ہُبل کی جے پکارنے والے کو جواب دائرہ اسلام میں داخل تھا یعنی ابوسفیانؓ کو بہمراہی مغیرہؓ اس کام کے لئے مقرر فرمایا۔ بت خانے سے زر و زیور جو کچھ برآمد ہوا وہ شہید ملت عروہ بن مسعود ثقفی اور اُن کے بھائی کے قرض میں ادا کیا گیا۔ وج کے جنگل کے لئے آنحضرت نے ایک تحریر ان کو لکھ دی کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ جنگل کے جانور ستائے جائیں۔[1]

---

[1] ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۲۵۶۔ وفد طائف کے ہمراہ وحشی قاتل حضرت حمزہؓ بھی جو چھپا پھرتا تھا حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ کیا میرا بھی گناہ معاف ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ نے یہ آیت پڑھی:-

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی   کہہ دے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر

انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ   زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

یہ سُن کر وحشی ایمان لایا۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں مسیلمہ کذاب مرتد کو وحشی نے اسی حربہ سے قتل کیا تھا

حج بیت اللہ

بیت العتیق یعنی کعبہ اور بیت المقدس نسل ابراہیمی کے دو گھر تھے جو دنیا میں خدائے واحد کی عبادت کے لئے مخصوص تھے جیسا کہ ہم نے آغاز کتاب میں بیان کیا ہے یہ دونوں گھر قومی اجتماع کے مرکز تھے جہاں قربانیاں ہوتی تھیں جن سے دینی اور دنیوی فائدے حاصل کئے جاتے تھے۔ اس موقع پر پہلے رسم قربانی کی ایک مجمل تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

رسم قربانی

آغاز تمدن سے پیشتر جب انسانی جرگے گلہ بانوں کی خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے تو خون کا تعلق ایک ایسا مستحکم ذریعہ تھا جس پر افراد کا تحفظ بلکہ خود قبیلے کی زندگی کا انحصار تھا مثلاً اگر ایک فرد کو اس کے مخالف نے مار ڈالا تو مقتول کا سارا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا تھا اور جب تک قاتل کو یا قاتل کے قبیلے کے کسی فرد کو جلد یا بدیر موقع پاکر قتل نہ کر لیتے تھے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ معاشرت کے اس طرز عمل نے جو اس دور توحش میں حفاظت انسانی کے لئے گویا ایک زبردست گورنمنٹ تھی۔ مذہبی خیالات پر بھی اپنا اثر جمایا جس کا عملی اظہار قربانی سے ہوتا تھا۔

قدیم انسان کسی درخت کے نیچے یا چشمے کے قریب اپنے گلے سے جانور چن کر

اُس کا خون کسی پتھر پر چھڑک کر معبود کی نذر کرتا تھا پھر تھوڑا خود پی لیا یا اپنے اوپر چھڑک لیا۔ اس طور سے یہ سمجھا تھا کہ عابد و معبود سے خون کا تعلق پیدا کر کے اس کی حفاظت میں آگیا۔ رفتہ رفتہ خون معبود کے لئے مخصوص ہو کر پتھروں کے ڈھیر میں جمع ہونے لگا اور گوشت تقسیم ہو کر کھا لیا جاتا تھا۔ پتھروں کے یہ ڈھیر یا ستون قربان گاہ کہلاتے تھے جن کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی۔

بنی اسرائیل اور قربانی

بنی اسرائیل میں یہ قدیم دستور تھا کہ بن تراشا ہوا ایک پتھر بطور ستون قائم کرتے تھے، جو مذبح کہلاتا تھا۔ حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد و احفاد نے اسی قسم کے ستون بیت ایل اور بیت شیع وغیرہ مقامات میں قائم کئے تھے۔[1] ان بزرگوں نے مختلف مقامات پر ادائے شکر یا تجدید عہد کے لئے پتھر بطور مذبح نصب کر کے خدائے واحد کے نام پر قربانی کرنے کی رسم جاری کی تھی لیکن اسیری بابل سے نجات پا کر جب بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا تو دیگر مقامات پر قربانی بند ہو گئی اور خاص ہیکل سلیمانی کے سامنے عجیب و غریب رسوم و قواعد کے ساتھ یہ رسم عمل میں آنے لگی جس کی تفصیل یہ ہے:

اوّل: علا" یعنی قربانی سوختنی جس کا طریقہ یہ تھا کہ گائے بیل بھیڑ بکری وغیرہ میں سے جس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو ہیکل کے سامنے لاتے تھے۔ قربانی کرنے والا پہلے اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھتا تھا پھر

---

[1] توریت کتاب پیدائش ۱۲/۷ و ۲۸/۱۸۔ کتاب خروج ۲۴/۴

ذبح کرکے اور کھال کھینچ کر عضو عضو جدا کرتا تھا، جس قدر خون ہوتا تھا اُس کو کاہن جمع کرکے مذبح کے ہر طرف چھڑکتے تھے اور قربانی کو جلا ڈالتے تھے جس کی بُو یہواہ کو پسند تھی۔ (توریت کتاب احبار ۱)

دوم "حطہ" یعنی کفارہ ذنوب جس کا طریقہ یہ تھا کہ گنہگار ایک بے عیب جوان بچھڑا اور اگر مقدرت نہ ہو تو دو قمریاں ہیکل کے سامنے لاتا تھا، اور اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ذبح کرتا تھا پھر کاہن ذبیحہ کا کچھ خون لے کر اور اپنی اُنگلی ہو میں ڈبو کر حرم کے اندر یہواہ کے خاص الخاص پردے پر سات مرتبہ چھڑکتا تھا۔ پھر بقیہ خون مذبح کی شاخ نما کونوں پر لگا کر جڑ میں ڈال دیتا تھا۔ پھر کلیجی گردے اور چربی مذبح پر مثل قربانی سوختنی جلاتے تھے۔ بعد ازاں گوشت وغیرہ ہیکل کے باہر جہاں راکھ کا ڈھیر پڑتا تھا جلا ڈالتے تھے۔ جماعتوں کے گناہ کا کفارہ بھی اسی طرح ادا ہوتا تھا۔

سوم "شلم" یعنی سلامتی کی قربانی اس میں جانور اور کھیت کی پیداوار دونوں شامل تھے۔ جانور کا خون مذبح پر چھڑکتے تھے، چربی جلا ڈالتے تھے اور گوشت کے کھانے کی اجازت تھی۔ میدہ تیل سے تر کیا ہوا یا فطیری روٹیاں تیل چپڑی ہوئی یا خمیری کلچے کاہن کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ کاہن اُن میں سے تھوڑا لے کر پہلے مذبح پر قربانی سوختنی کے طور پر جلاتا تھا۔ پھر بقیہ اپنے صرف میں لاتا تھا۔

(کتاب احبار باب اوّل تا ہفتم)

آخران خون آلودہ رسموں کے ختم ہونے کا وقت آگیا۔ خداوند یہواہ کا شعلۂ غضب بھڑکا۔ رومیوں نے سنہ ۷۰ء میں بیت المقدس کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ یہود جلاوطن کیے گئے، اور اقصائے عالم میں منتشر ہوگئے، قربانیاں جو خاص بیتُ المقدس کے سامنے ہوتی تھیں موقوف ہوگئیں۔ لیکن دنیائے مذہب کی نیرنگی دیکھو کہ یہود کی قربانیوں کی مُردہ رسم عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی شکل میں زندہ ہو گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

مذکورہ بالا تین قربانیوں کے سوا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ہر سال کاہنوں کا امام جملہ بنی اسرائیل کے ہر قسم کے گناہوں کا بار ایک بکرے کے سر پر اپنا ہاتھ پھیر کر رکھ دیتا تھا، پھر وہ بکرا بنی اسرائیل کے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ویران جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔

سینٹ پال کی تعلیم

عیسائیوں نے جب سینٹ پال کی تعلیمات سے حضرت مسیح کو ابن اللہ یقین کیا تو آپ کے مصایب ہونے کے واقعے کو آسمانی قربانی سے تعبیر کیا۔ اس طور سے کہ خدا کی صفت عدل اس کی مقتضی تھی کہ گنہگار کو سزا دے، اور چونکہ تمام بنی آدم گناہِ اولیں کے اثر سے مستحق عذاب ہیں۔ یہاں تک کہ مسیح سے پہلے جتنے نبی آئے سب (معاذ اللہ) چور و رہزن تھے۔ (انجیل یوحنا ۱۰:۸) اس لئے خدا کی دوسری صفت رحم نے جوش میں آکر اپنے اکلوتے بیٹے مسیح کو جو گناہوں سے پاک تھا مجسم کر کے دنیا میں بھیجا،

تاکہ وہ بطور فدیہ پیش کیا جائے اور بنی آدم کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر اپنے جسم کے خون سے کفارہ ادا کر کے نجات دلائے۔

رسم عشاءِ ربانی

اس عقیدے کے عملی اظہار کے لئے گرجا میں قربان گاہ بنانے کا قاعدہ مقرر ہو گیا۔ جہاں قربانی کی قائم مقام رسم عشاءِ ربانی قرار دی گئی۔ سینٹ پال لکھتے ہیں،

"مجھے یہ روایت خداوند مسیح سے ملی جسے میں تم سے بیان کرتا ہوں خداوند یسوع نے اس رات کو جس میں مخبری کی گئی روٹی لے کر ادائے شکر کے بعد توڑی اور کہا۔ لو اسے کھاؤ یہ میرا جسم ہے جو تمہارے واسطے توڑا جاتا ہے بطور یادگار ایسا تم بھی کرنا۔ اسی طرح پیالہ لیا۔ اور اس میں سے تھوڑا سا پانی کر کہا یہ پیالہ میرے خون کا عہد جدید ہے جب کبھی پینا میری یاد میں ایسا ہی کرنا۔" (نامہ اول کارنتھیان $\frac{11}{23-25}$)

دوسری صدی عیسوی کا اسقف جسٹن جس کا لقب شہید ہے اس رسم نو ایجاد کے معنی یوں سمجھاتا ہے:

یہ روٹی اور پانی معمولی نہیں جس طرح ہمارا نجات دہندہ کلمۃ اللہ ہمارے واسطے پیکر انسانی میں جلوہ گر ہوا، اسی طرح ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ متبرک روٹی اور پانی مسیح کا خون اور گوشت بن کر ہمارے جسموں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔" (کتاب اعتذار باب ۶۵)

عیسائیوں میں اب تک یہ رسم اصول دین میں داخل ہے مسئلہ تثلیث کی طرح

یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآرا اور پُر اسرار بن کر اُمتِ مسیح میں تفرقہ انداز ہو گیا ہے۔ پانی کے عوض اب شراب مستعمل ہے اور اب یہی خون دُختِ رز ہے جسے "خداوند کے اکلوتے بیٹے" کے خون سے مشابہ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، کیا عجیب بات ہے کہ جس طرح قدیم انسان نے خون کو عبد و معبود کے درمیان رشتۂ تعلق قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس دورِ تہذیب میں بھی خیالات کا رنگ وہی ہے اگرچہ مہذب پیرائے ہیں اس رسم کو پُر اسرار طریقے سے ادا کرتے ہیں اور "خداوند کے اکلوتے بیٹے" سے اتحاد اور تعلق پیدا کر کے طالب نجات ہیں۔

حضرت اسماعیل کی اولاد میں رسم قربانی اپنی سادہ حالت میں عرصے تک جاری رہی لیکن جس طرح بُت پرستوں کی تقلید میں اہلِ کتاب راہِ حق سے بہک گئے اسی طرح بنی اسماعیل نے مشرکینِ عرب کی آمیزش سے بنائے ابراہیمی یعنی کعبے میں جاہلانہ رسمیں جاری کر دیں، بیت اللہ بیت الصنم بن گیا اور قربانی کے لئے جا بجا استھان نصب ہوئے بتوں کے نام سے قربانیاں ہونے لگیں اور خون کعبے کی دیواروں پر چھڑکے گئے۔ موسم حج میں قبائل عرب دُور دراز مقامات سے آتے تھے، اور کعبے کے گرد ننگ دھڑنگ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے پھرتے تھے جیسا کہ اب بھی بُت پرستوں میں دستور ہے۔

قرآن مجید اور قربانی

قربانی کے متعلق ایسی جہالت کی رسمیں جاری تھیں جن کے باعث عبد و معبود کے تعلق پر پردہ پڑا ہوا تھا، اب دیکھو قرآن نے کس طور سے یہ پردہ اُٹھایا:۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا	اور ہر اُمت کے واسطے ہم نے
مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ	طریق عبادت بنایا تا کہ تم اللہ کا
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ	نام لو اُس پر جو ہم نے چارپایوں
الْأَنْعَامِ فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ	میں سے دیئے ہیں معبود تمہارا
وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَ	خدائے واحد ہے اسی کے فرماں
بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ	بردار ہو اور عاجزوں کو بشارت دو
لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا	نہ پہونچے گا اللہ کو اُس کا
وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ	گوشت اور خون لیکن پہونچے گا
التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ	تمہارا تقویٰ ہم نے اس کو تمہارا
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا	مطیع کیا تا کہ تم اللہ کی بڑائی کرو
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ	کہ تم کو اُس نے ہدایت دی، اور
بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الحج)	خوش خبری دے نیکوں کو۔

قدیم الایام سے قربانی کی بنیاد معبود سے تقرب، حصول رضامندی اور اظہار شکر پر قائم ہے ہر قوم کے مناسک میں جو اُن کی جداگانہ طرز معاشرت اور طریق ماند و بود کے آئینہ تھے یہی جذبات اصل اُصول رہے ہیں، اس لئے پہلے اُن کی طرف ذہن منتقل کیا پھر معاً اُس منظر سے جب کہ ایک حیوان دوسرے حیوان ناطق کے لئے فدا ہو رہا ہے متاثر ہونے کی تنبیہ کی تا کہ وہ حیوان ناطق بھی اپنے قادر مطلق کی بجا آوری احکام کے لئے ہر وقت مستعد اور "خنجر تسلیم" سے ذبح ہونے کے لئے

تیار رہے فلہ اسلموا سے یہی مُراد ہے۔ پھر قربانی کا مصرف سمجھایا کہ جب شکر نعمت اور حصُول تقرب کے لئے جانور ذبح کیا تو اُس کا گوشت غربا اور مساکین کو کھلاؤ اور خود کھاؤ۔ وہ ذات پاک جیسا کہ اُس وقت تک لوگ سمجھتے تھے، گوشت اور خون نہیں چاہتا، وہ صرف تمہارے قلوب دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم میں تقوے کی رُوح پیدا ہو۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نسل انسانی کے آغاز سے قربانی کی قبولیت کے لئے تقوے کی شرط لگائی گئی تھی، جیسا کہ قصۂ ہابیل وقابیل میں مذکور ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ اب دورِ آخر میں ختم رُسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے پھر اُسی شرط کا اعادہ فرمایا وَلٰکِنْ یَنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ جس سے قربانی کے متعلق مشرکین اور اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور رسوم واہیہ کا ابطال ہو گیا۔

کعبہ میں سُنّتِ ابراہیمی کی تجدید

قریش نے بُت پرستی کی رسوم اختیار کر کے حج کو جو سُنّت ابراہیمی اور طواف وقربانی پر مبنی تھا، مسخ کر دیا تھا۔ خدائے واحد کا گھر بیت الصنم بن گیا تھا، جہاں تین سو ساٹھ بُت نصب تھے چھت پر عقیق سُرخ کا تراشا ہوا ایک بڑا بت ہُبل تھا، حضرت ابراہیم واسماعیل کے تماثیل دیواروں پر اور ایک کونے میں وہ پتھر جسے حضرت ابراہیم نے بطور نشان مذبح قائم کیا تھا (جسے اب سنگ اسود کہتے ہیں)، اور صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر اُساف اور نائلہ دو بُت تھے۔

آنحضرتؐ نے آغازِ نبوت سے بُت پرستی کی بُرائی سمجھانا شروع کر دی تھی لیکن قریش نے نہ مانا جس کا اثر یہ ہوا کہ قبائل عرب بھی جو باہر سے حج کرنے آتے تھے اُن میں بھی یہ رسم بد جاری رہی۔ ہجرت کے بعد جب جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور قریش اور قبائل عرب کی قوت غزوۂ احزاب کے بعد مضمحل ہو گئی تو آنحضرت نے سنہ ۶ھ میں حج بیت اللہ کا قصد کیا، لیکن جیسا کہ صلح حدیبیہ میں مذکور ہو چکا، اُس سال حج نہ ہو سکا سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد صورتِ معاملات بدل گئی۔ مکہ پر آنحضرت کا قبضہ ہو گیا، کعبہ پر علمِ توحید نصب ہُوا اور قریش دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بیت اللہ میں مشرکانہ رسوم بند کر دی جائیں اور سنتِ ابراہیمی اور یادگارِ اسماعیلی کی تجدید کی جائے۔

غزوۂ حنین میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کی خبر سُن کر ہوازن کا زبردست قبیلہ کس طرح بت پرستی اور شعارِ جاہلیت کی حمایت میں حملہ آور ہوا تھا، لیکن اُن کی شکست نے حامیانِ بُت پرستی کی کمر توڑ دی، تاہم صلح حدیبیہ میں چونکہ یہ طے پایا تھا کہ قبائلِ عرب کو اختیار ہے خواہ آنحضرت کے شریک رہیں خواہ قریش کے، اس لئے وہ قبائل جو قریش کے شریک تھے معاہدے کی رُو سے ایام حج میں اپنی رسوم قبیحہ کو کعبے میں بجا لاتے تھے اور چونکہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اس لئے دوسرے قبائل بھی مداخلت کا دعویٰ کرتے تھے۔ قریش نے بدعہدی کر کے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا، اور اگرچہ اُن کی بدعہدی کا اثر اُن کے حلفاء پر بھی پڑتا تھا لیکن آنحضرت چونکہ معاہدات کی نہایت پابندی کرتے تھے اس لئے ان پیچیدہ صورت

معاملات کواز سرِ نو سلجھانے کی ضرورت پیش آئی۔

تبوک سے واپس آکر آنحضرت نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مع قربانی کے تیس اونٹوں کے مکہ معظمہ روانہ کیا اور مناسک حج ادا کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو قافلہ سالار مقرر کیا اور معاہدات کے متعلق حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ مجمع کے سامنے سورۂ برأت کی ابتدائی تیس آیتیں بالاعلان سنا دیں۔

براءۃ من اللہ و	علیٰحدگی ہے اللہ اور اس کے رسول
رسولہ الی الذین عاھدتم	کی اُن مشرکوں سے جن سے تم
من المشرکین فسیحوا فی	نے عہد کیا۔ پس چار مہینے اور ملک
الارض اربعۃ اشھر و	میں چل پھر لو اور یہ جانتے رہو
اعلموا انکم غیر معجزی	کہ تم اللہ کو تھکا نہیں سکتے اور
اللہ وان اللہ مخزی	اللہ کافروں کو ذلیل کرنے والا
الکافرین واذان من	ہے اور حج اکبر کے دن اللہ اور
اللہ ورسولہ الی الناس	اس کے رسول کی طرف سے
یوم الحج الاکبر ان	منادی کی جاتی ہے کہ اللہ اور
اللہ بریٔ من المشرکین	اس کا رسول مشرکوں سے بے
ورسولہ فان تبتم فھو	تعلق ہیں پھر اگر تم کفر سے توبہ کرو
خیر لکم وان تولیتم	تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور
فاعلموا انکم غیر معجزی	اگر نہ مانو تو یہ جان رکھو کہ اللہ

اللہ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا — کو تھکا نہیں سکتے اور کافروں کو

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ — دردناک عذاب کی بشارت دے

جہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مذکورہ بالا آیات اور نیز دیگر آیات قتال وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ سے مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام مذہبِ شمشیر ہے لیکن اگر وہ ان آیات کے شانِ نزول اور ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے جن کی بنا پر ایسے احکام نازل ہوئے تو وہ بشرطیکہ ان کے دل میں انصاف اور حق پسندی کا مادہ ہوتا معترض نہ ہوتے۔

غزوات کے آغاز میں ہم نے جنگ کی ایک مختصر تاریخ دی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ بانیانِ مذاہب نے کن صورتوں میں لڑائی کی اجازت دی تھی، آنحضرت نے جن وجوہ سے تلوار اٹھائی وہ ہم نے ہر غزوے کی ابتدا میں بتادی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شر کی مدافعت اور امن وامان کے قیام کے لئے لڑائیاں ہوئیں ہجرت کے بعد ہی جب "تلوار اُٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرآن میں جوش وخروش سے جہاد فی سبیل اللہ کی تحریص، میدان میں ثابت قدمی اور بہادری سے لڑنے کی تاکید، پھر دشمنوں کے قتل کرنے یا پھر شہید ہوکر زندۂ جاوید ہوجانے، غداروں کو سزائے سخت دینے اور منافقین سے ہوشیار رہنے اور اُن پر بھروسہ نہ کرنے، ان امور کے لئے متعدد آیات مختلف سورتوں میں جنگ کے دوران نازل ہوئیں، اب اس موقع اور محل کو چھوڑ کر عموماً

ان آیات کو خوں خواری اور جنگ جوی پر محمول کرنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان آیاتِ قتال میں مخاطب قریش اور اعراب ہیں ورنہ کفار کے ساتھ برتاؤ کا جو حکم عام نازل ہوا وہ یہ ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ	اللہ تم کو منع نہیں کرتا کہ جو لوگ
الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي	تم سے دین پر نہیں لڑے اور
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ	نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ	اُن سے بھلائی اور انصاف
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ	کرنے والوں کو پسند کرتا ہے
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔	(سورۃ الممتحنہ)

اسلام مذہب تبلیغ ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ جس کا محکم اصول اور

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ	بلا اپنے رب کی راہ کی طرف
بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ	حکمت اور نیک نصیحت سے اور
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	اُن سے جھگڑا ایسے طریقے سے
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ	جو بہت اچھا ہو۔

اس کا پاکیزہ شعار ہے۔ آنحضرت ابتدا سے انتہا تک اسی اصول پر قائم رہے اگر غارِ حرا میں "قم فانذر وربک فکبر" کا حکم بطور مبتدا تھا تو اس کی خبر بیس برس بعد نکلی جب فتح مکہ کے بعد سورۂ نصر کا نزول ہوا ارشاد ہوتا ہے :

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ	جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور
الْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ	تو نے اللہ کے دین میں لوگوں
یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ	کو فوج فوج آتے دیکھ لیا پس
اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ	اب اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر
وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ	اور بخشش طلب کر بے شک وہ تو
تَوَّابًا (سورۂ نصر)	قبول کرنے والا ہے

وفود کی آمد الغرض حج اکبر کے موقعے پر سورۂ برات کے اعلان کا اثر یہ ہوا کہ بقیہ قبائل عرب نے مرعوب ہو کر بغیر لڑائی کئے ہوئے اپنے اپنے وفود خود بخود آنحضرت کی خدمت اقدس میں اظہار اطاعت کے لئے بھیجنا شروع کئے۔ ابن اسحاق نے پندرہ وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ابن سعد نے چھوٹے بڑے قبائل کی سفارتیں بھی شامل کر کے ستر گنوائے ہیں۔ ان میں سے چند وفود کے حالات جو خاص طور سے نتیجہ خیز اور عالم کے لئے صراطِ مستقیم کی تعلیم میں ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

وفد بنو تمیم بنو تمیم خلیج فارس کی طرف بحرین کے قریب آباد تھے، ابنائے بادیہ کی آزادی کے ساتھ ان میں عجمی تمکنت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے منتخب سردار اقرع بن حابس کے ہمراہ ایک وفد جس میں عطارد اور زبرقان بن بدر شاعر شامل تھے روانہ کیا۔ وفد شان و شکوہ کے ساتھ مدینے پہونچا۔ ظہر کا وقت تھا، بلال رضؓ اذان دے چکے تھے۔

آنحضرتؐ نماز کے لئے باہر تشریف لانے کو تیار ہو رہے تھے کہ یہ لوگ مسجد میں پہونچتے ہی حجرے کے پاس زور زور سے پکارنے لگے "محمد! باہر آؤ"

آنحضرتؐ تیار ہو کر تشریف لائے اور نماز سے فارغ ہو کر اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ لوگ کہنے لگے "ہم مفاخرت کے واسطے آئے ہیں ہمارے خطیب اور شاعر کو اپنے کمالات دکھانے دو" آپؐ نے اجازت دی۔ عطارد نے کھڑے ہو کر ایک پر زور تقریر کی جس میں اپنی قوم کی قوت و شوکت اور عزت و حرمت کو فخر و غرور کے لہجے میں ذکر کیا۔

ختم تقریر پر آنحضرتؐ نے ثابت بن قیس انصاری کی طرف اشارہ کیا وہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد بعثت رسول اور مکارم اخلاق کی تعلیم کا حوالہ دے کر ذکر جہاد سے جذبات شجاعت برانگیختہ کئے۔ پھر دعا پر کلام ختم کیا۔

تب وفد کی طرف سے زبرقان شاعر کھڑا ہوا اور اپنے اشعار سے لوگوں کو تھوڑی دیر کے لئے مسحور کر دیا۔ لیکن جب حسان بن ثابت دربار نبوت کے فیض یافتہ جواب دینے کھڑے ہوئے تو لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

آنحضرتؐ نے اگرچہ اس موقعے پر تالیف قلوب کی بناء پر مفاخرت کی اجازت دی لیکن وفد کی اس روش میں جو اخلاقی برائی مضمر تھی اس کی اصلاح کی، پھر آزادی اور اطاعت کے صحیح مفہوم کے لئے حق تعالیٰ نے سورۂ الحجرات نازل فرمائی، ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ	بے شک جو لوگ تجھے پردوں کے
مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ	پیچھے سے پکارتے ہیں۔ اکثر ان
اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ	کے ناسمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کرتے
اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ	یہاں تک کہ تو ان پر نکلتا تو یہ اُن
اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ	کے لئے اچھا تھا اور اللہ معاف
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	کرنے والا مہربان ہے۔

حریت کی افراط بے ادبی اور تفریط تذلل ہے

اخلاق میں افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ حریت کی افراط بے ادبی اور تفریط تذلل ہے۔ بے ادبی دراصل پوشیدہ کبر نفس ہے جو فرق مراتب کو نظر انداز کر کے واجبُ التعظیم کے سامنے سر نیاز خم کرنے سے گریز کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ع

"بے ادب محروم ماند از فضل رب"

جب یہ مرض کسی قوم میں سرایت کر جاتا ہے تو جذبۂ اطاعت جو ڈسپلن کی جان اور تنظیم کی روح ہے مضمحل ہو جاتا ہے اور شورش اور تباہی کا باعث ہوتا ہے جیسے حضرت علی مرتضیٰ کے عہد خلافت میں خوارج کا حال ہوا یا جیسے آج کل ہر کس و ناکس آزادی کا غلط مفہوم سمجھ کر بے ادبی کا شکار ہو رہا ہے اور فتنہ و فساد کا باعث۔

حریت کی تفریط یعنی تذلل کا بھی یہی حال ہے۔ تذلل عزت نفس کی توہین

ہے جو ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مرعوب ہو کر ظاہر کرتی ہے۔ جب کسی قوم میں اس کا زہریلا اثر پھیل جاتا ہے تو ناکامی اور غلامی کی موت آجاتی ہے جیسے مصر میں بنی اسرائیل کی حالت بعثت حضرت موسیٰ سے قبل یا جیسے گذشتہ صدی میں مغربی غلبہ سے مشرقی اقوام کی حالت جو اب بعنایت الٰہی بدل رہی ہے۔

اسلام سراپا تسلیم واطاعت ہے۔ یہ اپنے متبعین کو احساس عزت نفس کے ساتھ حقیقی واجب التعظیم کی سچی اطاعت کی تعلیم دیتا ہے اور عالم میں جذبۂ مساوات پیدا کر کے کرامت کا معیار تقویٰ قرار دیتا ہے۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا	اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى	سے پیدا کیا اور بنایا تم کو
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ	قوم اور قبیلے تاکہ پہچانے جاؤ
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	بے شک اللہ کے نزدیک بزرگ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ	متقی تمہارے ہیں بے شک اللہ
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورۂ الحجرات)	جانتا ہے خبردار ہے۔

نسلی امتیاز اور قومی تفاخر اگرچہ دنیاوی عروج کا ذریعہ ہیں لیکن ساتھ ہی اقوام عالم میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کر کے فتنہ و فساد اور کشت و خون کا باعث ثابت ہوئے ہیں جیسا کہ مشرقی اور مغربی اقوام کی باہمی کش مکش کی تاریخ سے عیاں ہے۔ کاش! اہل دنیا اس پاکیزہ تعلیم قرآنی پر غور کرتے!

وفد بنو اسد

اس وفد نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر فخریہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ آپ نے ہم پر کوئی مہم نہیں بھیجی ہم نے خود ہی یہ دین قبول کر لیا۔ یہ لوگ اسلام لا کر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم نے آپ پر احسان کیا کہ آپ کے دین میں داخل ہو گئے۔ یہ مذموم روش سخت اخلاقی گناہ تھا جس کے دفعیے کے لئے اسلام اور ایمان کا دقیق فرق سمجھایا گیا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا
قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ
قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ
الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ
تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ
شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

گنواروں نے کہا ہم ایمان لائے
کہہ دے تم ایمان نہیں لائے
لیکن یہ کہو کہ اسلام لائے اور
ایمان تمہارے دلوں میں داخل
نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس
کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ
تمہارے اعمال سے کچھ کم نہ کرے
گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان
ہے مومن تو وہی ہیں جو اللہ
اور اس کے رسول پر ایمان
لائیں پھر کچھ شک نہ کریں۔ اور
اپنے مال اور جان سے اللہ کی
راہ میں جہاد کریں وہی سچے ہیں

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ	احسان جتاتے ہیں تجھ پر یہ کہ
اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ	اسلام لائے کہہ دے اپنے اسلام
اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ	کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ، لیکن
عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ	اللہ نے احسان کیا کہ تم کو راہ
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ	دکھادی ایمان کی طرف اگر تم
صٰدِقِيْنَ۔ (سورۂ الحجرات)	سچے ہو۔

اسلام اور ایمان

زبان سے کلمہ پڑھ کر ارکانِ ظاہر کو قبول کر لینے سے انسان مسلم کہلاتا ہے لیکن جب تک قلب طاعت خدا ورسول کے انوار سے روشن نہ ہو اور جان و مال سے راہِ حق میں فدا ہونے کو تیار نہ ہو اس مسلم پر مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بنو اسد اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن بہت جلد آنحضرت کے وصال کے بعد ہی، مرتد ہو کر طلیحہ بن خویلد کی سرداری میں لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح بنو حنیفہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذاب کے پیرو بن کر جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں یہ تمام قبائل یمن حضرموت اور بحرین وغیرہ جنہوں نے اپنے اپنے وفد آنحضرت کی خدمت اقدس میں بھیج کر اظہار اطاعت کیا تھا، جنگ و جدال کے بعد ارتداد سے توبہ کر کے مطیع اسلام ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حلاوت ایمان انہیں بزرگوں کو نصیب ہوئی جو مہاجرین و انصار کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور جن کے فضائل قرآن مجید میں بار بار بیان ہوئے ہیں

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

اسلام اور ایمان کا یہ فرق افسوس پہلی ہی صدی ہجری میں نظر انداز ہوگیا، اور وہ لوگ جو فتوحاتِ اسلام کو دیکھ کر حصول دُنیا کی خواہش یا خوفِ جان ومال کے باعث مسلمان ہوگئے تھے مومنین متقین کو زور وحیلہ سے محکوم بنالیا حرہ کا ہولناک واقعہ جس میں سیکڑوں مہاجرین وانصار فوجِ یزید کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پھر بنی اُمیّہ کا جانشینِ رسول کے لقب سے مسلّط ہوجانا قرونِ اولیٰ کے خونی مناظر ہیں اور اس زمانے میں بھی یہی حالت ہے جب کہ لوگوں نے شعارِ ظاہر کو معیارِ اسلام قرار دیا اور حقیقت ایمانی سے کوسوں دور ہوگئے۔ عرب وعجم قومیت کے نشے اور مغربیت کی تقلید میں ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا سبق فراموش کردیا۔ دینِ متین کا شیرازہ افسوس بکھر گیا اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ کاش وہ لوگ جو اقوامِ عالم میں مسلمان کہلاتے ہیں دیدۂ باطن سے وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ کی وعید کو پڑھ کر مومن متقی بننے کی کوشش کرتے۔

حجّۃ الوداع

ہجرت کے دسویں سال جب عرب کے گوشے گوشے میں اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی اور قبائل عرب دُور ونزدیک سے جوق جوق دینِ برحق قبول کر رہے تھے، آنحضرت نے حجِ بیت اللہ کے لئے تشریف لے جانے کا اعلان فرمایا۔ یا ایک وقت وہ تھا کہ موسمِ حج میں جب آپ یکہ وتنہا حاجیوں کے پاس جاکر تبلیغ دین فرماتے تھے اور پیچھے پیچھے

ابولہب اور کفارِ قریش آپ کو گالیاں دیتے ہوئے اور طرح طرح کے آزار پہونچاتے ہوئے ساتھ ہوتے تھے یا اب وہ زمانہ آیا کہ آپ مدینے سے فدائیانِ دین مہاجرین وانصار کے جھرمٹ میں نکلتے ہیں اور ہر طرف سے کلمہ گو قبائلِ عرب کے گروہ درگروہ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے ہمراہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ تقریبًا ایک لاکھ کا یہ عظیم الشان مجمع "بکہ" کی وادیٔ بے زرع میں حضرت داؤد کی پیشین گوئی کو پورا کرتا ہے۔[1]

اِس حج کے حالات اربابِ سیراور محدثین سب نے بیان کئے ہیں۔ کسی نے جستہ جستہ اور کسی نے تشریح کے ساتھ۔ ابن اسحاق نے متعدد طرق کی روایات کو لے کر ایک مسلسل بیان تحریر کیا ہے اور وہ مشہور خطبہ بھی جو آپ نے ایامِ حج میں دیا، نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اس حج کے واقعات مع خطبہ حضرت جابر انصاری رضؓ سے منقول ہیں۔ یہ روایت حسبِ ذیل طریقے سے اُمتِ محمدی کو پہونچی:

عبدالملک ابن مروان کے عہدِ حکومت میں جو چند اصحاب رسول اللہ شہادت یا طبعی موت سے بچ رہے تھے، ان میں ایک حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری تھے جن کا انتقال سنہ ۹۴ھ میں (ایک قول میں سنہ ۹۸ھ) ہوا۔ آخر عمر میں حضرت جابرؓ نابینا ہو گئے تھے، ایک دن چند آدمی آپ کے پاس مسائل پوچھنے

---

[1] نغمۂ زبور ۸۴۔ اس کی تشریح آغاز کتاب میں ہم کر چکے ہیں۔

آئے ان میں نوجوان امام محمد باقرؒ ابن امام زین العابدینؒ بھی تھے۔ امام موصوف فرماتے ہیں جب میں نے اپنا نام بتایا تو حضرت جابرؓ نے ٹٹولتے ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر میرے گریبان کے تکمے کھول کر سینے پر فرطِ محبت سے ہاتھ پھیر کر بولے "مرحبا اے بھتیجے! جو کچھ دریافت کرنا ہو پوچھنا۔ نماز کا وقت ہے پہلے فارغ ہولیں"۔ چنانچہ بعد نماز امام موصوف نے فرمایا، مجھ سے میرے نانا کے آخری حج کے حالات بیان فرمایئے" حضرت جابر نے نہایت تفصیل کے ساتھ آنحضرت کا مدینے سے روانہ ہونا اور بہ تمع کثیر کا ہمراہ ہونا۔ پھر مکہ پہونچ کر جو جو ارکانِ حج ادا فرمائے، اُن کو بیان کر کے اُس مشہور خطبے کو نقل کیا جب رسول اللہ نے عرفات میں دوپہر ڈھلے اپنے ناقہ قصویٰ پر دیا تھا۔

خطبۂ رسول اللہ عرفات میں

ان دماءکم واموالکم	کہ تحقیق تمہارے خون اور تمہارے
حرام علیکم کحرمۃ	مال تم پر حرام ہیں جیسے اس
یومکم ھذا فی شہرکم	تمہارے دن کی حرمت ہے اس
ھذا فی بلدکم ھذا الاکل	تمہارے مہینے میں اس تمہاری
شیئ من امر الجاھلیۃ	بستی میں جان لو کہ حالت جاہلیت
تحت قدمی موضوع و	کی ہر چیز میرے دونوں قدموں
دماء الجاھلیۃ موضوعۃ	کے نیچے ہے اور جاہلیت کے

وان اوّل دم اضع من
دمائنا دم ابن ربیعة بن
الحارث کان مسترضعًا
فی بنی سعد فقتله
هذیل و ربو الجاهلیة
موضوع واوّل ربوا اضع
من ربانا ربو العبّاس
بن عبد المطلب فانه
موضوع کله فاتقوا الله
فی النساء فانکم اخذتموهن
بامان الله واستحللتم
فروجهن بکلمة الله
ولکم علیهن ان لا
یوطئن فرشکم احدا
تکرهونه فان فعلن
ذلك فاضربوهن ضربًا
غیر مبرح ولهن
علیکم رزقهن

خون دبا ڈالے گئے اور البتہ اپنے
خونوں سے پہلا خون جسے میں
دبائے ڈالتا ہوں ابن ربیعہ بن
حارث کا خون ہے جو بنی سعد میں
دودھ پیتا تھا اور اسے قوم ہذیل
نے مار ڈالا اور جاہلیت کا بیاج
دبا ڈالا گیا میرے یہاں سب سے
پہلا بیاج عباس بن عبد المطلب
کا ہے وہ سب دبا ڈالا گیا۔ پس
اللہ سے ڈرو عورتوں کے معاملے
میں کیوں کہ تم نے اُن کو خدا کی
امان سے قابو میں کیا ہے اور
خدا کے حکم سے وہ تم پر حلال ہوئیں
اور تمہارا حق اُن پر یہ ہے کہ جسے
تم نہ چاہو اُسے گھر میں نہ آنے دیں
پس اگر وہ ایسا کریں تو ایسی سزا
دو جس سے زیادہ تکلیف نہ ہو اور
عورتوں کا تم پر دستور کے موافق ۔

عربی	ترجمہ
وکسوتهن بالمعروف	کھانا کپڑا دینے کا حق ہے، اور
وقد ترکت فیکم مالن	مقرر ہیں تم میں وہ چیز چھوڑے
تضلوا بعده ان اعتصمتم	جاتا ہوں کہ اُس کے بعد تم کبھی
به کتاب الله وانتم	گمراہ نہ ہوگے اگر تم اس کو مضبوط
تسئلون عنی فما انتم	پکڑے رہوگے وہ کتاب اللہ ہے
قائلون؟ قالوا نشهد	اور تم سے قیامت میں میری نسبت
انك قد بلغت وادیت	سوال ہوگا کیا کہوگے: لوگ کہنے
ونصحت فقال باصبعه	لگے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے
السبابة یرفعها الی	خدا کا پیغام پہونچایا اور بخوبی ادا
السماء وینکبها الی	کیا اور نصیحت کی۔ پس آپ نے
الناس اللهم اشهد	کلمے کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھا
اللهم اشهد اللهم	کر اور لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا
اشهد۔ (مسلم جزء اول	خداوندا گواہ رہیو خداوندا گواہ رہیو
صفحہ ۳۹۶)	خداوندا گواہ رہیو۔

عرفات میں اس خطبے کے علاوہ آنحضرت نے مجمع کے سامنے دوسرے مقامات پر بھی ان ایام حج میں چند ہدایتیں فرمائیں۔ جن کو ابن اسحاق اور ابن سعد نے یوں جمع کیا ہے:۔

عربی	ترجمہ
اَیُّهَا النَّاسُ فان	لوگو شیطان ناامید ہو چکا ہے

عربی	اردو
الشيطان قد يئس ان	کہ اب اس ملک میں پھر اس کی
يعبد بارضكم هذه	عبادت ہوگی لیکن اس کے سوا
ابدا ولكنه ان يطع	اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر راضی ہو
فيما سوى ذلك فقد	گیا ہے جسے تم بڑے گناہوں
رضى به مما تحقرون	میں شمار نہ کروگے پس تم کو اپنے
من اعمالكم فاحذروه	دین کی شیطان سے حفاظت
على دينكم۔	لازم ہے۔
ايها الناس اسمعوا	لوگو سنو اور اطاعت کرو اور اگرچہ
واطيعوا وان امر عليكم	تم پر کوئی حبشی غلام یعنی بریدہ
عبد حبشى مجدع اقام	جو خدا کی کتاب کے موافق لے
فيكم كتاب الله۔	چلے حاکم ہو۔
ارقاءكم ارقاءكم	تمہارے غلام تمہارے غلام،
اطعموهم مما تاكلون	دیکھو جو تم کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ
واكسوهم مما تلبسون	اور جیسا تم پہنو ویسا انہیں پہناؤ
وان جاؤ بذنب لا	اور اگر ان سے ایسی خطا ہو کہ
تريدون ان تغفروه	تم درگذر نہ کرسکو تو اُن کو
فبيعوا عباد الله لا	فروخت کردو وہ خدا کے بندے
تعذبوهم۔	ہیں ان کو عذاب نہ دو۔

خطبۂ غدیر خم حج سے فارغ ہو کر جب آنحضرت مدینے واپس تشریف لے چلے اور مجمع عظیم کچھ دور تک ہمراہ چلا تو آپ نے مقام خم کے تالاب (غدیر) پر جو جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے قیام فرما کر حسب ذیل خطبہ دے کر مجمع کو رخصت کیا،

الا ایھا الناس	اے لوگو میں ایک بشر ہوں، کیا
فانما انا بشر یوشک	عجب کہ خدا کا قاصد (ملک الموت)
ان یاتینی رسول ربی	میرے پاس آئے اور میں تم میں
فاجیب وانی تارک فیکم	دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں
الثقلین اولھما کتاب	ایک اللہ کی کتاب جس میں نور اور
اللہ فیہ النور والھدیٰ	ہدایت ہے پس کتاب اللہ کو لو،
فخذوا بکتاب اللہ	اور اس سے تمسک کرو اور دوسرے
واستمسکوا بہ	میرے اہل بیت جن کے بارے
واھل بیتی اذکرکم	میں میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں
اللہ فی اھل	خدا کو یاد دلاتا ہوں خدا کو یاد
بیتی[1]۔	دلاتا ہوں۔

پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:۔

من کنت مولاہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل علی

فعلی مولاہ اللّٰھم | بھی مولا ہے خداوندا عزیز رکھ اُسے
وال من والاہ وعاد | جو اس کو عزیز رکھے اور دشمن جان
من عاداہ [1] | اُسے جو اس کا دشمن ہو۔

---

[1] استیعاب جلد دوم صفحہ ۴۷۳ بروایت ابوہریرہ و بریدہ وجابر و زرقانی جلد ثالث صفحہ ۲۱۲

کیا افسوس ہے کہ اسلام کے دو مشہور فرقوں نے خطبۂ غدیر خم میں عجیب افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک گروہ اس کو حضرت علی کی خلافت کا برملا اعلان قرار دیتا ہے اور دوسرا گروہ اہل یمن کی ایک معمولی شکایت کا جو اُن کو حضرت علی کی عاملانہ کارروائی کے متعلق تھی جواب سمجھ کر رسول اللہ کے ان الفاظ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ اس افراط و تفریط کا یہ نتیجہ ہے کہ دونوں گروہوں میں سخت مخالفت پیدا ہو گئی۔ اور ملت بیضا میں باہمی نزاع اور عداوت کا ایسا دروازہ کھل گیا جو افسوس در توبہ کے بند ہونے تک کھلا رہے گا۔

واقعہ غدیر خم اگر تعصب اور تنگ خیالی سے قطع نظر کر کے محض تاریخی نقطۂ نظر اور اُس زمانے کے گرد و پیش کے حالات ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ضرور اہمیت ہے۔ آنحضرت کو اپنی اولاد سے نہایت محبت تھی۔ حضرت خدیجہ سے جب کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو حق تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل فرما کر تسکین دی۔ ہجرت کے بعد جو متعدد نکاح آپ نے کئے (جیسا کہ ہم اُوپر ثابت کر چکے ہیں) زیادہ تر اولاد نرینہ کی تمنا بھی تھی۔ ولادت ابراہیم یعنی سنہ ۸ ھ کے بعد سے آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا۔ لیکن جب حجۃ الوداع سے پیشتر حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا تو آپ کی اولاد ذکور و اناث میں صرف حضرت فاطمہ باقی رہیں جن کو آپ نہایت عزیز رکھتے تھے۔ ان کا نکاح آپ نے اپنے ابن عم حضرت علی ابن ابی طالب سے کیا جن کی تعلیم و تربیت بچپن سے آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں ہوئی تھی حضرت علی مرتضیٰ کو جو محبت رسول اللہ سے تھی اور جیسی گراں بہا خدمات دین متین کی آپ نے سر انجام دیں وہ فریقین کے نزدیک مسلم ہیں۔ جناب مرتضوی کے انہیں اوصاف حمیدہ اور قرابت قریبہ کی بنا پر رسول اللہ نے روانگی تبوک کے وقت آپ کو حضرت ہارون ؑ سے تشبیہ دی تھی کہ جس طرح حضرت ہارون اور ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ (بقیہ صفحہ ۴۰۴ پر)

ہدایاتِ رسول نظامِ تمدن کی روحِ رواں ہیں

حجۃ الوداع میں جو ہدایات آنحضرت ؐ نے فرمائیں وہ نظام تمدن کی روحِ رواں ہیں انسان مدنی الطبع ہے۔ تمدن کی پہلی شرط جان ومال کا محفوظ رہنا ہے۔ جذبۂ مساوات کا اگر صحیح مفہوم سمجھ لیا جائے اور مختلف اقوامِ عالم کا ہر ایک فرد خواہ از جنسِ ذکور ہو یا اُناث تفوق کا طالب صرف تقوے کے ذریعے سے ہو تو پھر یہ لفظی نزاعیں رہ جاتی ہیں کہ شخصی سلطنت بہتر ہے' یا آئینی حکومت جمہوریت اچھی ہے یا اشتراکیت۔ ہر قوم اپنی اپنی مقامی خصوصیات اور مدارجِ ترقی کی مشکلات پیش نظر رکھ کر جو صورت نظام بہتر سمجھے اختیار کرے پھر اس صورت کو اختیار کرنے کے بعد صاحب الامر کی اطاعت خواہ وہ ذلیل غلام ہی کیوں نہ ہو مگر راہ حق پر چلے فرض عین سمجھے، اور باہمی کشت وخون کو حرام سمجھے۔ غلامی اور آقائی کی نسبت محض اضافی ہے جو معاشرت کی پیچیدگیوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۳) ہمیشہ بنی اسرائیل میں روحانی پیشوا اور امام مانے جاتے ہیں (دیکھو توریت کتاب خروج ۲۹/۹) اسی طرح حضرت علی اور حضرات حسنین اور ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ اسی درجے پر فائز رہیں گے۔ حجۃ الوداع میں جب رسول اللہ کو اپنی رحلت کا زمانہ قریب معلوم ہو رہا تھا اُمتِ مرحومہ کو رخصت کرتے وقت آپ نے علی الاعلان جناب مرتضوی کو اس خاص درجے پر فائز فرمایا۔ یہ درجۂ ولایت اس عہدۂ خلافت سے ممتاز تھا، جس میں دنیاوی حکومت شریک غالب تھی اور جس کے لئے آپ نے آخر وقت تک تفصیل نہیں فرمائی (جیسا کہ حدیث قرطاس میں ہم ثابت کریں گے) یہ مبارک درجہ جس وقت سے عطا ہوا قیامت تک سلاسل اولیا اللہ کے ذریعے سے آل محمد صلعم کے لئے مخصوص رہے گا۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

پیدا ہو گئی ہے ورنہ آقا ہو یا غلام حقیقتاً سب خادم ہیں غلام اپنے آقا کا اور آقا جماعت کا جس کا ایک فرد وہ غلام بھی ہے۔ اس لئے طریق ماند و بود میں مساوات کی تعلیم دی گئی۔

تمدن کی غائت باہمی تعاون و تعاول ہے لیکن قومی منافرت اور حصولِ زر کی بے جا ہوس جن کی بدترین صورت ربا ہے وہ زہریلی ہوائیں ہیں جو اقوام کی متمدن زندگی کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ تاریخ اپنا سبق دہراتی ہے اس زمانہ تہذیب میں بھی قومی منافرت اور سُود خواری وہی دو بلائیں ہیں جو فتنہ و فساد از جنگِ عظیم یورپ کا باعث ہوئی ہیں اور مشرق و مغرب کی تباہی کا اتنا ہی نہیں بلکہ ان بلاؤں نے قلوب میں قساوت اور دنارت کے ایسے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں جن کے باعث اشرف المخلوقات مسخ ہو کر نظریۂ ڈارون کا زندہ ثبوت بن گیا ہے؛

صراطِ مستقیم کی تعلیم

حقیقت یہ ہے کہ مذاہب عالم میں اسلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیم میں خواہ متعلق اخلاق ہو یا معاشرت و تمدن فطرت انسانی کا لحاظ رکھ کر سادگی اور صفائی سے صراطِ مستقیم کی تعلیم دی گئی ہے۔ کلمۂ شہادت جو اس کا اصل اصول ہے توحید کامل (یعنی توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت) اور حقیقت نبوت کو اس خوبی کے ساتھ ذہن نشیں کر دیتا ہے کہ کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ نہ یہاں تثلیث کا معمّا ہے نہ الوہیت کا راز، نہ دیوتاؤں کی

خوش فعلیاں ہیں نہ اوتاروں کا طلسم ہوش رُبا۔

عقائد کی طرح اسلام کے اعمال بھی صاف اور سیدھے عقل پر مبنیٰ اخلاق میں فطرتِ انسانی کا پُورا لحاظ، انسان کی خلقی متضاد اوصاف کی سچی اصلاح اور روک تھام، نہ یہاں افراط ہے نہ تفریط، نہ رُہبانیت نہ جوگ، نہ نروان کی دردناک افسردگی، نہ یہودیت کا کھرا پن۔

معاشرت اور تمدن میں ہر قوم کے خصائص کے لحاظ سے ایسے جامع و مانع اصول کی تعلیم کہ ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے دستور العمل بن سکیں۔ غرض کہ انسان کی دینی اور دنیوی فلاح کے واسطے یہ دین فطرت اپنی شانِ اکملیت دکھاتا ہے لیکن افسوس جس طرح حضرت مسیح کے مشہور پہاڑی والے وعظ کا اثر اُن کی امت پر یہ ہوا کہ بجائے ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا پیش کر دینے کے جنگ جوئی کے لئے تیار ہیں۔ اسی طرح اُمتِ محمدی نے جس کو صراطِ مستقیم کی تعلیم دی گئی تھی رسول اللہ کے وصال کے بعد ایک ہی صدی کے اندر ایسی کج روی اختیار کی کہ رفتہ رفتہ ہفتاد و دو ملت کیا سیکڑوں فرقوں میں نصاریٰ کی طرح تقسیم ہو کر وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی راہ سے کوسوں دور ہو گئے۔ وہ خوارج کا تلاوتِ کلام اللہ کے ساتھ شور و شغف مگر اس کی پاکیزہ تعلیم کا اُن کے گلوں سے نیچے نہ اُترنا۔ وہ بنی اُمیہ کا اہل بیت اطہار کے معاملے میں خدا کو بھول جانا، اور جانشینِ رسول بن کر کسریٰ اور قیصر کی روش اختیار کرنا۔ وہ حُبِ اہلِ بیت کے جوش میں ایک گروہ کا لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ کو بھول کر بہک جانا۔ وہ کلام اللہ

کے ساتھ یہود کے تالمود کی طرح احادیث کے دفاتر کا شامل ہو جانا اور علماء و مشائخ کا رہنمایانِ ملت کی حد سے گذر کر اہل کتاب کے رہبین واحبار کی طرح اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہ بن جانا۔ وہ شریعت سہلہ کی آسانیوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عام وخاص کا شہوات ولذات میں منہمک ہو جانا اور لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ کی آڑ پکڑنا۔ وہ سیاسی اغراض کے لئے خلافت وامامت کا نزاع مذہبی جامہ پہنانا اور پھر اس کے قیامت تک طے نہ ہونے والے خانہ برانداز ملت جھگڑے جن کے باعث روم وایران، ہند وتوران، مصر وعرب ساری دنیائے اسلام میں خون کی ندیاں بہہ جانا۔ وہ اہلِ قبلہ کی باہمی تکفیر اور شیرازۂ ملت کا بکھر جانا۔ غرض کہ یہ وہ دل خراش اور رُوح فرسا واقعات ہیں جو دردمندانِ ملتِ بیضا کو خون کے آنسو رُلاتے رہیں گے اور وہ یُوں دعا کرتے رہیں گے ؎

اے ختمِ انبیا ہیں رؤف ورحیم آپ — بگڑی ہوئی ہے حالتِ اُمت بنایئے
امرِ قضا ہو جو بھی مگر التجا یہ ہے — نازل ہو جو بلا اُسے رحمت بنایئے
ہم ملکِ جم کو کیا کریں ہم کو تو یا نبیؐ — آئینۂ صفا وصداقت بنایئے
دنیائے دُوں کے فتنوں سے ہم کو بچا کے آپ — اُدنیٰ بس ایک خادمِ ملّت بنایئے

ہم بھول جائیں عیش وملالِ جہاں مگر
مستانۂ ولا ہمیں حضرتؐ بنایئے

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ

رومی خطرے کا انسداد

اور آخری وصیتیں

اسلام پر ابتدا ہی سے زبانِ تیغ اور تیغ زبان دونوں کے حملے مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے جوش و خروش سے ہوتے رہے ہیں مشرکین نے اگر حملے کئے تو کچھ تعجب نہیں ہے، توحید اور شرک کبھی شیر و شکر نہیں ہو سکتے، لیکن اہل کتاب نے باوجودیکہ قرآن مجید نے باہمی مفاہمت کا یہ صلح جو اعلان کیا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے اہل کتاب آؤ ایسی بات
تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ	کی طرف کہ برابر ہے ہم میں اور
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ	تم میں یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی
إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ	پرستش نہ کریں اور نہ اُس کے
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا	ساتھ کسی کو شریک کریں اور نہ
بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ	بعض ہم میں سے خدا کے سوا کسی
اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا	اور کو رب قرار دیں پس اگر منہ
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ	پھیریں تو کہو گواہ رہنا ہم
(آل عمران)	مسلمان ہیں۔

انصاف اور آشتی کو پس پشت ڈال کر جدال و قتال پر آمادہ ہو گئے
یہودِ مدینہ نے جو طریقے اسلام کی بیخ کنی کے اختیار کئے اور خفیہ اور علانیہ جو
کارروائیاں کیں اُن کی تفصیل غزوات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

عیسائیوں کی مُخالفانہ کارروائیاں

عیسائیوں میں سب سے پہلے ابو عامر" راہب" مدینے میں
آنحضرت کے تشریف لاتے ہی آتش حسد سے جل کر عداوت پر کمر بستہ ہو گیا اور
جس طرح پطرس راہب نے گیارہویں صدی عیسوی میں بیت المقدس کے
لئے صلیبی لڑائیوں کا خوں خوار سلسلہ قائم کیا۔ ابو عامر نے بھی اسلام کی
مخالفت میں عیسائیوں کو اُبھار دیا۔ اُحد اور حنین کی لڑائیوں میں یہ شخص کفار
کے ساتھ لڑنے آیا۔ لیکن شکست کھا کر آخر شام کی طرف بھاگ گیا۔ مگر وہاں بھی
عیسائی قبائل اور رومیوں میں اسلام کی طرف سے نفرت کا پروپیگنڈہ پھیلاتا
رہا۔ اور منافقین مدینہ سے در پردہ ساز کر کے (جیسا کہ واقعہ مسجدِ ضرار میں ہم
بیان کر چکے ہیں) رومیوں کو حملہ کرنے کے لئے اُبھارتا رہا۔ تبوک میں آنحضرت
نے انہیں وجوہ سے حفظِ ما تقدم کے طور پر پیش قدمی فرمائی تھی۔ تبوک سے
واپسی کے بعد اگرچہ سنہ ۹ ھ میں عرب کے تمام صوبجات سے قبائل نے اپنے اپنے
وفود بھیج کر قبولِ دین اور اظہارِ اطاعت کیا۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے قبائل
تھے جو ظاہر میں مسلمان ہوئے مگر پھر مرتد ہو گئے۔ ان میں قبیلہ بنو حنیفہ خاص
طور سے قابلِ ذکر ہے۔

فتنۂ مسیلمہ کذاب

یہ قبیلہ عیسائی تھا اور مکہ اور یمن کے مابین یمامہ میں آباد تھا۔ فتح مکہ کے بعد اس قبیلے نے بھی اپنا وفد دربارِ رسالت میں بھیجا جس میں ایک شخص مسیلمہ بن حبیب بھی شامل تھا۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو مسیلمہ کو اپنی فرودگاہ میں چھوڑ آئے تھے، پھر جب وفد مسلمان ہوا، اور حضور نے اُن کو انعام و اکرام تقسیم کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ایک شخص کو ہم اپنی قیام گاہ میں اسباب کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آنحضرت نے مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا وہ بھی تم سے کم مرتبہ نہیں ہے اُس کا بھی حصہ اسی قدر لو۔ جب یہ وفد واپس گیا تو مسیلمہ جو ایک چالاک اور لسان شخص تھا، اہل قبیلہ کو یوں بہکانے لگا کہ محمد صلعم نے میری قدر و منزلت کا اعتراف کیا۔ میں ان کی نبوّت میں شریک ہوں۔ اس طور سے اہل قبیلہ میں فتنۂ ارتداد پھیلا کر اس مدعی نبوّت نے ایک تحریر دربارِ رسالت میں سنہ ۱۰ھ کے آخر میں بھیجی جس میں لکھا تھا:

"میں نبوت میں شریک کیا گیا ہوں نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی لیکن قریش حد سے بڑھتے ہیں۔"

کیا عجیب بات ہے کہ جس طرح مسیلمہ اشاعت دین کی روز افزوں ترقی کو اپنی کوتاہ بینی سے مُلک گیری سمجھا مستشرقین یورپ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے اور وہ آنحضرت کے قیام مدینہ کو طلب حکومت سمجھتے ہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے دنیا و دین کی جُداگانہ جغرافیائی تقسیم نہیں کی،

بلکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ پر مدار رکھ کر دونوں کو توام بنا دیا۔ اس کی دنیا و دین روحِ انسانی کی ترقی کے مرج البحرین ہیں۔ اس کی دنیائے عمل میں دین کا آفتاب ضیاپاشی کرتا ہے اور اس کی دین فطرت میں دنیا کا چاند نور فگن۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باہمی توازن اور یہ رنگ وحدت توحید کامل کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ	بے شک میری نماز اور عبادتیں
وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ	اور میری زندگی اور میری موت
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	اللہ ہی کے واسطے ہے، جو
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ	پروردگار ہے عالموں کا۔ نہیں
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ	شریک اس کے واسطے اور یہی
الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (سورۂ	مجھے حکم ہوا ہے اور میں پہلا
انعام)	مسلمان ہوں۔

مسیلمہ کی تحریر کا جو جواب رسول برحق نے دیا وہ آج جب کہ پیروانِ اسلام دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے عالم میں ضعیف و ناتواں ہو گئے ہیں ہمارے لئے سبق آموز اور ہمت افزا ہے۔ فرماتے ہیں،

اِنَّ الْاَرْضَ	زمین اللہ کے لئے ہے، اپنے
لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ	بندوں میں سے جسے چاہے
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ	اس کا وارث بناتا ہے، اور

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۔ عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے

مسیلمہ نے جو فتنہ برپا کیا تھا اس کا زہریلا اثر نومسلم قبائل عرب میں وبا کی طرح پھیل گیا۔ یمن میں اسود بن کعب العنسی نے دعوی نبوت کیا اور صنعاء پر قبضہ کرکے ملک میں بدامنی اور بے دینی پھیلانا شروع کی۔ اسی طرح طلیحہ بن خویلد نے بنی اسد کو گمراہ کر دیا۔

عیسائیوں سے جنگ کا سلسلہ

ان کذابوں کی سرکوبی کے لئے آنحضرت نے مقامی عاملوں کے ذریعہ سے ضروری انتظامات فرمائے لیکن سب سے بڑا خطرہ شام کی طرف سے تھا جہاں سریہ موتہ میں رومیوں سے جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا تھا۔ دولت عجم کی قوت پامال ہو جانے سے غسانیوں کی عیسائی سلطنت قیصر روم کی حمایت میں فتح مدینہ کا خواب دیکھتی تھی، فتنۂ ارتداد ان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا جس سے فائدہ اٹھا کر اسلام پر ہر طرف سے نرغہ کر سکتے تھے۔ ایسی نازک حالت کو پیش نظر رکھ کر آنحضرت نے حجۃ الوداع سے واپس تشریف لا کر سنہ ۱۱ھ کے آغاز میں شام کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا جس میں اکابر صحابہ کو شامل کیا۔

اُسامہؓ بن زیدؓ کا سردار فوج مقرر ہونا

اور چونکہ موتہ کے خونخوار معرکے میں حضرت زیدؓ اور جعفر طیارؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ رومیوں کے مقابلے میں شہید ہو چکے تھے،

آنحضرت نے زید کے بیٹے اُسامہ کو سردار فوج منتخب فرمایا۔ لیکن منافقین نے جس طرح غزوۂ تبوک میں طرح طرح کی بہانہ بازیوں سے کام لیا تھا، اس موقع پر بھی یہ شگوفہ چھوڑا کہ ایک ناتجربہ کار نوجوان کو سردار فوج مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔ آنحضرت کو جب اطلاع ہوئی تو اگرچہ مرض الموت شروع ہو چکا تھا اور تپ لاحق تھی سر مبارک پٹی سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوس فرما کر حمد و ثنا کے بعد مجمع کو یوں مخاطب کیا:

"لوگو، اُسامہ کے لشکر کو بڑھاؤ، اور اس میں شامل ہو۔ اگر تم اس کی سرداری پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے تم نے اُس کے باپ کے امیر ہونے پر بھی اعتراض کیا تھا، اور بے شک اُسامہ سرداری کے لائق ہے اور اُس کا باپ بھی لائق تھا۔"[1]

انتخابِ رسول کا نتیجہ تاریخ شاہد ہے کہ انتخابِ رسول کیسا کامیاب ثابت ہوا۔ مؤرخ گبن لکھتا ہے:

"جب کہ قیصر ہرقل قسطنطنیہ اور بیت المقدس میں فتح مندی کے نشہ میں جھوم رہا تھا، سرحد شام کے ایک غیر معروف گاؤں کو عربوں نے تاراج کر دیا اور اس فوج کو جو اُس کے بچانے کے لئے بڑھی تھی کاٹ کر ڈال دیا۔ یہ ایک معمولی واقعہ تھا جس کی کچھ اہمیت نہ ہوتی اگر یہ ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت نہ ہوتا......

---

[1] کتاب بخاری

قیصر اپنی حکومت کے آخری آٹھ سال کے اندر وہ تمام صوبے جو
اس نے ایرانیوں سے چھین لئے تھے سب کے سب عربوں کے ہاتھ
کھو بیٹھا"
(زتاریخ زوال روما جلد پنجم صفحہ ۹۵)

ختم رسالت | حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن جب آیہ کریمہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ	آج کے دن تمہارا دین کامل
دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ	کیا، اور تم پر اپنی نعمتیں پوری
نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ	کیں، اور پسند کیا تمہارے لئے
الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔	اسلام کو دیں۔

کا نزول ہوا تو آنحضرت ؐنے مجمع کثیر کے سامنے ایسے الوداعی کلمات فرمائے
جن سے معلوم ہوتا تھا کہ عالم کو منور کر دینے کے بعد اب آفتاب رسالت کے غروب
ہونے کا وقت آگیا۔ پھر جب مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے شہدائے اُحد
کو جن کی شہادت کا واقعہ پتھر کے دل کو بھی موم کر دیتا ہے دعا و مغفرت کے بعد
اس طور سے وداع کیا جیسے کوئی واقعی زندوں سے رخصت ہوتا ہے۔ بخاریؒ میں
حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے:

صلی رسول اللہ صلی	شہداء اُحد پر رسول اللہ صلی اللہ
اللہ علیہ وسلم علی قتلی	علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد
احد بعد ثمان سنین	دعا پڑھی جیسے مرنے والے زندوں

---

[1] کتاب المغازی باب غزوۂ احد

کالمودع للاحیاء والاموات	کو رخصت کرتے ہیں۔ پھر منبر پر
ثم طلع المنبر فقال انی	تشریف لاکر فرمایا میں تمہارے
بین ایدیکم فرطًا	درمیان مثل ہراول کے ہوں
وانا علیکم شهیدا	اور تم پر گواہ ہوں اور تمہاری
وان موعدکم الحوض	جائے ملاقات حوض پر ہے اور
وانی لانظر الیه من	میں اس کو اپنے اس مقام سے
مقامی هذا وانی لست	دیکھتا ہوں اور مجھے یہ خوف
اخشی علیکم ان	نہیں کہ تم مشرک ہوجاؤ گے،
تشرکوا ولکن اخشی	لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دنیا
علیکم الدنیا ان	کے لئے فخر و مباہات میں مبتلا
تنافسوها	ہوگے۔

آغازِ علالت

اس واقعہ کے بعد ہی صفر سنہ ۱۱ھ کے آخری ایام میں آپ ایک شب بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور اہلِ قبور کے لئے دعاء مغفرت کے بعد جب آدھی رات کو گھر واپس آئے تو دردِ سر اور تپ لاحق ہوگئے اور اس قدر ضعف طاری ہوگیا کہ حضرت علیؓ اور عباسؓ آپ کو پکڑ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے مگر اس حالت میں بھی نماز کے لئے باہر تشریف لاتے رہے اور پند و نصائح سے مومنین کے قلب روشن فرماتے رہے۔

ابن اسحاق اور واقدی کے مختلف اور مستبعد روایات

افسوس ابن اسحاق اور واقدی نے رسول کریم کے آخری ایام کے حالات کچھ اس طور سے مختلف البیان اور مستبعد روایت کئے ہیں،

جن سے وہ پاک منظر جب ختم الانبیاء فرض رسالت ادا کر کے گروہ خیرالامم سے رخصت ہو رہا ہے دھندلا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ خاص یہ ہے کہ ان راویوں کے نشو و نما ایسے وقت میں ہوئی جب حصول خلافت کے لئے اموی اور ہاشمی جوڑ توڑ کی زہریلی ہوا نے روایات کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ پھر ستم یہ ہے کہ یہی روایات اسلام کے دو مختلف فرقوں، سُنی اور شیعہ کے کتب مذہبی میں داخل ہو کر عقائد کی بنیاد ہو گئے ہیں جن سے انحراف کرنا اس فرقہ کے نزدیک دائرۂ دین سے خارج ہونا ہے۔

دین برحق نے جس شد و مد سے یہود و نصاریٰ کی افراط و تفریط اور غلو کی برائیاں قرآن پاک میں ظاہر کیں، اس کا منشا یہ ہے کہ اسلام کے متبعین تعصب، جنبہ داری اور تنگ خیالی سے دور ہو کر حق پسندی اختیار کریں اور صراطِ مستقیم پر قلب سلیم کے اشاروں پر چلیں۔ ہم کو چاہئے کہ اہل کتاب کی طرح جنہوں نے اپنے رہبین اور احبار کو بمنزلہ خدا سمجھ لیا تھا، اپنے رواۃ کو معصوم نہ سمجھیں اور ان کی شخصیت سے مرعوب نہ ہوں اور فرقہ پرستی سے خالی الذہن ہو کر نورِ فراست سے واقعات کو دیکھیں، اور پھر ان سے متاثر ہو کر سرگرم عمل ہوں ۔

تو علیؓ دانی و بو بکرؓ اے پسر | دز خدا و عقل و جانی بے خبر
ہمچو ایشاں جاں فشاندن پیشہ گیر | یا خموش و ترک ایں اندیشہ گیر (ریحانہ)

دو روایتیں اگرچہ راویوں کے متناقص بیانات نے آنحضرتؐ کے زمانۂ علالت کے واقعات کی ترتیب کو سخت پیچیدہ کرکے مبہم کر دیا ہے لیکن اس قدر بالاتفاق ثابت ہے کہ آپ تقریباً دو ہفتے علیل رہے اور اس مدت میں دو واقعے خاص طور سے قابل غور ہیں۔ اول جیش اُسامہؓ دوسرے حدیث قرطاس۔ جن کو ہم علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

(۱) **جیش اُسامہؓ** :- اس کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ کس طرح آنحضرتؐ نے دورانِ علالت میں رومی خطرے کے انسداد کے لئے حضرت اُسامہ بن زید کی سرداری میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر جس میں سات سو مہاجرین اور انصار شامل تھے تیار کیا۔ اس فوج کے ساتھ اکابر صحابہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و ابو عبیدہؓ بن الجراح وغیرہم کو بھی جس طرح سریہ ذات السلاسل میں عمل ہوا تھا روانگی کا حکم ملا۔ چنانچہ حضرت اسامہ لشکر اسلام لے کر مدینہ سے ایک فرسخ باہر مقام جرف میں اُترے۔ لیکن رسول اللہ کی اشتداد مرض کی خبر سے بے چین ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ اتوار کا دن تھا جس کے دوسرے روز آفتاب رسالت غروب ہوا ہے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ :-

اُسامہ کا بیان ہے کہ جب میں خدمت پاک میں حاضر ہوا،
حضور کو طاقتِ تکلم نہ تھی۔ دستِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا

کر میرے اُوپر رکھتے تھے۔ میں سمجھا آپ میرے واسطے دُعا فرمارہے
ہیں [1]

اس مُوثر واقعہ پر جو حاشیے تعصب اور غلو نے چڑھائے ہیں وہ کس قدر
افسوسناک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جیش اُسامہ سے تخلف کیا۔ مگر
یہ خیال نہیں ہوتا کہ رفیق غار رسول اللہ کو اس حالت میں دیکھتا ہے۔ پھر خود
سردار فوج روانگی ملتوی کرتا ہے۔ اس صورت میں تخلف کا الزام کیسے قائم
ہو سکتا ہے یہی وہ شیدائے رسول ہے جو جیش اُسامہ کو وفات رسالت مآبؐ
کے بعد ہی باوجود لوگوں کی مخالفت اور فتنہ ارتداد کے باعث مدینہ اور اہل اسلام
کی نازک حالت ہو جانے کے لشکر کو یوں رخصت کرتا ہے:۔

اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ابوبکر کی جان ہے
اگر میں طعمہ سباع بھی ہو جاؤں تب بھی لشکر اُسامہؓ کو حکم رسول
کے مطابق روانہ کروں گا۔ (طبری جلد سوم صفحہ ۶۱۲)

(۲) **حدیث قرطاس**:۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں کتاب العلم
باب الکتابتہ، کتاب الجہاد باب جوائز الوفد، کتاب المغازی باب مرض النبیؐ
کتاب الاعتصام باب کراہتہ الاختلاف، کتاب الجزیہ باب اخراج الیہود
کتاب المرضی باب قول المریض میں متعدد طرق سے مذکور ہے اور صحیح مسلم
میں باب ترک الوصیتہ میں تین طریقوں سے لیکن صحیحین کی تالیف سے پیشتر

---

[1] ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۴۶۴

ابن سعد نے طبقات میں ان سب طریقوں کو اور ان کے علاوہ بھی سب ایک جا جمع کر دیئے ہیں۔ (دیکھو طبقات جزء الثانی قسم الثانی صفحہ ۳۶)

صحیحین میں یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس سے سعید ابن جبیر اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے روایت کی ہے لیکن طبقات میں ابن سعد نے حضرت ابن عباس سے سعید اور عبیداللہ کے علاوہ عکرمہ سے بھی روایت کی ہے۔

حدیث قرطاس ابتدا ہی سے اسلام کے مختلف فرقوں میں ما بہ النزاع ہو کر اختلاف عقائد کی بنیاد بن گئی ہے جس کے باعث دور دراز کار بحثوں میں پھنس کر نہ ٹھنڈے دل سے غور ہوتا ہے اور نہ خالص تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم اس حدیث کو صحیحین اور طبقات ابن سعد کے متفقہ طرق سے نقل کرکے مشرح بیان کرتے ہیں :-

(۱)

اخبرنا حجاج بن	ہم سے حجاج بن نصیر نے اور ان
نصیر نا مالك بن مغول	سے مالک بن مغول نے روایت
قال سمعت طلحة	کی کہ انہوں نے طلحہ بن مصرف
بن مصرف یحدث عن	کو سعید بن جبیر سے حضرت
سعید بن جبیر عن	ابن عباس کو کہتے سنا کہ وہ

ابن عباس قال کان	فرماتے تھے جمعرات کا دن
یقول یوم الخمیس وما	اور کیا جمعرات کا دن اور سعید
یوم الخمیس قال وکانی	کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ
انظر الی دموع ابن	روایت کے وقت ابن عباس
عباس علی خدہ کانہا	کے رخساروں پر آنسو موتیوں کی
نظام اللولؤ قال قال	طرح ڈھلک رہے تھے، کہتے
رسول اللہ صلعم ائتونی	تھے، فرمایا رسول اللہ صلعم نے
بالکتف والدواۃ اکتب	میرے پاس دوات قلم لاؤ میں
لکم کتابا لا تضلوا بعدہ	تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے
ابدا قال فقالوا انما	بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ یہ سن کر لوگ
یھجر رسول اللہ صلعم	کہنے لگے رسول اللہ صلعم بہکی
(طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی ص۳۷ و مسلم جزو ثانی ص۴۲)	بہکی باتیں کہہ رہے ہیں۔

(۲)

حدثنا قبیصۃ قال	ہم سے قبیصہ نے روایت کی
حدثنا ابن عیینۃ عن	کہ انہوں نے ابن عیینہ سے
سلیمان الاحول عن	انہوں نے سلیمان الاحول سے
سعید بن جبیر عن ابن	انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں
عباس انہ قال یوم	نے ابن عباس سے روایت کی

الخميس وما يوم	کہ ابن عباس نے کہا کہ جمعرات
الخميس ثم بكى حتى	اور کیسی جمعرات پھر رونے یہاں
خضب دمعه الحصاء	تک کہ آنسوؤں سے سنگریزے
فقال اشتد برسول	تر ہوگئے کہنے لگے اس دن رسول
الله صلعم وجعه يوم	اللہ صلعم کو درد کی شدت ہوئی،
الخميس فقال ائتوني	فرمایا میرے پاس لکھنے کو لاؤ
بكتاب اكتب لكم كتابا	میں ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے
لن تضلوا بعده ابدًا	بعد کبھی گمراہ نہ ہو پس لوگ
فتنازعوا ولا ينبغي	جھگڑنے لگے، اور نبی کے پاس
عند نبي تنازع فقالوا	جھگڑنا مناسب نہیں پس لوگ
هجر رسول الله صلعم	کہنے لگے رسول اللہ بہکی بہکی
قال دعوني فالذي	باتیں کرتے ہیں پس آپ نے فرمایا
انا فيه خير مما تدعونني	مجھے چھوڑ دو میں جس ذوق میں
البہ بخاری کتاب الجہاد باب جوائز الوفد	ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس
ومسلم جزء ثانی صفحہ ۴۳ الطبقات جزء ثانی صفحہ ۳۶	کی طرف تم بلاتے ہو۔

(۳)

حدثنا ابراهيم بن	ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے
موسیٰ قال اخبرنا هشام	ان سے ہشام نے ان سے معمر نے

عن معمر عن الزھری
عن عبید اللہ بن عبد اللہ
عن ابن عباس قال لما
حضر النبی صلعم قال
وفی البیت رجال فیھم
عمر بن الخطاب قال صلعم
اکتب لکم کتابا لن تضلوا
بعدہ قال عمر ان النبی
صلعم غلبہ الوجع وعندکم
القرآن فحسبنا کتاب
اللہ واختلف اھل البیت
واختصموا فمنھم من

زہری سے ان سے عبید اللہ بن
عبد اللہ نے انہوں نے ابن عباس
سے روایت کی کہتے ہیں جب
نبی صلعم کی مفارقت کا وقت
آیا اور گھر میں مرد جمع تھے جن
میں عمر بن الخطاب بھی تھے[1]
آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں
ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد
گمراہ نہ ہو۔ عمر کہنے لگے رسولؐ
اللہ صلعم کو درد کی شدت ہے
اور تمہارے پاس قرآن ہے پس
ہم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ پھر

---

[1] سیرت النبی حصہ اول جلد دوم صفحہ ۱۷۴ فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ "جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں" حالانکہ بخاری کی اس روایت میں حضرت عمرؓ کا نام صاف درج ہے۔ قرائن اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ امت میں اختلاف پیدا ہو جانے سے بچے تھے۔ انہوں نے وہی بات کہی جو رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حدیث ثقلین میں بیان فرمائی تھی۔ ان کی نیت صاف تھی جس کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے عہد خلافت تک امت میں اختلاف پیدا نہ ہوا۔ اب جب کہ جھگڑوں کے ساتھ خلافت کا نام بھی مٹ گیا تو فریقین کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور اہل بیت سے تولا رکھیں۔

يقول قربوا يكتب لكم
رسول الله صلعم كتابا
لن تضلوا بعده ومنهم
من يقول ما قال عمر
فلما أكثروا اللغط والاختلاف
عند النبی صلعم قال
قوموا عنی قال عبید الله
فكان ابن عباس
يقول ان الرزية كل
الرزية ما حال بين
رسول الله صلعم وبين
ان يكتب لهم ذلك
الكتاب من اختلافهم
ولغطهم (بخاری کتاب اعتصام
باب کراہۃ الخلاف مسلم جز ثانی صفحہ ۴۰
طبقات جز ثانی قسم ثانی صفحہ ۳۷)

گھر والوں نے اختلاف کیا اور
جھگڑا کیا۔ بعض کہنے لگے لکھنے
کا سامان لاؤ رسول اللہ صلعم
تحریر لکھ دیں جس کے بعد پھر
گمراہ نہ ہو اور بعض وہی کہتے
تھے جو عمرؓ نے کہا، پس جب
آوازیں بلند ہوئیں اور نبی صلعم
کے پاس اختلاف بڑھا، آپ
نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ
جاؤ۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ ابن عباس
کہتے تھے کہ مصیبت پر مصیبت
یہ تھی جو حائل ہوئی رسول اللہ
صلعم کے درمیان اس چیز کے جو
ان کے لئے تحریر کی جاتی ان
کی جھگڑنے اور آواز کے بلند کرنے
کے باعث۔

مذکورۂ بالا اقتباسات کے نمبر ۱ و ۲ میں بیان واقعہ کے وقت حضرت عبداللہ
بن عباسؓ کا شدتِ بکا ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے جس کی طرف غور نہیں کیا

گیا، حالانکہ یہی وہ کلید ہے جس سے قفل حقیقت کھلتا ہے۔ حضرت ابن عباس
کا انتقال سنہ ۷۰ھ میں بمقام طائف ہوا، اور چونکہ سعید بن جبیر جنہوں نے
وقت روایت ابن عباس کو اشکبار دیکھا، سنہ ۴۸ھ میں پیدا ہوئے اس لئے
حدیث قرطاس کی سماعت کا زمانہ بارہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں یعنی سنہ ۶۰ھ
سے سنہ ۶۸ھ تک متعین ہوتا ہے۔ آؤ اب دیکھیں کہ سنہ ۶۰ھ سے سنہ ۶۸ھ تک
دنیائے اسلام کی کیا حالت تھی۔

دنیائے اسلام کی حالت

(سنہ ۶۰ھ سے سنہ ۶۸ھ تک)

آہ! یہ وہ زمانہ تھا جس کے تصور سے قلب تھراتا ہے، اور جگر کے
ٹکڑے ہوتے ہیں۔ سنہ ۶۱ھ میں یزید پلید خلیفہ رسول پاک بن کر خامس آل عبا
اور اس کی ذریت اطہر کو میدان کربلا میں شہید کرتا ہے اور ثقلین کی عظمت
خاک و خون میں ملتا ہے۔ پھر سنہ ۶۳ھ میں حرہ کا ہولناک واقعہ پیش آتا
ہے جس میں اس کی شامی فوجیں اس شہر کو جس نے رسول کریم کو پناہ دی تھی
تاخت و تاراج کرتی ہیں اور مہاجرین و انصار کو بے دریغ قتل کر کے مستورات
کی بے حرمتی اور مسجد نبوی کی توہین کرتی ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کر کے یہ لشکر
خونخوار عبداللہ ابن زبیرؓ کو مکہ معظمہ میں محصور کر کے بیت اللہ پر سنگباری
کرتا ہے۔ پھر سنہ ۶۴ھ میں یزید کے مرتے ہی طوائف الملوکی کا دور ہوتا ہے

اور ابن طرید یعنی مروان بن الحکم جس نے حضرت عثمانؓ کے زمانے ہی سے فتنہ پردازی شروع کر دی تھی خلیفۂ وقت بن بیٹھتا ہے، پھر اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو بہ کسریٰ و قیصر کے مطابق ولی عہد خلافت مقرر کر کے بیعت لیتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی آنکھوں کے سامنے یہ سب حوادث گزرے جن کی بنا، مذہب کی آڑ میں حصول دنیائے دنی اور اس کی چند روزہ حکومت تھی آپ اسی زمانے میں سعید بن جبیر سے حدیث قرطاس باچشم تریان کرتے ہیں۔

تعیین زمانہ کے بعد اب رسول اللہ کے ان الفاظ پر کہ دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ (حدیث نمبر ۲) غور کرو معلوم ہوتا ہے کہ تحریر وصیت کی خواہش بعض لوگوں نے کی تھی، تب آپ نے قلم دوات طلب فرمایا، لیکن جب دیکھا کہ لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تو کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا "میرے پاس سے اٹھ جاؤ" اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے تحریر چاہی تھی۔

رسول اللہ سے تحریری وصیت کی خواہش

کتاب المغازی باب وفات النبی میں زہری سے منقول ہے کہ رسول اللہ کے مرض الموت کے ایام میں حضرت عباس نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ہمارے خاندان میں مرتے وقت جو علامات نظر آتے ہیں وہ اب

میں رسول اللہ کے چہرے پر دیکھتا ہوں: اس لئے معلوم کرنا چاہئے کہ امر خلافت اگر ہمارے لئے ہے تو بہتر ورنہ کچھ وصیت کرالیں۔ حضرت علی نے ان کو یہ مسکت جواب دیا "واللہ میں رسول اللہ سے دریافت نہیں کروں گا۔ اگر آپ نے انکار کیا تو پھر لوگ ہمیں کیوں دینے لگے" یہ روایت ابن اسحاق اور طبری نے بھی نقل کی ہے۔

اب ایک دوسری روایت پر غور کرو۔ جب وفات رسول اللہ کے بعد ہی ثقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہوا تو ابوسفیان نے یہ سن کر حضرت علی سے کہا یہ کیا کہ امر خلافت قبیلہ قریش کے ایک چھوٹے سے خاندان میں چلا جائے واللہ اگر تم چاہو تو میں سواروں اور پیادوں کا لشکر ان کے مقابلے میں کھڑا کر دوں۔ جناب مرتضوی نے جو جواب دیا وہ سچے شیدائیان ملک وملت کے لئے دلیل راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ابوسفیان تم مدتوں اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے
بس اب رہنے دو۔ ہم ابوبکر کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں۔"

اس مکالمے کے متعلق دوسری روایت بھی سن لو کہ ابوبکر کی بیعت کی خبر سنتے ہی ابوسفیان نے کہا "اے آل عبد مناف کیا غضب ہے کہ ابوبکر تم پر حاکم ہو وہ دونوں مستضعف (بودے) عباس وعلی کہاں ہیں؟" پھر حضرت علی سے یوں خطاب کیا "ابوالحسن اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں" لیکن حضرت علی نے انکار کرتے ہوئے نہایت متانت سے یوں جواب دیا:

واللہ تم فتنہ ڈالنا چاہتے ہو۔ ابوسفیان اسلام کو تم نے بہت

ستایا، بس اپنی نصیحت رہنے دو۔[1]

مذکورۂ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات عباس و ابوسفیان امر خلافت کو خاندانی معاملہ سمجھ کر اس کے حصول کی فکر میں تھے، اس لئے واقعۂ قرطاس میں ان کی طرف سے پیش قدمی قرین قیاس ہے جس کی بندش حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر کی تھی۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلعم نے خلافت کے معاملہ میں کیا طرز عمل اختیار فرمایا تھا۔ یہ مسئلہ اسلام کے دو زبردست فرقوں سنّی اور شیعہ کے مابین ابتدا سے تفرقہ انداز، کشت و خون کا باعث اور تباہ کن ملت رہا ہے۔ سنّی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے وفات سے تین روز پہلے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے حکم دیا۔ چنانچہ بروایت واقدی سترہ وقتوں کی نماز آپ نے پڑھائی اس لئے عہدۂ خلافت حضرت ابوبکرؓ کو عطا ہوا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے حجۃ الوداع میں غدیر خم پر حضرت علیؓ کو بالاعلان خلیفہ اور وصی مقرر فرمایا۔ پھر واقعۂ قرطاس کے وقت چاہتے تھے کہ تحریری وصیت بھی لکھ دیں لیکن لوگوں نے غل شور مچایا اور کہنے لگے رسول اللہ شدت مرض میں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

افسوس! فریقین کے یہ اختلاف کبھی رفع نہ ہوں گے کل حزب بما

---

[1] طبری جزو ثالث صفحہ ۲۰۲

لد بہم فرحوت لیکن ارباب تحقیق اس نکتہ کو دور کریں۔

نکتہ نبوت کے تیرھویں سال قبائل اوس و خزرج کے چند سرداروں نے آنحضرت کو اپنے شہر میں تشریف لانے کی دعوت اور دشمنانِ دین کے مقابلے میں نصرت وحمایت کا عہد کیا۔ چنانچہ آپ نے تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وطن مالوف کو ترک کرکے مدینہ میں ہجرت فرمائی لیکن وہاں بھی کفار قریش نے چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور جنگ شروع کردی۔ تب آنحضرت نے بحکم خداوندی حفاظت اسلام کے لئے تلوار اٹھائی اور چند سال تک خونخوار قریش، فتنہ پرداز یہود اور جنگ جو قبائل عرب سے جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طور سے منصب رسالت کے ساتھ آپ کو فرائض حکومت بھی سرانجام دینا پڑے لیکن اس کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ مدینے کے بادشاہ ہوگئے اور یہ کہ آپ مثل بادشاہوں کے اپنی ولی عہدی کا خود فیصلہ فرمائیں بحیثیت نبوت آپ کا کوئی جانشین ہوسکتا ہی نہ تھا۔ اب رہی حکومت وہ ضمناً حاصل ہوئی تھی اور اس کا انتظام بھی ضمنی تھا۔ انبیائے ماسبق کے جو خلفا تھے وہ بجائے خود نبی تھے مثلاً حضرت موسیٰ کے جانشین یوشع نبی تھے حضرت داؤد کے ولی عہد حضرت سلیمان پیغمبر تھے علیٰ ہذا القیاس یہ صورت آنحضرت کے ساتھ وابستہ نہ تھی کیونکہ نبوت آپ پر ختم ہوچکی تھی۔

علاوہ اس کے آپ نے اپنی وہ پر درد حالت جس میں ہجرت کی تھی اور انصار کی وہ جوشیلی حمایت ونصرت کبھی فراموش نہیں فرمائی۔ اس کا اظہار

ایک موقع پر اپنی غزوۂ حنین میں تقسیم غنائم کے وقت، جب کہ انصار رنجیدہ
تھے نہایت موثر طریقے پر ہوا ہے (جیسا کہ ہم غزوۂ حنین میں لکھ چکے ہیں)،
ایسے جذبات کا اقتضا یہ تھا کہ امر خلافت میں آپ انصار کو مختار رکھیں،
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد ہی سب سے پہلے انصار نے ثقیفہ
میں جمع ہو کر اپنا ایک حاکم منتخب کرنا چاہا اور ان کو اس کا حق بھی تھا۔ اگر
واقعی رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرمایا ہوتا تو جاں نثار انصار
سرتابی نہ کرتے اور اس موقع پر وہ آگے نہ آتے۔ اور پھر تعجب تو یہ ہے، کہ
مہاجرین کی طرف سے ثقیفہ میں نہ حضرت عمرؓ نے نہ کسی اور صحابی نے زبان
کھولی کہ بھائیو! یہ کیا غضب ہے، رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ
مقرر فرما دیا ہے اب یہ جدید کارروائی کیسی؟

ابن اسحاق نے محمد ابن قاسم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ
نے اپنی وفات کے وقت امر خلافت میں یوں فرمایا،

ان استخلف فقد	اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو
استخلف من ھو خیر	جو مجھ سے بہتر تھے (ابوبکرؓ)
منی وان اترکھم	انہوں نے خلیفہ بنایا تھا اور
فقد ترکھم من ھو	اگر میں کسی کو نہ بناؤں تو جو مجھ
خیر منی فعرف	سے بہتر تھے (رسول اللہؐ)،
الناس ان رسول اللہ	انہوں نے کسی کو نہیں بنایا،

صلی اللہ علیہ وسلم — اس قول سے لوگوں کو معلوم ہو
لم یستخلف احدا۔ — گیا کہ رسول اللہ صلعم نے کسی کو
(ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۶۵) — اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

خداوندی وعدہ استخلاف اور اس کا کرشمہ

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ نے کسی کے واسطے خلافت کی تخصیص نہیں کی آپ کو وعدہ الٰہی پر پورا بھروسہ تھا۔ حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن پاک کی حفاظت کا ارشاد فرمایا تھا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ — بے شک ہم نے قرآن اتارا ہے
وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ — اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں

اسی طرح وعدہ استخلاف مومنین صالحین کے لئے کیا تھا کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا — وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو
مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ — ایمان لائے تم میں سے اور
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ — نیکیاں کیں کہ البتہ خلیفہ بنا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ — دے گا ان کو زمین پر جیسے ان
مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ — سے پہلے خلیفہ بنایا تھا اور محکم
لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي — کر دے گا دین ان کا جو اس
ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم — نے پسند کیا اور البتہ بدل دیگا

مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا	اُن کے خوف کو امن میں، میری
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ	عبادت کرو اور نہ شریک کرو
بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ	میرے ساتھ کچھ اور جو اس
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	کے بعد ناشکری کرے وہی
الْفٰسِقُوْنَ (سورۂ نور)	فاسق ہیں۔

یہ اسی وعدۂ الٰہی کا کرشمہ تھا جو سب سے پہلے ثقیفہ میں نظر آیا۔ دیکھو انصار کس فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے مہاجرین میں سے جن کو انہوں نے اپنے شہر میں پناہ دی تھی خلیفہ قبول کر لیتے ہیں۔ پھر حضرت علی شیر خدا باوجودیکہ آپ کے حقوق مرجح تھے اور سردار قریش ابو سفیان اگر ارادت اور محبت کی وجہ سے نہیں تو محض خاندانی عصبیت کے لحاظ سے اُس وقت آپ کی بیعت اور امداد پر آمادہ تھا، ثقیفہ کی فوری اور اصول آئین کے لحاظ سے بے قاعدہ کارروائی کو تسلیم کر کے کمال ایثار اور کسر نفسی کا اظہار فرماتے ہیں، اور اسلام میں فتنہ پیدا نہیں ہونے دیتے۔

وعید الٰہی کے عبرتناک نتائج

غرض کہ یہ وعدۂ الٰہی کا کرشمہ تھا جو خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں صدق وعدل وحلم وعلم کا جلوہ دکھا کر اور اسلام کی دینی اور دنیوی حکومت کو اوج کمال پر پہونچا کر ختم ہو گیا جس کے بعد آیات مذکورہ بالا میں وعید الٰہی ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون کا ظہور واقعہ تحکیم سے شروع

ہوا، اور آل ابوسفیان پھر مروان اور آل مروان نے بوریئے خلافت کو اُلٹ کر مسندِ حکومت بچھائی۔ تب خلافت خلافت نہ رہ کر کسرویت اور قیصریت میں مسخ ہوگئی۔ پھر یہی نام نہاد خلافت تھی جو اموی، عباسی، فاطمی اور ترکان آلِ عثمان کے اچھے اور بُرے حاکموں کے عروج و زوال کا مرقع کھینچ کر آخر اس چودھویں صدی میں تقویم پارینہ بنا دی گئی۔

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

کس میں یہ جرأت ہے پوچھے جو اے نبیؐ
دیر کیوں آباد ہے؟ کعبہ ہے ویراں کس لئے؟

رحمۃ للعالمیں ذلت کی اب حد ہو چکی
جوش میں آتا نہیں رحمت کا عماں کس لئے؟

کفر کی ظلمت پہ گر غالب نہیں آتا ہے اب
ملتِ بیضا کا ہے مہر درخشاں کس لئے؟

"انتم الاعلون" بے شک سچ ہے کچھ سمجھے مگر
شرط "ان کنتم" کی ہے اے اہلِ ایماں کس لئے؟

کچھ خبر بھی ہے حکومت پر جو نازاں آج ہیں
سینۂ مسلم میں ہے محفوظ قرآں کس لئے؟

شیوۂ تسلیم ہے نوآب ملت کا شعار
ورنہ پھر کہلائیں دنیا میں مسلماں کس لئے؟

ثقلین کا سفینۂ نجات

آہ! یہ سب کچھ ہوا اور ہوتا رہے گا سیلِ تاتار سر سے گزر گئی شاخِ طلا کی، بہار رخصت ہوگئی۔ ممکن ہے۔

"خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد"

کا نیا رنگ جمے۔ غرض کہ تاریخ اپنا سبق دہراتی رہے گی لیکن انقلاب عالم اور طوفان حوادث میں ثقلین کا سفینۂ نجات نہ ڈوبا ہے نہ ڈوبے گا۔

حدیث قرطاس کو کاغذی پیرہن فرقہ پرستی کے سر مارو۔ آؤ! وصیت رسول کریم کے مطابق ثقلین یعنی کتابُ اللہ اور اہل بیت کی حرمت و عظمت اور اطاعت و محبت کے انوار سے اپنے قلوب کو روشن رکھیں۔

آفتابِ رسالت کا غروب ہونا

(سنہ ۱۱ھ)

واقعۂ قرطاس کے بعد یعنی شب جمعہ سے آنحضرتؐ کی حالت زیادہ غیر ہونے لگی اور تین دن تک یہی کیفیت رہی۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اتوار کو جب اسامہ بن زید لشکرِ اسلام کو حرکت میں چھوڑ کر رخصت کے واسطے حاضر ہوئے تو اس وقت آنحضرتؐ کو طاقتِ تکلم نہ تھی۔ اُسامہ کو دیکھ کر آسمان کی طرف دستِ مبارک دعا دینے کے لئے اُٹھائے۔ دوشنبہ کو افاقۃ الموت کی حالت پیدا ہوئی۔ بخاری کتاب المغازی باب وفات النبی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

دوشنبہ کو حضرت ابوبکرؓ نمازِ صبح باجماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگہاں آنحضرتؐ نے حجرۂ عائشہؓ کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو مشغولِ نماز دیکھ کر تبسم فرمایا:

غارِ حرا میں خدائے واحد کی عبادت کا جو پاکیزہ اور عدیم النظیر طریق آپ کو غیب سے تعلیم ہوا تھا وہ ۲۳ سال کی جدوجہد کے بعد جب آپ فردوس بریں کو تشریف لے جا رہے تھے کیونکر نہ جنت نگاہ ہو کر باعث مسرت ہوتا اس

دل خوش کن نظارہ کو دیکھنے کے بعد آپ نے پردہ چھوڑنا چاہا لیکن ضعف اس قدر تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح سے نہ ڈال سکے۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا دنیا تاریک ہوتی جاتی تھی۔ آفتاب رسالت کسوف میں مبتلا تھا۔ کرب و بے چینی بڑھی اور بار بار غشی طاری ہونے لگی۔

سرہانے پانی کا پیالہ رکھا تھا دستِ مبارک اس میں ڈالتے تھے اور منہ پر پھرا لیتے تھے۔ پھر زبان پاک سے فرماتے

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ان للموت سکرات!"

آخری وصیت آخر وقتِ وداع قریب آیا، حق اللہ اور حق العباد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لبِ جاں بخش کو یوں جنبش ہوئی:

الصلوٰۃ وَمَا مَلَکَتْ	نماز کی پابندی کرو اور لونڈی
اَیْمَانُکُمْ	غلاموں کا خیال رکھو۔

ابن سعد حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

ان کعب الاحبار	کعبؓ الاحبار عمرؓ کے زمانہ
قام زمن عمر فقال	میں جب کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے
ونحن جلوس عند	کھڑے ہوکر کہنے لگے امیر المومنینؓ
عمر امیر المومنین	رسول اللہ صلعم کا آخری کلام
ماکان اٰخر ما تکلم بہ	کیا تھا۔ عمرؓ نے کہا علیؓ سے پوچھو

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷

رسول اللہ صلعم
فقال عمر سل علیا
قال این ھو قال ھوھنا
فسالہ فقال علی اسندتہ
الی صدری فوضع راسہ
علی منکبی فقال الصلوٰۃ
الصلوٰۃ فقال کعب کذلک
آخر عھد الانبیاء وبہ
امروا وعلیہ یبعثون۔
(طبقات جزء ثانی قسم ثانی صفحہ ۵۱)

بولے وہ کہاں ہیں۔ کہا وہ
بیٹھے ہیں۔ پس ان سے دریافت
کیا۔ علیؓ نے جواب دیا رسول
اللہ نے میرے سینے پر تکیہ
لگایا پھر سر مبارک میرے کندھے
پر رکھا، اور فرمایا "نماز،
نماز" کعب بولے انبیاء کا
یہی آخر عہد ہوتا ہے۔ اور یہی
انہیں حکم دیا جاتا ہے اور اسی
پر وہ قیامت میں اٹھیں گے۔

کچھ شک نہیں کہ مذہب کی جان نماز ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ پر ایک غائر نظر ڈالو۔ صاف نظر آئے گا کہ آداب و شعائر کے پردے میں یہی جذبہ مناجات جلوہ گر ہے۔ جو بعد کو توہمات اور رسمیات کے پھندے میں پھنس جانے سے مسخ ہو گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے ہندوستان میں رگ وید کا راگ گایا، لیکن بعد کو برہمنوں کے منتروں اور قربانیوں کے خون آلود وحشیانہ رسموں میں سلب ہو کر محض الفاظ کا گورکھ دھندا رہ گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے ایران میں گتھا کا سرود سنایا، لیکن بعد کو موبدوں

کے زمزموں میں فقط زیروبم ہو کر رہ گیا۔

یہی جذبہ تھا جس نے قدس کی پہاڑی میں زبور کا نغمہ گایا لیکن بعد کو کاہنوں اور راہبوں کے مزامیر میں اُلجھ کر رہ گیا۔

ہاں یہ وہی جذبہ ہے جو خاتم النبیین کی زبانِ پاک سے سارے عالم کے لئے "عماد الدین" اور "معراج المومنین" بن گیا، اور یہی آپ کی آخری وصیت تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

مرقع رسالت

بجلی کی تیز روشنی میں کام کرنے سے بصارت پہ جو اثر پڑتا ہے اس کو حضرت اکبرالہ آبادی نے تہذیب جدید سے تشبیہ دیتے ہوئے یوں ادا کیا ہے ؎

روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

بیسویں صدی میں بانیانِ مذاہب کے ساتھ برتاؤ

یہی حالت اس بیسویں صدی میں یورپ کی علمی اور ذہنی ترقیوں کا ہے کہ اگرچہ دماغ روشن ہو گیا ہے لیکن نور قلب رخصت ہو رہا ہے کہ معلومات اگرچہ قارون کا خزانہ بن گئی ہیں لیکن حق پسندی خاص کر بانیانِ مذاہب کے حالات کے مطالعے کے وقت کافور ہو رہی ہے۔ اس دعوے کی تائید میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثال اوّل

بنے سانگلے نے اس صدی کے آغاز میں علم الامراض اور علم النفس کی روشنی میں اناجیل اربعہ کا مطالعہ کر کے ایک کتاب "لافولی دے جیزس تین جلدوں میں لکھی۔ جو تصویر اس معصوم نبی اللہ کی اس مردک نے کھینچی ہے اور جس کو جرمنی کے مشہور پروفیسر وائیل نے اپنی کتاب جیزس میں نقل کیا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

یسوع کا اپنے والدین کو چھوڑ کر پھرنا ایک مثال ہے اُس
آوارگی کی جو بلوغ کے وقت اکثر پیدا ہو جاتی ہے لوگ بعد کو کہنے لگے
کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے (مرقس باب ۳) یسوع نے کوئی اولاد نہیں
چھوڑی یہ یقینی ہے کہ آپ کی کوئی بیوی نہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی داشتہ بھی نہ تھی۔ حقیقت میں آپ کا سارا خاندان جلد دنیا سے
رخصت ہو گیا۔ یسوع میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنی صلیب لے کر چلتے،
اُن کی موت ربّانی نہ تھی، اور سقراط کی موت کے مقابلے میں ادنیٰ ہے
یسوع کے خیالات پر جب نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی
حیثیت سے ان میں کوئی جدّت نہیں ہے بلکہ جن دھوکوں اور وہموں
میں وہ مبتلا تھے اس کا یقین ہو جاتا ہے: (باب ہشتم صفحہ ۳۱۶)

یہ ہیں ان مدعیانِ علم کی "نکتہ سنجیاں" نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ هَفَوَاتِهِمْ!

مثالِ دوم ڈاکٹر مارگولیوث آکسفورڈ میں عربی کے پروفیسر تاریخ اسلام
کے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور نقادی کا یہ حال ہے کہ سر ولیم میور
کی کتاب "لائف آف محمد" کو مسیحیت کی کھلی جنبہ داری قرار دے چکے ہیں لیکن جب
خود سیرت نبوی پر قدیم ماخذ ابن اسحاق کے حوالوں سے ایک مضمون انسائیکلو پیڈیا
آف ریلیجن جلد ہشتم صفحہ ۸۷۰ میں لکھتے ہیں تو یوں "دادِ تحقیق" دیتے ہیں:

غزوات و سرایا خاص کر سریہ نخلہ اور غزوۂ بدر کے واقعات سے آپ یہ نتیجہ
نکالتے ہیں کہ "جبار مدینہ ایک قزاق سردار تھا؛ غزوۂ حنین میں تقسیم غنائم کے وقت

انصار کا واقعہ یوں تعبیر ہوتا ہے کہ آپ کی تقسیم سے صحابیوں کے خیالات متعلق انصاف کو تسلی نہیں ہوتی تھی:

تعدد ازدواج سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آپ بے روک ٹوک عیش پرست تھے اور چاہتے تھے کہ صحابہ بھی ایسی ہی خواہشات پوری کریں:

سورۂ والنجم میں تلک الغرانیق والا قصہ پڑھ کر مارگولیوث کو یہ کہتے ہوئے کچھ پس و پیش نہیں کہ "ممکن نہیں کہ کوئی عقیدہ ایسا نکلے جس کے چھوڑنے کے لئے آپ تیار نہ ہو جائیں بشرطیکہ کوئی سیاسی غرض حاصل ہوتی ہو":

واقعہ حدیبیہ میں صلح نامے پر صرف محمد ابن عبداللہ لکھے جانے پر مارگولیوث نے جو نتیجہ نکالا ہے اور جیسی داد تحقیق دی ہے سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں کہ "اپنی زندگی میں اکثر موقعوں پر آپ توحید اور اپنے دعوئے رسالت کو چھوڑ دیتے تھے:

العلم حجاب الاکبر — یہ ہے دروغ بافیوں کا کمال۔ سچ ہے اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ۔

مذکورہ بالا مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج کل نفسیانیت کا بھیڑیا تحقیق کے بھیڑیے کی کھال اوڑھ کر کس طرح اپنا کام کر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ جادو چل نہیں سکتا۔ "برنارڈ شا" ہمارے زمانے کا مشہور نکتہ سنج سچ کہتا ہے:

"ضمیر انسانی کے سامنے ایسی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جو ابسن، ویگنر، ٹالسٹائی، رسکن اور وکٹر ہیوگو ایسے مشاہیر کو ایسے پاجیوں کے برابر کر دے جن سے قید خانے اور پاگل خانے آباد ہیں:

ہم اس مقولے میں یوں تصرف کر کے کہتے ہیں:

"قلب سلیم کے سامنے ایسی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جو پیشوایان دین کو جن کے نام پر کروڑوں نفوس جان دینے کو تیار ہیں ایسے ناپاکوں کے برابر کر دے جن سے اوباشی کے گلی کوچے اور سیاسی چال بازیوں کے مغربی ایوان آباد ہیں۔"

حجاب علم کی سیہ کاریاں دیکھیں، آؤ اب نور قلب کی فضا میں مرقع رسالت کا جلوہ دیکھو۔ یہ مرقع اُس وقت کھینچا گیا ہے جب نہ ابن اسحاق پیدا ہوئے نہ زہری۔ رسالت کا ۲۳ سالہ عہد مبارک ختم کے قریب تھا اور خاتم النبیین دین کی تکمیل کے بعد دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔

لقد جاءکم الآیہ کے لطائف

مشہور صحابی ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ قرآن کا حصہ جو سب سے آخر نازل ہوا، وہ سورۂ توبہ کی یہ دو آخری آیتیں ہیں:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ	بے شک آ چکا تم ہی میں سے ایک
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ	رسول، اس پر شاق ہے کہ تم
مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ	تکلیف اٹھاؤ۔ تلاش رکھتا ہے
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ	تمہاری ایمان والوں پر شفقت
رَّحِيْمٌ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا	رکھنے والا مہربان۔ پھر اگر وہ پھر
فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ	جائیں تو تو کہہ بس ہے مجھے اللہ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ	کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (سورۂ توبہ) اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی ہے صاحب عرش عظیم کا۔

رسول کا مفہوم تشبیہہ شاعری کا حسن ہے۔ لیکن دنیائے مذہب میں اس قسم کے متشابہات گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ دیکھو عہد عتیق کتاب ہوشع ۱۱ میں خداوند یہواہ کہتا ہے:

"میں اپنے فرزند اسرائیل کو مصر سے نکال لایا"

اس رافت و رحمت خداوندی کے تصور سے حضرت مسیح یہود کو تعلیم دیتے وقت خداوند یہواہ کو، "آسمانی باپ" کہہ کر یاد کرتے ہیں جس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح باپ اپنے سرکش فرزند کو تادیب کے طور پر سزا دیتا ہے اسی طرح خداوند یہواہ نے جو دنیاوی مصیبتیں یہود پر اُن کی شامت اعمال کے باعث نازل کیں وہ شفقت پدرانہ کے طور پر ہیں نہ انتقام و قہر محض اس لئے اُسی کے دامن رحمت میں چھپنا چاہئے اور اُسی سے تضرع و زاری کے ساتھ دعا مانگنا چاہئے۔ لیکن دیکھو نصاری نے اس موثر تشبیہہ کے مفہوم میں کیسی غلطی کی کہ جوشش غلو میں حضرت مریم کو "مادرِ خداوند" اور اُس پیغمبر معصوم کو خدائے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کا اکلوتا بیٹا سمجھ کر پرستش کرنے لگے اور تثلیث کے قائل ہو گئے۔

لفظ رسول کے مفہوم میں بھی اقوام عالم نے اسی طرح غلطی کی، اور ان قدسی نفوس کو جو مہبط وحی (جس کی تشریح ہم اس کتاب میں اُوپر کر چکے ہیں)، تھے صفات بشری سے بالاتر تصور کر کے خدائی کے درجے پر پہونچا کر حلول اور اتحاد

کے قائل ہوگئے۔ پھر اُن کے متعلق ایسی دُور از کار روایتیں اور عجیب و غریب داستانیں مشہور ہوگئیں کہ جب مکہ میں آنحضرت نے دعوائے رسالت کرکے تبلیغ دین شروع کی تو رسول کے اس غلط مفہوم کی دُھن میں کفار کہنے لگے:

"یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے۔ بازاروں میں پھرتا ہے

تلاش معاش میں سرگرداں ہے۔ نہ کوئی فرشتہ اُس کے ساتھ ہے

نہ سونے کا محل رکھتا ہے۔ آسمان پر چڑھ کر کتاب کیوں نہیں لاتا کہ

ہم پڑھیں اور ہاں جب ہم منکر ہیں تو خدا اور فرشتوں کو ہمارے

مقابلے میں کیوں نہیں لاکر کھڑا کر دیتا، اور آسمان ہم پر کیوں نہیں

گرا دیتا۔" (سورۂ بنی اسرائیل)

یہ غلط فہمیاں یہ اوہام اس وقت دفع ہوئے جب ۲۳ سال کے اندر ہی جسے وہ بشر جان کر کچھ دھیان میں نہیں لاتے تھے اُن کو فلاح دارین کی صراطِ مستقیم دکھا کر ترقی کے آسمان پر پہونچا دیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور حقیقت سے پردہ اُٹھتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

بے شک یہ نفس انسانی ہے جس کی ماہیت سمجھنے اور اس کے روحانی ارتقا پر ایک غائر نظر ڈالنے سے رسالت کا مفہوم آئینہ ہوتا ہے۔ کیسے دیوتا اور اُن کی دیومالائیں، کیسے اوتار اور ان کی خواب آور داستانیں، کیسا خدا کے روبرو بیٹھ کر باتیں کرنے والا اور اُس کے افسانے، کیسا ابن اللہ اور اس کے مافوق العادۃ

کرشمے، یہ سب کے سب بشر تھے اور اقوام عالم کے لئے اپنے اپنے زمانوں میں
رب العالمین کے سچے رسول تھے جن کا پیغام بس یہ تھا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

رسول کے مختص صفات

رسول کے مفہوم کو سمجھانے کے بعد اب اس رسول
کے مختص صفات جن کا جلوہ ۲۳ سال کی
مدتِ رسالت میں نظر آتا رہا یوں بیان ہوتے ہیں، عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

اصول اسلام عالم کے لئے باعثِ رحمت ہیں

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے اس
لئے اس کے عملی اظہار کے لئے فطرتِ انسانی
کا لحاظ چاہیئے ورنہ تکلیف بالا یطاق ہے۔
کیوں کہ پھر مذہب رسوم وقیود کا گورکھ دھندا اور وساوس اور اوہام کا مجموعہ بن
جاتا۔ تعلیمات نبوی پر ایک غائر نظر ڈالو۔ دیکھو مذاہبِ عالم کے مقابلے میں اسلام
مذہب فطرت اور دین یسیر ہے۔ وہ فخر بنی آدم فطرتِ انسانی کا گہرا مبصر اپنے
ہم جنسوں اور مخلوقِ الٰہی کا سچا ہمدرد اور ان کو ایمان کا راستہ دکھانے کے لئے
سفر و حضر، صلح و جنگ، صحت و علالت ہر حالت میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا،
اس کی رافت و رحمت نہ صرف اُس کی مقدس زندگی میں یگانہ و بیگانہ سب
پر مبذول رہی بلکہ ایسے اصولوں کی تعلیم میں (جن کی تشریح ہم خطبۂ حجۃ الوداع

میں کر چکے ہیں، جلوہ گر ہے جو اپنی ہمہ گیری اور ہر قوم اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہونے کے سبب سے باعثِ رحمت ہیں۔

حضرت مسیح نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:

"جب فارقلیط آئے گا تو وہ دنیا کو ان کے گناہوں پر متنبہ کرے گا نیکی کی تعلیم دے گا اور فیصلہ سنائے گا"

(انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۸)

قرآن مجید سورۂ الصف میں اسی پیشین گوئی کا حوالہ ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ	اور جس وقت کہ کہا عیسیٰ بیٹے مریم
مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	کے نے اے بنی اسرائیل تحقیق میں
اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ	رسول خدا کا ہوں۔ طرف تمہاری
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ	ماننے والا واسطے اس چیز کے کہ آگے
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا	میرے ہے توریت سے اور خوشخبری دینے
بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی	والا ساتھ اس پیغمبر کے کہ آئیگا پیچھے
اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ	میرے نام اس کا احمد ہے۔

دورِ مکی و مدنی کی خصوصیات

رسولِ برحق محمد مصطفٰے احمدِ مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دورِ مکی میں جس کی مدت ۱۳ سال تھی دنیا والوں کو ان کے گناہوں پر متنبہ کیا اور نیکی کی تعلیم دی۔ دورِ مدنی میں جس کی مدت دس سال تھی قیامت تک قائم

رہنے والے ربانی فیصلے سنائے ۔ نہ صرف سنائے بلکہ عملی حیثیت سے سمجھائے۔ مخالفین اسلام خاص کر عیسائی کہتے ہیں کہ وہ جو مکہ میں رسول تھا مدینہ میں بادشاہ بن بیٹھا۔ کاش یہ کوتاہ بیں متعصب غور کرتے کہ یہ وہ رسول برحق تھا جو انسان کی فطری قوتوں کی اصلاح اور تزکیہ کے لئے آیا تھا تاکہ وہ درجۂ کمال پر پہونچ کر نیابتِ الٰہی کے فرائض زمین پر ادا کرے۔ ایسے رسول کی بادشاہت حقیقی معنی میں آسمانی بادشاہت تھی جس میں نہ قیصریت تھی نہ کسرویت، سراپا للّٰہیت تھی اور بس۔

آج دنیا میں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان اقتصادی کش مکش اور آبادیوں میں اقلیت واکثریت کے جھگڑے اس سرائے فانی کو نمونۂ جہنم بنا رہے ہیں۔ دو خوں خوار عالم گیر جنگیں نسل انسانی کو تباہ و برباد کر چکی ہیں اور اب تیسری ہولناک ایٹم بموں کی سائنٹیفک لڑائی کے لئے تیاریاں اس کرۂ ارض پر قیامتِ صغریٰ قائم کرنے کو ہیں۔

جنگ اول کے خاتمے پر جب صلح عالم کے لئے "لیگ آف نیشنز" قائم ہوئی تھی تو علامہ اقبال نے برجستہ کہا تھا ؎

من ایں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

آخر وہی ہوا، کفن چور سینہ زوری سے مہذب ڈاکو بن گئے اور دوسری ہولناک جنگ عالم چھڑ گئی۔ جس کے خاتمے پر اب مجلس یو نو قیام امن وامان کے لئے

قائم ہوئی ہے لیکن اب بھی انصاف کا خون ہو رہا ہے۔ کاش بندگانِ ہوا و ہوس وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی کی تعلیمات پر جو آج بھی اپنی اصلی نورانی حالت میں لَا رَیْبَ فِیْہِ، کتابِ الٰہی میں محفوظ ہیں غور کریں ؎

ہے بشر میں شر مگر خیر البشر صلی علیٰ
دے گئے ہیں اک کتاب ایسی جو ہے خیر الکلام
بین الاقوامی قواعد کے لئے محکم اصول
سرچ لائٹ حق کی ہے انصاف کا مادہ تمام
تزکیہ کی جان ہے یہ روح یہ حکمت کی ہے
ہے فلاحِ دین و دنیا کے لئے کامل نظام
یہ ہے فرقاں یہ ہے رحمت یہ ہدیٰ لاریب فیہ
امنِ عالم کے لئے ہے ایک نورانی پیام

جس قدر قرآن پاک دورِ مدنی میں نازل ہوا اس میں سب سے بڑا حصہ احکام کا ہے متعلق بہ عبادات و معاملات، نماز پنجگانہ باجماعت، اقامت جمعہ و عیدین، صوم رمضان، احکام زکوٰۃ و حج، عورتوں کے حقوق، نکاح و طلاق وغیرہ، قواعد میراث، شراب جوا سود وغیرہ کی حرمت، اہل کتاب اور مشرکین کے ساتھ طرزِ عمل کی نوعیت، آدابِ محفل تدبیر منزل، حقوق العباد، سیاست مدن اور نیابتِ الٰہی کے اصول اور طریق استعمال، غرض کہ دین کی تکمیل اسی مدنی دور میں ہوئی۔

دورِ مدنی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں جہاد کیا گیا لیکن جہاد دورِ مکی میں بھی تھا اور دورِ مدنی میں بھی۔ لوگ جہاد کے معنی قتال اور دشمنانِ دین سے لڑائی سمجھتے ہیں حالاں کہ جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے جس کے معنی لغت میں محنت اور کوشش کے ہیں اور اصطلاحی معنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے حاضر رہنا ہے۔ سورۂ فرقان قدیم مکی سورۃ ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

فلا تطع الکافرین	تو کافروں کا کہنا مان اور
وجاھدھم جھادًا کبیرا	ان کے ساتھ جہاد کر بڑا جہاد

دیکھو اُس وقت لڑائی کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ یہاں جہاد کے معنی قتال کے نہیں بلکہ قرآن کی تبلیغ کے لئے جدوجہد ہے۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں جو مکی ہے جہاں قتال کا حکم نہیں ہوا تھا ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا	اور جنہوں نے ہمارے لئے جدوجہد
لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔	کی ہم ان کو اپنے راستے دکھائیں گے

بے شک نفس سے جہاد کرنا خواہ بزم ہو یا رزم اور ہر حال میں اس کو خدا کی راہ میں لگانا جہادِ اکبر ہے۔ سچا مسلم وہ ہے جس کی ساری زندگی جہاد ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ	بے شک میری نماز میری قربانی
وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ	میرا جینا میرا مرنا سب اللہ کیلئے

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ ہے جو سب عالموں کا پروردگار ہے

دورِ مدنی میں شانِ رسالت کا یہ جلوہ بھی دیکھو۔ امام غزالی احیاء العلوم باب زہد میں لکھتے ہیں کہ :

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک دن آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے عرض کی کہ اب جب کہ روم و عجم فتح ہو چکے ، جب لوگ ملنے آئیں تو آپ نرم اور باریک کپڑے اس گدڑی کے عوض پہن لیا کیجئے اور کچھ کھانے کے واسطے فرما دیا کیجئے کہ آپ بھی اور دوسرے بھی کھائیں ۔ حضرت امیرالمومنین نے فرمایا : " حفصہ تم کو معلوم ہے کہ مرد کا حال اس کی بی بی کو زیادہ معلوم ہوتا ہے " ۔ انہوں نے کہا درست ہے ۔ تب آپ نے کہا " میں تم سے بقسم پوچھتا ہوں کہ بھلا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم اتنے برس نبی رہے اور کبھی آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے دن کا کھانا سیر ہو کر نہ کھایا مگر کہ رات کو بھوکے رہے ۔ اور رات کو کھایا تو دن کو بھوکے رہے ۔ تم جانتی ہو کہ ایک دن تم نے رسول اللہ صلعم کے سامنے دستر خوان بچھایا کہ وہ کچھ اونچا تھا ، یہ امر آپ کو ناگوار ہوا ۔ کھانا زمین پہ رکھوایا اور فرمایا میں ایک بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاؤں گا ۔ اور تم جانتی ہو کہ رسول اللہ ایک کمبل کو دوہتہ کر کے اس پر سویا کرتے تھے ۔ ایک رات چار تہہ کر لیں صبح کو آپ نے فرمایا اس کی نرمی شب بیداری کو مخل ہوئی ، اب آئندہ

وہی دو تہہ رہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ اپنے کپڑے دھونے
کے واسطے اُتارتے اور دھو کر پھیلاتے اتنے میں حضرت بلالؓ نماز کی
اطلاع دیتے تو آپ کے پاس دوسرا کپڑا نہ ہوتا تھا کہ اس کو پہن کر
نماز کو نکلتے۔ اور تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ کے لئے ایک عورت بنی
ظفر میں سے دو چادریں بنا رہی تھی۔ ایک اس نے پہلے بھیج دی آپ
اسی کو تہمد اور چادر بنا کر اور گردن کے پاس گرہ لگا کر نکلے اور اسی
طرح نماز پڑھی۔ حضرت حفصہؓ اس قدر سن کر رونے لگیں اور حضرت
عمرؓ بھی دہاڑیں مار کر رونے لگے۔ پھر فرمایا میرے دو ساتھی تھے
درسول اللہ اور حضرت ابوبکر) وہ ایک راہ پر چلے اب اگر میں ان کی
راہ کے سوا چلوں گا بے راہ ہوں گا۔ بخدا میں انہیں کی زندگی پر بسر
کروں گا تاکہ ان دونوں کے ساتھ عیش جاودانی پاؤں:

اللہ اللہ سردار دو عالم رحمۃ اللعالمین کی یہ حالت تھی کہ غزوات و سرایا میں فتوحات
ہوتی تھیں، مال اسباب لونڈی غلام سونا چاندی سب کچھ ملتے تھے مگر آپ اپنے
حصہ خمس میں سے اصحاب صفہ اور محتاجوں مسکینوں اور سائلوں پر صرف کر دیتے
اور اپنی آل و اولاد کو قناعت اور ایثار کی تعلیم دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا — الٰہی آل محمد کی روزی بقدر زیست عطا فرما۔

رسول اللہ کی سب اولادیں بجز حضرت فاطمہؓ کے آپ کے سامنے انتقال کر چکی

تھیں۔ حضرت فاطمہ کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے یہ میرا پارۂ جگر ہے۔ لیکن دورِ مدنی میں اس جگر پارے کی حالت ملاحظہ ہو۔ گھر میں نہ کوئی لونڈی تھی نہ غلام؛ سیدۃ النساء اپنے ہاتھ سے چکی پیستیں اور گھر کا کام کرتی تھیں اور حضرت علی مرتضیٰ پانی کی مشک بھر کر لاتے تھے۔ ایک لڑائی سے کچھ لونڈی غلام رسول اللہ کو ملے۔ حضرت علیؓ نے بی بی فاطمہؓ سے فرمایا ایک لونڈی جا کر لے آؤ۔ آپ تشریف لے گئیں۔ رسول اللہ نے محبت سے فرمایا۔ بیٹی کہاں چلیں؟ جناب سیدہؓ اپنا سوال نہ کر سکیں بس اتنا ہی کہا سلام کو حاضر ہوئی تھی اب اجازت ہے۔ جب واپس ہوئیں اور حضرت علی کو واقعہ معلوم ہوا تو پھر دونوں خدمتِ رسالتمآب میں حاضر ہوئے اور حضرت علی نے تکلیف کا اظہار کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا! اہلِ صفہ کے پیٹ (بھوک سے) پیٹھ سے جا لگے ہیں۔ ان اسیروں کے عوض جو رقم ملے گی وہ ان پر صرف کروں گا۔ تم صبر کرو۔ شام کو رسول اللہ اپنے پارۂ جگر کے گھر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے سوال سے بہتر ایک چیز دینے آیا ہوں سوتے وقت سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار، اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ اب تم خوش ہو؟ دونوں بول اُٹھے خدا و رسول کی خوشی ہماری عین خوشی ہے۔ سبحان اللہ!

یہ تعلیم و تلقین رحمتِ عالمؐ کا اثر تھا کہ ایک مرتبہ حضرات حسنین بیمار ہوئے حضرات علیؓ و فاطمہؓ نے تین روزوں کی منت مانی۔ اور جب پہلا روزہ رکھا، گھر میں کھانے کو نہ تھا۔ حضرت علی نے اپنی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن رکھ کر کچھ

جو سے لئے۔ افطار کے وقت ایک مسکین نے دروازے پر سوال کیا۔ جناب سیدہ نے نان جویں اس کو دے دیں اور پانی سے افطار کر لیا۔ دوسرے دن ایک یتیم آیا اور تیسرے دن ایک قیدی۔ ان دونوں کو بھی آپ نے روٹیاں اسی طرح دے دیں اور روزے پر روزے رکھے۔ اور پیہم صوم وصال سے غشی کی سی حالت پیدا تھی۔ رسول اللہ تشریف لائے اور یہ حال دیکھ کر مسرور ہوئے۔ پھر یہ وحی نازل ہوئی:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَ	وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور
يَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ	اس دن سے ڈرتے ہیں جس
مُسْتَطِيرًا وَيُطْعِمُونَ	کی مصیبت پھیل جائے گی اور
الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا	وہ اللہ کی محبت میں مسکین یتیم
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا	اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ	تم کو بس اللہ کی رضامندی کے لئے
لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا	کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی
شُكُورًا۔ (سورۃ الدھر)	بدلہ نہیں چاہتے نہ شکرگزاری۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ خلق عظیم کے مظہر اور کمالاتِ انسانی کے جامع تھے مکہ میں جب مصیبت کا سامنا تھا تو صبر و ثبات تحمل اور استقامت رضا و تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مدینے میں جب فتوحات حاصل ہوئیں تو شکر و عطا، جود و سخا، عفو و کرم کا نور چمکنے لگا۔ اسی کے ساتھ دورِ مدنی میں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اگر یہ دور نہ ہوتا تو سارے عالم کے لئے ایک دین کامل بھی نہ ہوتا جو قیامت تک

ہر زمانے میں اپنی شانِ اکملیت دکھاتا رہے گا۔ یہ طفیل ہے اس خاتم النبیین کا جس کی شان ہے ؎

(رُباعی)

خیر البشر ہیں صاحبِ خلق عظیم ہیں
دنیا میں آپ رحمتِ ربِّ کریم ہیں
ہیں جلوہ گر صفاتِ الٰہی حضور میں
نامِ خدا نبی بھی رؤفٌ رّحیم ہیں

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(پروفیسر) سیّد نواب علی

زندگی، شخصیت اور فن کا مختصر جائزہ

سید نواب علی رضوی سنہ ۱۸۷۷ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد میر فرزند علی رضوی لکھنؤ میں وکالت کرتے تھے اور جد امجد کے چھوٹے بھائی میر منظر علی آنریری وکیل تھے۔ چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت اُن کے سایۂ شفقت میں ہوئی۔ ۱۶ برس کی عمر میں آپ نے اُناؤ ہائی اسکول سے میٹرک کیا اور سنہ ۱۸۹۳ء میں کیننگ کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے اور قیصر باغ میں قیام کیا۔ ظاہر پور ضلع سیتاپور کے ایک پیرزادے مولوی نور العزیز جو بعد کو ایم اے پاس کر کے کیننگ کالج کے پروفیسر فارسی مقرر ہوئے سید صاحب کے ساتھ رہتے تھے اور ایم اے تک رفیق و ہمسبق رہے۔ نور العزیز کے ماموں مولوی نور الحسن ظاہر پوری اس دور کے ایک جید عالم اور سید صاحب کے شفیق اُستاد تھے۔ اُن کے فیضِ صحبت سے آپ کو امام غزالی کی تصنیفات کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ سید صاحب نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی سنہ ۱۹۰۰ء میں چچازاد بہن سے ہوئی جن سے پانچ بچے ہوئے ایک صاحبزادے سید انور علی اور دو صاحبزادیاں سیدہ نزہت بیگم اور سیدہ طاہرہ بیگم بقید حیات ہیں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ۱۹۲۰ء میں دوسری شادی کی لیکن ایک سال بعد دوسری بیوی بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ تیسری شادی نیوتنی کے مشہور عرب خاندان میں سید احمد اللہ فقیہی کی صاحبزادی سے سنہ ۱۹۲۲ء میں ہوئی جن سے چار بچے ہوئے۔ دو صاحبزادے سید احمد علی اور سید محبوب علی اور ایک صاحبزادی سیدہ محمودہ بیگم بقید حیات ہیں۔ آپ کے برادر خسر حکیم سید عابد علی طبیب حاذق و رئیس باعمل تھے۔ اہل اللہ کی طرف سید صاحب کا خصوصی رجحان دیکھ کر انہوں نے مشورہ دیا کہ علمائے فرنگی محل کی خدمت میں حاضری دیا کرو۔ اُس زمانے میں وہاں دو مشہور آستانے تھے ایک مولانا عبدالوہاب صاحب بن عبدالرزاق صاحب اور دوسرا مولانا عبدالصمد کے پوتے مولانا محمد نعیم صاحب کا۔ آپ ایک مشہور عالم باعمل اور صوفی باکباز تھے، چنانچہ دونوں آستانوں پر حاضری دینے کے بعد آپ حضرت موصوف کے سلسلۂ قادریہ رزاقیہ نعیمیہ سے وابستہ ہوگئے۔ یہ سلسلہ دو طریق سے حضرت علی مرتضیٰ تک پہونچتا ہے۔ ایک حضرت جنید بغدادی سے بطریق حضرت حسن بصری، دوسرا حضرت معروف کرخی سے بطریق سلسلۃ الذہب یعنی امام علی الرضا، امام موسیٰ کاظم، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام زین العابدین اور امام حسین علیہ السلام

سید صاحب کے خاندان میں شیعہ و سنی معتقدات قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور

ربط باہمی اور میل جول اور آپس میں شادی بیاہ کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ امیر وغیرہ کے شیعہ عقائد کے برعکس آپ نے اپنے چچا کی پیروی کی اور سنی ہونے کے بعد بیعت کرلی۔ لیکن اس کے باوجود اپنے مشہور خاندان سادات کی روایات کے آخر دم تک امین رہے۔ تمام عمر اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ رضوی لکھتے رہے چونکہ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام رضا سے ملتا تھا۔

سات سال تک آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ ابوالحیا محمد نعیم صاحب سے تعلیم و تلقین اور کسب فیض کیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں حضرت اقدس نے وصال فرمایا۔ اسی سال آپ نے ایم اے اور بی ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے اسٹاف میں دو سال تک کام کیا۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں بڑودہ کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۲۷ سال تک پروفیسری کے علاوہ علمی، تعلیمی اور تحقیقی خدمات انجام دیں۔ قیام بڑودہ کے دوران سات سال تک مولانا محمد علی جوہر آپ کے انیس و جلیس رہے۔ اور یہیں سے آپ کے علمی و تحقیقی کارناموں کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ ۲۷ سال کے طویل عرصے میں جن گراں مایہ شخصیتوں سے آپ کے قریبی اور ذاتی روابط قائم ہوئے اور جن تاریخ ساز ہستیوں کے دوش بدوش آپ نے اسلامی تاریخ و تحقیق کی بے مثال خدمات انجام دیں ان میں مولانا حالی، علامہ شبلی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر علی خاں، اور مولانا ابوالکلام آزاد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۴۳ء تک آپ نے ریاست جوناگڑھ میں پرنسپل بہاؤالدین کالج اور وزیر تعلیمات و اوقاف کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ سنہ ۴۳ء میں پنشن لے کر اپنے وطن لکھنؤ آ گئے۔ اور سنہ ۴۷ء تک قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ کی جائداد کی دیکھ بھال اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ سنہ ۴۸ء میں آپ پاکستان آ گئے اور کراچی میں قیام کیا۔ یہاں آتے ہی آپ کی پنشن جو ۱۴ سال تک باپابندی لکھنؤ میں ملتی رہی بند ہوگئی۔ پنشن کے اجراء کے لئے آپ نے آخر دم تک سعی و جہد کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھر بھی آپ نے صبر و رضا، توکل و قناعت اور عزم و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور بدستور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا اور بالآخر ۳۰ جون ۱۹۶۱ء (مطابق ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۱ھ) کو کراچی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

سید صاحب کی وفات حسرت آیات پر ملک بھر کے علمی و ادبی حلقوں میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ پاکستان کے ممتاز روزنامہ "جنگ" نے اداریہ میں سید صاحب کو خراج عقیدت

پیش کرتے ہوئے لکھا :

"سید نواب علی مرحوم کی وفات سے ہمارے مشاہیر علم و ادب کی بکھری ہوئی اور روز مرہ تتر بتر ہوجانے والی صف میں ایک نمایاں جگہ اور خالی ہوگئی۔ قوم کی علمی اور تحقیقی زندگی کا ایک اور ستون گر گیا۔
سید نواب علی مرحوم علم و ادب کی اس کہکشاں سے تعلق رکھتے تھے جس کے جگمگاتے ہوئے ستارے حالی، شبلی اور ظفر علی خاں وغیرہ تھے۔ سید صاحب مرحوم اسلامیات کے متبحر عالم، اسرائیلیات کے ممتاز محقق اور ایک درجن سے زیادہ معرکۃ الآرا کتابوں کے مصنف تھے۔ اُن کی مرتبہ "سیرت رسول اللہ" اپنی تحقیقی جامعیت، علمی اسناد ترتیب و تصنیف اور شگفتہ اسلوب کے لحاظ سے نہ صرف عوام و خواص میں غیر معمولی مقبول رہی ہے بلکہ سالہا سال تک اعلیٰ درس گاہوں میں بھی داخل نصاب رہی اور اب تک ہے۔ سید صاحب کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف "تاریخ صحف سماوی" ہے جس کی ترتیب و تالیف میں مرحوم نے ہر اُس علمی ذریعے سے مدد لی جو ایک محقق کی دسترس میں آسکتے ہیں اس طرح اس کتاب کا تاریخی اور تحقیقی پایہ بھی غیر معمولی حد تک بلند ہے۔ غالباً اسرائیلیات کے رموز کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب ہماری زبان میں موجود نہ ہو۔"

سید صاحب کے علمی کارنامے سنہ ۱۹۰۵ء سے شروع ہو کر سنہ ۱۹۶۱ء تک نصف صدی سے زیادہ کے عرصے پر محیط ہیں۔ آپ کی چند مشہور و معروف کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

تذکرۃ المصطفٰے

سن اشاعت : ۱۹۰۸ء

یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جو رسول اکرم کی مقدس زندگی پر نہایت شگفتہ انداز میں معتبر اور مستند ماخذوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد تحریر کی گئی۔ اس کتاب کو مدرسۃ العلوم علی گڑھ

نے اشاعت کے فوراً بعد داخل نصاب کر لیا۔

ہمارے نبی

(سنہ ۱۹۱۰ء)

جسٹس عباس طیب جی کی فرمائش پر رسول مقبول کی سیرت پر آپ نے یہ کتاب بچوں کے لئے نہایت آسان زبان میں تحریر فرمائی، جسے سلطان جہاں بیگم والی ریاست بھوپال نے سرکاری مطبع سے شائع کیا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں مولانا محمد علی جوہر بڑودہ سے جانے لگے تو اپنے کتاب کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور جب دہلی میں جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی تو اس کتاب کو خود طبع کرا کر درج نصاب کیا۔ جامعہ ملیہ دہلی سے اس کتاب کے اب تک پچاس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہی مشہور کتاب ترمیم و اضافہ کے ساتھ کراچی سے شائع ہوئی اور مدارس کراچی میں داخل نصاب کر لی گئی۔

معارف الدین المعروف بہ سائنس اور اسلام

(سنہ ۱۹۱۳ء و سنہ ۱۹۶۳ء)

سائنس اور اسلام کے موازنہ پر آپ کی یہ مشہور کتاب پہلی بار سنہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی اور اشاعت کے فوراً بعد دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور دیگر اسلامی اداروں نے اسے داخل نصاب کر لیا۔ مولانا محمد علی، مولانا عبدالحلیم شرر اور علامہ اقبال نے سید صاحب کی اس کتاب کو بے حد سراہا۔ مصنف کی نظر ثانی اور اضافے کے بعد مکتبۂ افکار نے اس نایاب اور گراں مایہ کتاب کو دوسری بار سنہ ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔

تاریخ صحف سماوی

(سنہ ۱۹۱۹ء، سنہ ۱۹۶۰ء و سنہ ۱۹۶۳ء)

سنہ ۱۴ء میں یورپ کے ایک مستشرق ڈاکٹر منگانا نے قرآن مجید میں کمی بیشی کا مفسدانہ دعویٰ کیا۔ سید صاحب نے تین سال کی شب و روز محنت اور تحقیق و تجسس کے بعد مستقل تصنیف بعنوان "تاریخ صحف سماوی" مرتب کر کے نہ صرف ڈاکٹر منگانا کے دعووں کی

علمی کھول دی۔ بلکہ اسلامی ادب کی تاریخ میں ایک ایسی جامع و مستند کتاب کا اضافہ کیا جو اس سے پہلے نہیں لکھی گئی تھی۔ اس میں قرآن مجید کی مفصل تاریخ اور جمع و ترتیب کے علاوہ تورات و اناجیل کے مروجہ نسخوں کی لفظی و معنوی تحریفات اور حذف و اضافہ کو مستند حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جامعہ کراچی اور جامعہ بہاول پور کے اعلیٰ درجات کے نصاب میں شامل ہے۔

سیرت رسول اللہ

سنہ ۱۹۳۱ء و سنہ ۱۹۶۶ء

سنہ ۱۹۲۶ء میں مرہٹی انسائیکلوپیڈیا میں آنحضرت صلعم پر ایک مضمون شائع ہوا جو قدیم سیرت نگار ابن اسحاق کی ایک غلط روایت کا ترجمہ تھا۔ سید صاحب نے بمبئی کرانیکل میں اس کا انگریزی میں جواب لکھا۔ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا ایڈیٹر سید صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے کیا خبر تھی کہ مارگولیتھ نے ابن اسحاق کی غلط روایت لکھ دی۔ میں نے مرہٹی میں ترجمہ کر دیا۔ اب میں معذرت چاہتا ہوں۔ تب سید صاحب نے سیرت پر دوبارہ قلم اٹھایا اور سیرت کے قدیم ماخذوں پر ناقدانہ نظر ڈال کر غلط روایات کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں درست فرمایا۔ رسول اکرم کی سیرت پر یہ جامع و مستند کتاب اشاعت کے فوراً بعد بمبئی یونیورسٹی میں داخل نصاب کر لی گئی۔ مصنف کی نظر ثانی اور اضافے کے بعد دوسرا ایڈیشن مکتبۂ افکار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے تاکہ پاکستان کی نئی نسل اور علمی درس گاہیں اس نایاب اور گراں مایہ کتاب سے بیش از بیش استفادہ کر سکیں۔

ان مشہور و ممتاز تصانیف و تالیفات کے علاوہ سید صاحب کی چند دیگر قابل ذکر کتابیں یہ ہیں:

قصص الحق

(۱۹۳۲ء)

قصص قرآنی کو آثار قدیمہ کے جدید انکشافات کی روشنی میں دکھا کر اسرائیلیات کے قصوں کی تردید کی ہے اور قرآن مجید کی غیبی خبروں کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔

شہیدِ حق

(سنہ ۱۹۴۶ء و سنہ ۱۹۵۳ء)

حضرت امام حسین اور واقعۂ کربلا کی محققانہ تشریح کے علاوہ اسلامی نظریۂ حکومت اور اتحاد بین المسلمین کی تعلیم پر سیر حاصل بحث۔

مرأتِ احمدی

(سنہ ۱۹۲۷ء)

تاریخ گجرات — جس میں سلاطین مغلیہ کے اصلی فرمانوں کی نقلیں اور مستند و معتبر تاریخی واقعات عہد فرخ سیر تک درج ہیں۔ تین ضخیم جلدوں میں فارسی متن اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ بڑودہ سے شائع ہوئی۔

سید صاحب کی انگریزی مطبوعات میں 'الغزالی' Some Moral & As-Sajjad 'اور 'السجاد Religi[illegible] Teachings of Al-Ghazali اور The Essence of Islamic Teachings بہت مشہور ہیں جن کے اب تک کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

تاریخ و تحقیق کے علاوہ سید صاحب زمانۂ طالب علمی سے شعر و سخن سے بھی خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ تخلص نواب تھا۔ اردو اور فارسی میں روانی سے شعر کہتے تھے۔ پہلا مجموعۂ کلام "شمع سخن" ۱۹۲۱ء میں، "نواب کے سو شعر" ۳۹ء میں، اور "گلبن" ۴۷ء میں شائع ہوئے۔

غیر مطبوعہ تخلیقات میں گذشتہ نصف صدی پر محیط آپ کا تحریر کردہ روزنامچہ، بلند پایہ علمی و ادبی مضامین کا مجموعہ، تصوّف پر آپ کی آخری تصنیف "انوار ابرار" اور آپ کے منفرد اسلوب کے آئینہ دار وہ خطوط جو آپ نے اپنے عہد کی گراں مایہ شخصیتوں کو تحریر کئے ترتیب و تدوین کی منزل میں ہیں اور انشاء اللہ جلد اشاعت پذیر ہوں گے۔

صہبا لکھنوی

کراچی - ۸ ر مئی ۶۶ء
مطابق ۱۶ ر محرم الحرام ۱۳۸۶ھ